لا تقبلوا علینا حدیثا الا ما وافق القرآن

ارشاد امام جعفر رضی اللہ عنہ
رجال کشی ص ۱۹۵

ہماری کوئی حدیث قبول نہ کرو جب تک وہ قرآن کے مطابق نہ ہو۔

فقہ جعفریہ
جلد اوّل

باب اول: ○ تاریخ فقہ جعفریہ
باب دوم: ○ مسائل فقہ جعفریہ اور ان کا رد

تالیف، مناظر اسلام شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب

مکتبہ نوریہ حسینیہ، جامعہ رسولیہ شیرازیہ، بلال گنج لاہور فون ۲۳۶۲۲۸

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب ۔۔۔ فقہ جعفریہ جلد اول

مصنف ۔۔۔ محقق الاسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی

جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

کتابت ۔۔۔ راجہ محمد صدیق نوید حضر کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰ روپے

مطبع ۔۔۔۔۔ حامد جمیل پرنٹرز لاہور

سن طباعت جنوری ۱۹۸۹ء

الانتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو قدوۃ السالکین حجۃ الواصلین
پیری و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ
اللہ علیہ سرکار کیلیانوالہ شریف اور نگہدار ناموس اصحاب رسول
محب اولاد بتول سپہر طریقت راہبر شریعت حضرت قبلہ
پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیب سجادہ کیلیانوالہ شریف
کی ذات گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کے روحانی تصرف
نے ہر مشکل مقام پر میری مدد فرمائی۔
ان کے طفیل اللہ میری یہ سعی مقبول و مفید اور میرے لیے
ذریعہ نجات بنائے۔ آمین:

احقر العباد
محمد علی عفا اللہ عنہ

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین، میزبان
مہمانانِ رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب
ساکن مدینہ منورہ، خلف الرشید شیخ العرب والعجم حضرت
قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع
مدینہ طیبہ، خلیفہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا
خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں
ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دعا سے فقیر نے اس
کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد علی عفی عنہ

تقریظ

محقق ابن محقق، شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی دامت برکاتہم

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی صاحب، فاضل درسِ نظامی ہیں۔ درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت دین ان کا مشغلہ ہے۔ مطالعہ بھی وسیع ہے اور مختلف مکاتب فکر کے عقائد و نظریات اور ان کے دلائل پر بھی ان کی نظر ہے۔ ان کی تالیف "تحفہ جعفریہ" ایک نہایت وقیع علمی مواد پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کتاب کا ایک جزو "حضرت علی اور خلفاء ثلاثہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے درمیان خوشگوار تعلقات" کے کچھ اوراق پر نظر ڈالی ہے جسے پڑھ کر اس کتاب کی عظمت، افادیت اور دلائل و براہین کی رفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس موضوع پر یہ کتاب ایک اچھی، مفید، جامع اور مدلل کوشش ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور عوام و خواص کے لیے یہ کتاب ہدایت و موعظت کا سبب بنے۔

سید محمود احمد رضوی

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف

گنج بخش روڈ لاہور۔ ۱۴ راگست ۱۹۸۴ء

تقریظ

شیخ الحدیث والتفسیر جامع المعقول والمنقول استاذی المکرم حضرت مولانا
علامہ غلام رسول صاحب فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء وامام المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین:

اما بعد:

میں نے شیعہ مذہب (تحفہ جعفریہ) کا اہم مقامات سے بغور مطالعہ کیا۔ فاضل مؤلف نے محنت شاقہ سے شیعہ کتب سے شیعہ مذہب کے عقائد بڑی تفصیل سے کتب کے متن کے مطابق ذکر کیے۔ اپنی طرف سے ان میں کچھ افراط وتفریط نہیں کی۔ اثنا عشریہ کے عقائد بڑی تفصیل سے باطل کیے اور ان کو بیت عنکبوت سے زیادہ کمزور ثابت کیا اور واضح کیا کہ ان لوگوں کے عقائد میں شدید تضاد ہے اور انہی کی کتب میں حضرات اہل بیت کرام علیہم السلام کی شان میں آداب سے تجاوز کیا گیا ہے۔ اول سے آخر تک اس کے مطالعہ سے شمس النہار کی طرح شیعہ مذہب کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ گویا اثنا عشریہ کی کتب ہی اس مسلک کے بطلان کی منادی ہیں۔ مولیٰ کریم مؤلف کو احسن جزا دے کہ انہوں نے نہایت ہی عرق ریزی سے اہلسنت وجماعت کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور عوام پر عظیم احسان فرمایا آمین

غلام رسول رضوی

تقریظ

مفسر قرآن، علامۃ الدھر، شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

(بہاولپور)

شیعہ فرقہ کے رد میں جامع کتاب لکھنے کا پروگرام فقیر اویسی نے اس وقت بنایا جب سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ (دار الاسلام) کی ایک نجی محفل میں قمر الاسلام و الملت حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے سنا کہ کاش کوئی مرد میداں ہوتا جو شیعہ مذہب کے ایک ایک عقیدہ اور مسئلہ کی قلعی کھولتا۔ اس کے بعد اگرچہ میری چند کتب اس مسئلہ کی وضاحت پر منظر عام پر آئے مگر ...... افسوس کہ فقیر اپنے پروگرام میں کلی طور پر کامیاب نہ ہو سکا اور نہ حضرت خواجہ کی دلی تمنا بر آئی۔

لیکن شیعہ مذہب کے رد میں فقیر کی دیگر کتب کی اشاعت نہ ہونے پر اب کوئی قلق نہیں، جب فاضل جلیل شیخ الحدیث حضرت علامہ الحاج مولانا **محمد علی** دامت برکاتہم کو تحفہ جعفریہ کی تصنیف میں منہمک پایا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ علامہ موصوف نے خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو اور میرے پروگرام کی تکمیل کر دی ہے کیونکہ علامہ موصوف نے تحقیقی اور مفصل کتاب لکھی ہے کہ جس میں ایک ایک شیعہ عقیدہ کے رد میں درجنوں شیعہ کتب سے تحقیق فرمائی ہے۔ اس کتاب کے کچھ ابواب فقیر نے پڑھے ہیں۔ الحمد للہ حضرت علامہ نے اپنے ہر دعویٰ کا اثبات قرآن اور معتبر کتب شیعہ سے کیا ہے اور یوں اہلسنت کی ایک بڑی خدمت کو پورا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی جزا عطا فرمائے آمین۔

محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ (بہاولپور) ۱۴ شعبان ۱۴۰۳ھ

تقریظ مناظر اسلام مولانا عبد التواب صدیقی اچھروی

اہل تشیع ایسا چالاک فرقہ ہے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شجر اسلام کی جڑیں کاٹنے کے درپے ہے۔ ہر دور میں علماء حق نے ان کی سرکوبی کے لیے نعرہ جہاد بلند کیا۔ آج کے دور میں اس فرقہ نے مکروفریب کا نیا جال بچھایا ہے۔ اور طرح طرح کے جھوٹے دلائل سے عظمتِ صحابہ کو داغدار کرنا چاہا ہے۔

اہل سنت کی طرف سے ایک ایسی کتاب کا وجود بس ناگزیر تھا جو شیعوں کی ایک ایک دلیل کو لے کر اس کی تردید کرتی۔ اور فی الوقت ان کے نئے نئے دلائل کا منہ توڑ جواب پیش کرتی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد علی کا عوام و علماء اہل سنت پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے یہ کمی پوری کر دی۔ اور ایک کے بجائے تین کتابیں تالیف فرما دیں جن کی جلدیں مجموعی طور سے ۱۱ عدد ہیں۔ یقیناً یہ کتابیں طلباء سے لے کر مناظرین تک سب کے لیے ایک نعمت ثابت ہوئی ہیں۔
اللہ تعالیٰ مولانا کی تصانیف کو شرف قبولیت عطاء فرمائے۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

محمد عبد التواب صدیقی
خادم آستانہ عالیہ مناظر اعظم لاہور

تقریظ

پیر طریقت شہباز شریعت حضرت علامہ الٰہی بخش صاحب لاہور

اُستاذ العلماء مناظر اسلام شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا الحاج

الحافظ محمد علی صاحب دامت برکاتہ العالیہ ناظم اعلیٰ جامعہ رسولیہ شیرازیہ

بلال گنج لاہور کا وجود اس قحط الرجال کے دور میں علمائے سلف کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے۔ آج سے چند سال پیشتر ہمارے تصور میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ قدرت اِن سے ایک عظیم الشان کام لینے والی ہے۔ تاریخ عالم کے واقعات اور شواہدات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض اوقات بہت سے افراد مِل کر ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات فردِ واحد ایک ایسا محیّر العقول کارنامہ سرانجام دے دیتا ہے۔ کہ بہت سے افراد مِل کر مدتوں تک بھی وہ کام مکمل نہیں کر سکتے۔ اور اس کا نام صدیوں تک زندہ و تابندہ رہتا ہے عقائد و مذاہب پر تحقیق و تدقیق کا سلسلہ شروع سے جاری ہے۔ بلکہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ اختلافات و اعتراضات کے دھارے ہمیشہ بہتے رہتے ہیں۔ دلائل و براہین کے ساتھ ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ دلائل و براہین ہی کسی کی عظمت و شخصیت کا پتہ بتاتے ہیں۔ شیعہ مذہب ابتدا سے ہی تشریح طلب رہا ہے۔ شیعہ مذہب کا بانی کون تھا، اس کے عقائد و نظریات کیا تھے۔ اور پھر شیعہ مذہب میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور رسول کی اولاد و ازواج اور صحابہ کرام کے متعلق جو شیعہ لوگوں کے دریدہ عقائد تھے ان کے دندان شکن جوابات فقط ان کی کتابوں سے ہی دیئے جا سکتے تھے۔ اس عظیم کام کے لیے

ایک عظیم محقق کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے یہ کام علامہ موصوف سے لیا۔ نہایت محققانہ انداز سے قلم اٹھایا! در تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اس درویش صفت انسان نے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کی دنیا میں سفر کرنا شروع کیا۔ عقل و خرد کے پیمانوں سے علم و حکمت کے خزانوں کی تلاش شروع کی۔ نہایت کامیابی کے ساتھ قیمتی ذخائر کو تلاش کیا۔ شیعہ مذہب کی عمارت کے بڑے بڑے ستونوں کو اُن کی کتابوں سے اتنے مضبوط دلائل کے ساتھ گراتے چلے گئے ہیں۔ کہ شیعہ صاحبان بھی اگر دیانتداری سے اس کا مطالعہ کریں تو اُنہیں فاضل مصنف کا احسان مند ہو کر اپنے عقائد و نظریات پر نظرِ ثانی کرنے کی نہایت پاکیزہ دعوت دی گئی ہے۔ تحفہ جعفریہ کی پانچ ——— عقائد جعفریہ کی چھ اور فقہ جعفریہ کی چار جلدیں ——— ہزاروں کتابوں کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ یہ حقیقت بالکل بجا ہے۔ کہ اس سے پہلے بھی ایسی بڑی بڑی عظیم کوششیں کی گئیں۔ تحقیق کے بڑے بڑے خزانے ازالۃ الخفاء اور تحفۂ اثناعشریہ کی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔ مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کہ میرے خیال کے مطابق کسی زمانہ میں بھی اتنی محقق اور مفصل کتاب ردِ روافض میں نہیں لکھی گئی! اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر آج حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب زندہ ہوتے تو یقیناً فاضل مصنف کو دعا اور مبارک باد دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا ہے۔ کہ قبلہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد علی صاحب کو عمر دراز فرمائے۔ آن کا سایہ اہل سنت و جماعت پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ اور ہم سب کو اُن سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

راقم الحروف

بندہ عاصم الٰہی بخش قادری

تاثرات مشائخ عظام

شیخ العرب والعجم علامہ فضل الرحمٰن صاحب (مدینہ منورہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضل الرحمٰن بن ضیاء الدین القادری

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لأن يهدي الله بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم

الحمد لله الذي خص هذه الأمة المحمدية بالعلماء العاملين وجعلها مرجعا للعباد، وحفظة للشريعة المطهرة من أهل الزيغ والعناد، ووفقهم إلى حفظه ونقاد. والصلاة والسلام على عبده ورسوله سيدنا وحبيبنا وشفيعنا محمد صلى الله عليه وسلم اصطفاه من بين سائر خلقه ورسله عليهم الصلاة والسلام فقال صلى الله عليه وسلم إني تارك فيكم الثقلين كتاب الله ثم قال وعترتي أهل بيتي، أذكركم الله في أهل بيتي ثلاثا، واصطفى له قرابته وصحابته كالنجوم، بل كالشموس، ومنهم من شرفه الله بزيادة الفضل والكرامة كالخلفاء الراشدين، وباقي العشرة المبشرة وغيرهم، رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، وبعد أقدم شكري الجزيل لفضيلة الأستاذ الكبير قدوة السالكين زبدة المحققين والمدققين مولانا محمد علي حفظه الله على إهدائه الكتب التي ألفها وصنفها لمحرر هذه الأسطر، جزاه الله عني وعن الإسلام والمسلمين خير الجزاء، إني قد طالعت في مؤلفاته التي ذكرها من عدة أماكن، وأسمعني قراءة بعض المحبين من أجزاء متفرقة من كتابه [سبعة مذاهب المعروف بعقائد الجعفرية] وكذا التحفة الجعفرية من المجلد الأول والمجلد الثاني. ... رها من عقائدهم الفاسدة

بسم الله الرحمن الرحيم

فضل الرحمن بن ضياء الدين المدني

المملكة العربية السعودية ص ب ۱۹۲ المدينة المنورة

والحقيقة أن فضيلته يستحق الشكر والتقدير على بذل مجهوداته القيمة المتميزة في سبيل إخراج هذه المجموعة الكبيرة السالف ذكرها والحق يقال — إنها دائرة معارف دينية — في موضوعاتها القيمة المتنوعة والتي جعلها سهلة التناول — لكل من يسر له الله لمعرفة ربه الحبيب وسنة نبيه الهادي إلى أقوم سبيل — وقد أكبرت في شخصيته التحلي عن الهمة العظيمة — والإخلاص العميق — بما لمسته من سمو نبيل وسعي حثيث في تحقيق مشروعه الذي هو الأول من نوعه بهذه الشمولية الرحيمة — وما بوبه ورتبه في كل باب منها من فصول وفروع — مع زينه من آيات قرآنية كريمة — أدرجها في عبارة لطيفة مستمدة من آثار العلماء في بيان فضل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يجب في حقهم من حسن الاعتقاد — ولزوم سبيل السداد — ومن أحسن القول في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأزواجه وذرياته — فقد برئ من النفاق — ومن ذكرهم بسوء فهو على غير سبيل ومن المعلوم أن فضل النبي صلى الله عليه وسلم سار منه في فضل أصحابه — الذي هو متفرع عن فضله — فكذلك الذرية الطاهرة فضلهم فرع عن فضله صلى الله عليه وسلم وبهذا يتضح أن أصل الفضلين — فضل الذرية — وفضل الصحابة هو رسول الله صلى الله عليه وسلم — وهما فرعان من أصل واحد

عمن ما حصل لأحدهما من مدح أو ذم — لا بد أن يتعدى على الآخر
فإنه الذي يلي من فرق بين الأولاد بعضهم — ومعاداة البعض
وإن عادى أحدهما لم ينفعه ولاء الآخر وكان عدو الله
ورسوله. وأعوذ وأقول لقد حظيت مؤلفات فضيلته —
من تنسيق جميل — وفن بديع — علاوة على ما حظي به
من ثمار في حصائده العلم والدين — وتقدير المشايخ والعلماء
العاملين وقد بين فضيلة المؤلف ما ورد من الأدلة الواضحة
أن خير هذه الأمة بعد نبيها أبو بكر الصديق ثم عمر الفاروق
ثم عثمان ابن عفان ثم أسد الله علي ابن أبي طالب ثم من بعد
الثلاثة أصحاب الشورى الخمسة رضوان الله عليهم أجمعين
هذا ما خطر على قلبي وجرى به لساني — حررته وقت السحر
وأنا مسرور بما اطلعت عليه من السلسلة الذهبية المشار
إليها — وهكذا يكون العلم والعمل ابتغاء رحمة الله ورضوانه
أسأل الله الكريم رب العرش العظيم أن يبارك في عمره وفي
أن يجزله المثوبة — بمحض فضله وكرمه ومنه إنه ولي جميع الدعاء
وصلى الله على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وأصحابه أجمعين

حرر في ١٢ — ١٢ — ١٤٠٦هـ
موافق ١٧ — ١ — ١٩٨٦م

الفقير إلى الله تعالى
فضل الرحمن بن فضيلة الشيخ
ضياء الدين القادري المدني
فضل الرحمن

ترجمہ تاثرات

شیخ العرب والعجم عمدۃ الاتقیاء میزبان مہمانان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا

علامہ محمد فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ

خلف الرشید شیخ الشیوخ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن

مدینہ شریف۔ زادھا اللہ شرفا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو ہدایت فرما دے تو یہ تیرے حق میں سرخ رنگ کے جانوروں کے حاصل ہونے سے کہیں بہتر ہے (یعنی یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑی ہے)۔"

تمام ترخوبیاں اس اللہ پاک کے لیے کہ جس نے اُمّتِ محمدیہ کو باعمل علماء کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اور انہیں عام لوگوں کے لیے مرجع قرار دیا اور شریعت مقدسہ پر گمراہ اور اس کے دشمنوں کے لگاتار حملوں کے خلاف محافظ بن کر کھڑے ہوئے اور انہیں شریعت پاک کی حفاظت کھرے کھوٹے کی پرکھ کرنے کی ذمہ داریاں سونپی۔

اور بے انتہا اللہ کی رحمتیں اور ان گنت سلام اس کے مخصوص بندے اور عظیم الشان رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوں جو ہم سب کے آقا ہیں

اور شفاعت فرمانے والے ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوق اور حضرات انبیاء کرام سے ممتاز بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

"بیشک میں تم میں دو بھاری اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت یعنی اہل بیت۔ میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلاتا ہوں"۔

یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی قرابت یعنی رشتہ داری کو تمام قرابتوں سے برگزیدہ فرمایا۔ اور آپ کے صحابہ کو ممتاز فرمایا جو ہدایت کے تابندہ ستارے نہیں نہیں بلکہ روشن سورج ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ حضرات ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضیلت اور کرامت میں حصہ وافر عطا فرمایا۔ جیسا کہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ وغیرہ۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نازل ہو۔

بعد ازیں میں فاضل کبیر، استاد معظم، قدوۃ السالکین، زبدۃ المحققین والمدققین جناب مولانا محمد علی صاحب (اللہ ان کی حفاظت فرمائے) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھ راقم الحروف کو اپنی تالیف کردہ کتب بطور ہدیہ عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور اسلام و مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

میں نے اُن کی تالیفات میں سے شیعہ مذہب المعروف تحفہ جعفریہ کی پہلی اور دوسری جلد کے مختلف مقامات کا مطالعہ کیا اور کئی ایک جگہوں سے مجھے اپنے دوستوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ جن سے مذہب شیعہ کے فاسد عقیدوں کی بیخ کنی کی گئی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاضل علامہ کی قیمتی محنت اور اس عظیم مجموعہ کی تالیف اور تکمیل پر کی گئی اُن تھک محنت لائق صد شکر اور احسان ہے اور حق تو یہ ہے کہ یوں کہا

جائے کہ ان کی کتابیں دینی علوم کا خزانہ ہیں اور ان سے مقصد کا حاصل کرنا ہر اس شخص کے لیے بہت آسان کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین متین کی معرفت آسان کر دی ہو اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی سنتِ پاک کا سمجھنا سہل کر دیا ہو۔

میں نے مصنف موصوف کی شخصیت میں عظیم ہمت اور گہرا اخلاص پایا۔ جس کا ثبوت ان کی اس تصنیف کے بارے میں لگاتار شب بیداری اور ان تھک محنت سے ملتا ہے اور پھر مزید یہ کہ اس کتاب کی ترتیب اور تقسیم ابواب اور مسئلوں کی علیحدہ فصل سے ملتا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے قرآنی آیات کو بہ مناسب مقام کی زینت بنایا۔ صحابہ کرام کے فضائل کے سلسلہ میں اکابر علماء کی گراں قدر اور نفیس رسائل عبارات اس کتاب میں درج کیں اور ان حضرات کے ساتھ حسن اعتقاد کے سلسلہ میں جو تحریرات لازم تھیں انہیں کتاب کی رونق بنایا اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے متعلق جو عقائد کا راستہ مستقیم تھا اُسے مضبوطی سے تھامنے کے لیے ضروری حوالہ جات سے کتاب و مزین کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، ازواج اور آپ کی آل پاک کے بارے میں اچھی گفت گو کا انداز اختیار کیا وہ شخص نفاق سے بچ گیا۔ اور جس شخص نے ان حضرات کے بارے میں ناز یبا باتیں کہیں وہ سیدھے راستے سے علیحدہ ہو گیا۔ اور یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور بزرگی ہی صحابہ کرام کی فضیلت اور بزرگی میں موجزن ہے۔ کیونکہ ان کی فضیلت آپ ہی کے شجرہ فضیلت کی شاخ ہے۔ اور یہی معاملہ آپ کی آل پاک میں موجود ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام اور آپ کی آل پاک کی فضیلت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ لہذا ان دونوں میں سے جس کی بھی تعریف یا مذمت کی گئی یقیناً وہ

دوسرے کو بھی شامل ہوگی سواللہ کی لعنت اُس شخص پر کہ جس نے ان میں سے بعض کے ساتھ دوستی اور دوسرے بعض کے ساتھ عداوت کر کے تفریق کی۔ تو اگر کسی نے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا تو اُسے دوسرے کی محبت ہرگز نفع نہ دے گی۔ اور وہ شخص اللہ اور اُس کے رسول کا دشمن ہوگا۔

میں اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مصنف مذکور نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف میں عبارت سلیس اور فن فصاحت اور بلاغت کے معیار کے مطابق رکھی علاوہ ازیں اس کتاب کی عظمت اُن تقاریظ سے بھی عیاں ہے۔ جو علم و دین میں ممتاز علماء ہیں: ور حضرات مشائخ کرام اور باعمل علماء کی تعریفی تحریرات سے اس کتاب کی عظمت عیاں ہے اور اس تالیف کی فضیلت اس واضح دلیل سے بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق پھر عمر الفاروق پھر عثمان ابن عفان پھر شیر خدا علی ابن طالب پھر اصحاب شورہ ہیں۔

یہ چند کلمات جو میرے دل میں آئے اور میری زبان سے ادا ہوئے میں نے انہیں سحری کے وقت قلم بند کیا اور میں اس سنہری تالیفات پر مطلع ہو کر انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ اور اسی طرح علم و عمل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی تلاش کے لیے ہونا چاہیئے۔ عرش عظیم کے مالک اللہ کریم سے میں مصنف کی عمر میں برکت کا طلب گار ہوں اور درخواست گزار ہوں کہ وہ اپنے محض فضل و کرم اور احسان سے انہیں ثواب جزیل عطاء فرمائے یقیناً میرا رب دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے اور ہمارے آقا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

الفقیر الی اللہ تعالیٰ
فضل الرحمٰن بن فضیلۃ الشیخ
ضیاء الدین القادری المدنی

تاثرات

پیر طریقت رہبر شریعت افتخار نقشبندیت
قبلہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب سجادہ نشین
آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف (گوجرانوالہ)

❋

اس خادم اہل بیت وصحابہ (راقم الحروف سید محمد باقر علی) کی دیرینہ تمنا تھی جھوٹے محبان اہل بیت المعروف شیعہ فرقہ کی تردید میں ایک مفصل اور عام فہم کتاب ہونی چاہیئے اس مقصد کے لیے میں نے چند بار علماء کی میٹنگ بلائی مگر کسی نے اس کام کی حامی نہ بھری۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے ہمارے آستانہ کے خادم علامہ محمد علی صاحب کو اس طرف متوجہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے قلم سے تین ضخیم کتابیں تحفہ جعفریہ، عقائد جعفریہ فقہ جعفریہ ضبط تحریر میں آگئیں جن کی مجموعی طور پر گیارہ جلدیں ہیں۔ اس میں کسی شخص کو کوئی شک نہیں کہ یہ کتابیں تحقیق کا انمول خزانہ ہے۔ میرے تاثرات ان کتابوں کے متعلق اس قدر تشکر آمیز ہیں کہ لفظوں سے انہیں بیان نہیں کر سکتا۔ میرا تو اپنے سب ارادتمندوں کو حکم ہے کہ جس کے پاس بھی کچھ مالی گنجائش ہے وہ یہ کتابیں خریدے بلکہ تمام مسلمانوں کو میرا یہی مشورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی محنت قبول فرمائے اور ہمارے آستانہ کے روحانی اجداد کی شفاعت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

سید محمد باقر علی سجادہ نشین آستانہ عالیہ
حضرت کیلیانوالہ شریف (ضلع گوجرانوالہ)

تعارف مصنف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

تخلیق کائنات کے ساتھ ہی خالق کائنات نے جب بنی آدم کو عزت و شرافت کا تاج بخشا تو اسے پردۂ عدم سے منصۂ شہود میں لاکر سطح زمین پر آباد فرمایا پھر ہر دور و ہر عہد میں دینی امور کی رشد و ہدایت اور دنیوی ضروریات کی فلاح و بہبود تاراستہ دکھانے کے لیے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام، عظیم المرتبت اولیاء کرام علیہم الرحمۃ اور متبحر علمائے دین مبعوث و منفرد فرماتا رہا۔ ان عظیم ہستیوں نے نوع انسانی کو صراطِ مستقیم کی تلقین و تبلیغ فرمائی اور انہیں شرک و کفر اور گمراہی کی بھیانک تاریکیوں سے نکال کر ان کے سینوں کو نورٌ علی نور اور معرفتِ خداوندی سے معمور فرمایا اور یہ حضرات متلاشیانِ حق کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوئے۔

چودہ سو سال ہوئے، خلاقِ عالم نے سلسلۂ نبوت تو اپنے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا۔ جب سیدِ کائنات ختمی مرتبت نے بظاہر دنیا سے پردہ فرمایا تو اس وقت سے آج تک اولیاء اور علماء ہی ہیں جو پیامِ حق بندگانِ حق تک پہنچاتے رہے ہیں اور تاقیامت پہنچاتے رہیں گے۔ ان ہی عظیم محسنینِ اُمت میں سے ایک استاذ العلماء استاذی المکرم حضرت الحاج الحافظ علامہ مولانا محمد علی صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ دار العلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ بلال گنج امیر روڈ لاہور ہیں۔ آپ بیک وقت اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک متبحر عالم دین، حق گو مجاہد، شیریں لسان خطیب ایک مہربان و مشفق استاد اور اعلیٰ درجہ کے مدرس ہیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں

سے متنا ذہے جو ملک کے طول و عرض میں عرصہ سے مسلک اہل السنت و الجماعت کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ راقم الحروف بھی ان کے گلشن کے خوشہ چینوں میں سے ایک ادنیٰ سا غلام ہے۔

حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد علی صاحب دامت برکاتہم، مذہباً سُنی، حنفی، بریلوی، مشرباً نقشبندی ہیں، ساکناً لاہوری و مولداً گجراتی ہیں۔

قبلہ استاذی المکرم نے کم و بیش اٹھارہ سال تک نارووال ضلع سیالکوٹ کی مرکزی جامع مسجد شاہ جماعت میں فرائض خطابت انجام دیے۔ اس مسجد کی بنیاد حضرت امیر ملت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمہ اللہ نے رکھی تھی۔ اس مسجد میں خطابت کے دوران عوام کے اجتماع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ جامع مسجد کے وسیع ہال اور صحن کے علاوہ گلیوں، بازاروں، دکانوں اور مکانوں کی چھتوں پر عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ جب آپ اپنی تقریر میں قرآن مجید کی آیات اپنے مخصوص لہجہ میں تلاوت فرماتے تو مجمع جھوم جھوم اٹھتا تھا۔

پیدائش

استاذی المکرم مولانا الحاج محمد علی صاحب مدظلہ العالی ۱۹۳۳ء میں موضع حاجی محمد مضافاتِ شہر لالہ موسیٰ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں آپ کے والدین کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں:

"جب میری عمر سات برس کی ہوئی اور ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت تنگدستی کا دور دورہ تھا۔" آپ کی والدہ محترمہ جو کہ ایک ولیہ کاملہ تھیں اور روزانہ ایک ہزار رکعت نوافل ادا کرتی تھیں، نے محسوس فرمایا کہ ہم اپنی کفالت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فیصلہ فرمایا کہ اپنے بیٹے محمد علی کو کسی دینی مدرسہ میں داخل کرایا جائے تاکہ علم دین حاصل کریں اور اسی سبب سے اللہ تعالیٰ ہمارے دن پھیر دے۔" فلہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو چکوڑی شریف ضلع گجرات کے ایک مدرسہ میں داخل کروا دیا مگر صحیح سرپرستی

نہ ہونے کی وجہ سے آپ چار پانچ سال تک مختلف مدارس میں گھومتے رہے اور اس عرصہ میں صرف قرآن مجید ناظرہ ہی ختم ہوا۔

بعد ازیں جب آپ گھر واپس تشریف لائے تو خیال کیا کہ اب کسی طرح والدین کی خدمت کرنی چاہیے گھر سے نکلے اور لاہور پہنچ کر ہربنس پورہ کے قریب بھائی جہنڈ چھاؤنی میں ملازم ہو گئے اور اس طرح بذریعہ ملازمت کچھ عرصہ تک والدین کی خدمت کرتے رہے ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند ہوئی تو آپ واپس اپنے گاؤں حاجی محمد ضلع گجرات چلے آئے

تعلیم و تربیت

چونکہ والدہ محترمہ کا دلی ارادہ علم دین پڑھانے کا تھا اور آپ اکثر اوقات اس کی دعا بھی فرماتی رہتی تھیں۔ اسکا نتیجہ تھا کہ آپ کے دل میں علم دین کے حصول کی تڑپ اس شدت سے پیدا ہوئی کہ جب آپ خیال فرماتے کہ ساری عمر یونہی گزر جائے گی؟ تو آنکھوں سے اشکوں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔ ایک دن والدہ صاحبہ سے اجازت چاہی تو انہوں نے خاموش رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے والد اور بھائی اجازت نہیں دینگے اور پھر ایک دن آپ بلا کسی اطلاع کے گھر سے نکلے اور میانہ گوندل ضلع گجرات پہنچ گئے۔ وہاں ایک مسجد میں حافظ قاضی غلام مصطفےٰ صاحب پنڈ دال ضلع جہلم قرآن مجید حفظ کراتے تھے آپ بھی ان کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے اور ایک سال میں پندرہ پارے حفظ فرمائے۔ دفعتہ ایک دن خیال آیا کہ غدر کا زمانہ ہے اور حالات مخدوش ہیں والدین کہیں یہ نہ سمجھے بیٹھے ہوں کہ ان کا بیٹا کہیں شہید ہو گیا ہے جس کی آج تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ لہٰذا آپ نے والدین کو ایک خط اپنی خیر و عافیت کے متعلق لکھا مگر اس میں اپنا پتہ درج نہ فرمایا۔ صرف یہ تحریر کیا کہ میں زندہ و سلامت ہوں اور بخیر و عافیت ہوں کوشش کی زحمت گوارہ نہ فرمائیں۔ قرآن پاک مکمل حفظ کر کے خود گھر واپس آجاؤں گا

یہ خط جب پہنچا تو حقیقتاً والدین آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ والدین آخر والدین ہوتے ہیں برداشت نہ کر سکے۔ خط پر موہناڈپو کی مہر لگی ہوئی کر والد صاحب وہاں پہنچ گئے اور تلاش کرتے کرتے میانہ گوندل تشریف لے آئے اور ملاقات ہوئی تو گلے لگا کر بہت روئے لہٰذا واپس گھر لے آئے۔

چند دن گھر پر گزارنے کے بعد پھر وہی اشتیاقِ حصولِ علم موجزن ہوا۔ آپ پھر بھاگ گئے اور موضع گوہڑ مضافاتِ منڈی بہاؤالدین پہنچے۔ وہاں آپ کو ایک نہایت ہی مہربان اور تجربہ کار استاد مل گئے جن کا اسمِ گرامی حافظ فتح محمد صاحب تھا۔ وہ آپ کو اپنے مدرسہ اجووال لے گئے اور بڑی محنت و جانفشانی سے قرآن مجید مکمل کرایا۔ قرآن حکیم مکمل حفظ کرنے کے بعد آپ گھر تشریف لے آئے۔

میلانِ طبع کو دیکھتے ہوئے گھر والوں نے مزید علومِ دینیہ حاصل کرنے کی اجازت دے دی اور آپ دارالعلوم جامعہ محمدیہ بھکھی شریف ضلع گجرات میں داخل ہو گئے۔ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور ناظمِ اعلیٰ علامۃ الدہر جامع المعقول والمنقول حضرت پیر سید جلال الدین شاہ صاحب نے بڑی شفقت فرمائی اور آپ کو حضرت مولانا علامہ بشیر احمد سرگودھوی مرحوم کے سپرد فرما دیا۔ انہوں نے آپ کو قانونچہ کیدانی، نحو میر اور شرح مائۃ عامل وغیرہ ابتدائی کتب پڑھائیں۔

تلاشِ مُرشدِ کامل

دورانِ تعلیم مرشدِ کامل کی تلاش ذہن میں آئی تو اپنے استاذِ مکرم حضرت علامہ مولانا حافظ محمد سعید احمد صاحب خطیب اعظم علی پور چٹھہ کی معیت میں آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر ہوئے۔ سراج السالکین قدوۃ العارفین قبلہ پیر سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری قدس سرہ العزیز، اکمل و اعظم خلیفہ مجاز، سلطان العارفین، قطبِ زمان اعلیٰحضرت قبلہ میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمہ اللہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "آپ حافظِ قرآن ہیں" پھر جواب سے پہلے خود ہی

فرمایا: "ہاں آپ حافظِ قرآن تو ہیں" پھر فرمانے لگے "آپ کس لیے آئے ہیں؟"
آپ نے عرض کی حضور! اللہ اللہ سیکھنے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت خواجہ پیر سید نورالحسن شاہ صاحب
بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ پہلے بھی ایک دفعہ یہاں آئے تھے۔ آپ نے عرض کیا
ہاں حضور! حاضر ہوا تھا۔ حضرت صاحبؒ کے اس عارفانہ کلام کا دل پر نہایت گہرا اثر ہوا
دراصل واقعہ یہ تھا کہ جب آپ اُجووال میں قرآن مجید حفظ کر رہے تھے تو اس گاؤں کا
یک چوہدری شیر محمد راجہ آپ کو ساتھ لے کر حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر ہوا تھا راستہ
یں دورانِ گفتگو چوہدری صاحب نے آپ سے پوچھا کہ حافظ صاحب! بھلا مرشد کیسا
ہونا چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا جسے کم از کم اتنی خبر تو ہو کہ کوئی آنے والا عقیدت
یسے آ رہا ہے۔ جب یہ دونوں صاحب حاضرِ بارگاہ ہوئے تو جمعہ شریف کا دن تھا۔
حضرت صاحبؒ خطبہ کے لیے ممبر پر رونق افروز ہوئے۔ آیتِ قرآنی۔ ھوالذی
ارسل رسولہ بالھدی الخ تلاوت فرمائی۔ دورانِ تقریر آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ
یہ کہتے ہیں کہ پیر وہ ہوتا ہے جسے خبر ہو کہ مرید آ رہا ہے۔ مگر دوستو! آزمائش اچھی بات
نہیں ہوتی۔ ظنوا المؤمنین خیرا (مومنوں کے متعلق حُسنِ ظن رکھو) حدیث پاک
پڑھی اور وعظ ختم فرمایا۔ خطبہ کے اختتام پر اشارہ فرمایا کہ اسے یعنی آپ کے ساتھی کو
پیچھے کر دو کیوں کہ چوہدری صاحب داڑھی مُنڈے تھے۔

اگلی صبح اجازتیں ملنے لگیں۔ سب لوگ اجازتیں لے کر جا رہے تھے سب سے
آخر میں آپ کی باری آئی تو حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو لوگ رہ گئے ہیں ان کو کہہ دو،
چلے جائیں۔ میری طبیعت خراب ہے۔ پھر کبھی آجائیں۔ اس طرح قبلہ استاذی المکرم
کے دل میں یہ بات راسخ ہوگئی۔ شیخ کامل یہی ہیں اور بہرصورت ان سے اکتساب
فیض کرنا چاہیے لیکن حضرت قبلۂ عالم نے بڑی کوشش کے بعد قبول فرمایا اور اپنے
حلقۂ ارادت میں داخل کیا۔ پھر فرمانے لگے کہ حافظ صاحب! کوں کوں نہ کیا کرو۔ سمجھ

پڑھا کرو، پھر سبق یاد کیا کرو۔ برکت ہوگی۔ اصل بات یہ تھی کہ جن دنوں حضرت استاذی المکرم قانونچہ کیسوالی پڑھتے تھے تورات کو اُٹھ کر صَرف کی گردانیں منہ بند کر کے ناک کے راستے دہرایا کرتے تھے جس کو حضرت شیخؒ نے "کوں کوں" سے تعبیر فرمایا۔ یہ آپؒ کا کشفِ باطنی تھا۔ اس کے بعد حضرت قبلہؒ نے فرمایا "حافظ صاحب! جلدی "گھتی" مارنا" یعنی جلدی آنا۔ آپ اگلے جمعہ تیس میل پیدل چل کر درگاہِ شیخ پر پہنچے تو حضرت شیخ نے آپ کا وظیفہ مکمل فرما دیا اور ساتھ ہی فرمایا "حافظ صاحب! اب کی بار بہت جلدی گھتی مارنا" یعنی بہت جلدی آنا۔

استاذی المکرم نے اگلے جمعہ کو روانہ ہونے کا ارادہ کیا مگر اس سے پہلے ہی حضرتِ شیخ کیلانی اس دارِ فانی سے پردہ فرما گئے۔ یہ سارا واقعہ حرف بحرف قبلہ استاذی المکرم نے خود بیان فرمایا۔

تکمیلِ علم

بعد ازاں استاذِ گرامی حضرتِ مولانا علامہ محمد علی صاحب مدظلہ العالی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہوئے اور بحرالعلوم استاذالاساتذہ جامع معقول و منقول علامۂ زمان حضرت مولانا غلام رسول صاحب رضوی فیصل آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حضرت مولانا قبلہ رضوی صاحب نے نہایت جانفشانی، کمال محنت و شفقت سے پڑھایا اور آپ نے انہیں سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ استاذی المکرم اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ جتنی محنت اور محبت میرے ساتھ قبلہ مولانا علامہ غلام رسول صاحب نے فرمائی ہے اس کی شاید ہی کہیں مثال مل سکتی ہو۔

علومِ درسیہ سے فراغت کے بعد آپ نے اورینٹل کالج لاہور سے نمایاں حیثیت سے فاضل عربی کا امتحان پاس فرمایا پھر حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی کی وساطت سے محدثِ اعظم پاکستان حضرتِ قبلہ مولانا علامہ سردار احمد صاحب قدس سرہ العزیز سے اکتسابِ حدیث کے بعد سندِ حدیث حاصل کی۔

دارالعلوم کا قیام ۱۹۶۳ء میں بلال گنج امیر روڈ لاہور میں ایک قطعہ زمین خرید کر ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی اور اپنے مکرم و محترم استاد قبلہ مولانا علامہ غلام رسول صاحب رضوی دام ظلہ العالی کے نام نامی کی نسبت سے اس ادارہ کا نام دارالعلوم جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ تجویز فرمایا۔ اس وقت اس دارالعلوم میں شعبۂ حفظ القرآن تجوید و قرأت، درس نظامی، دورۂ حدیث اور دورۂ تفسیر القرآن نہایت محنت اور جانفشانی سے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ آپ کی مساعئ جمیلہ کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ دارالعلوم جس کا اجراء ایک چھوٹی سی کٹیا سے ہوا تھا۔ آج ایک عظیم الشان بلند و بالا عمارت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ دینی طلباء کے لیے ہر قسم کے قیام و طعام کا تسلی بخش انتظام کیا گیا ہے اور سینکڑوں اندرونی و بیرونی طالبان دینِ متین اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔

ادارہ ہنوز تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ دُعا ہے خدائے ذوالجلال اپنے حبیب باکمال کے طفیل اس دارالعلوم کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور تشنگانِ حق کے لیے چشمۂ علم و عرفان بنائے رکھے آمین۔

والدین استاذ محترم مصنف کتاب ہذا کے والد گرامی جناب غلام محمد صاحب اگرچہ دینی علوم سے شناسا نہ تھے۔ تاہم ضروریات دین کو خوب سمجھتے تھے اور اپنے دور کے قطب کامل قدوۃ السالکین حضرت قبلہ خواجہ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت قبلہ عالم خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ سے ان کا روحانی تعلق تھا۔ وہ ایک پرہیزگار، شب زندہ دار، خوفِ خدا میں چشم گریاں رکھنے والے اور یادِ خدا میں ہمہ وقت شاغل قلب کے مالک تھے۔ ان کا معمول تھا کہ آدھی رات کے بعد بستر سے الگ ہو جاتے اور بقیہ رات سربسجود گزار دیتے۔ اور ان کے نالہ نیم شبی کی دلگداز آوازرات کے سکوت کا جگر پاش پاش کر دیتی تھی۔ گھر والے انہیں دیکھتے کہ وہ اندھیری رات میں سر سجدے میں رکھ کر زار و قطار رو

رہے ہیں۔ یقیناً وہ ایک جنتی انسان تھے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لَا یَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ	وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا
بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ	جو اللہ کے خوف سے روئے۔
اللّٰہِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ،	تا آنکہ دودھ واپس تھن میں
فِی الضَّرْعِ۔	چلا جائے۔

ان کا معمول تھا کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز مسجد میں جا کر ادا کرتے۔ اللہ نے انہیں بڑی دلگداز آواز بھی دی تھی۔ تو جب وہ تہجد کے بعد یاد خدا اور خشیت الٰہی پر مشتمل اشعار اپنی جان گداز آواز میں پڑھتے اور ساتھ آہ و بکی کرتے تو آس پاس کے مکانات والے لوگ بھی اس واضح آواز کو سنا کرتے۔ اور یہ سلسلہ تا دم سحر جاری رہتا۔

مصنف علام نے بھی چونکہ اسی ماحول میں تربیت پائی تھی تو ان پر بھی اس کا گہرا اثر ہوا۔ اور ہم نے ان کے شبانہ معمولات کو بھی اسی رنگ میں ڈھلا ہوا دیکھا ہے بلکہ آپ کے اکثر تلامذہ اور اولاد میں بھی تہجد کے لیے رات کے پچھلے پہر بیدار ہونے کی عادت موجود ہے۔

اسی طرح مصنف علام کی والدہ ماجدہ کا حال بھی اس سے فزوں تر ہے۔

عالم شباب ہی میں خانوادۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معمر اور ازحد پرہیزگار خاتون فاطمہ بی بی رحمہا اللہ ساکنہ موضع بھانیاں گجرات سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ اور اس کا یہ فوری اثر ہوا کہ انہوں نے مسلسل تین سال اندھیری کوٹھڑی میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے گزار دیئے۔

پھر ان کی ساری عمر ترک دنیا میں گزری۔ کبھی نیا کپڑا نہ پہنا۔ البتہ جو پوشش بھی زیب تن کیا وہ اُجلا اور پاکیزہ ہوتا۔ روزانہ غسل کرنا ان کا معمول تھا۔ آپ کی والدہ حد سے زیادہ دریا دل اور سخیہ تھیں۔ جو ہاتھ میں آیا راہ خدا میں لوٹا دیا۔ عبادت کا یہ حال تھا کہ

چوبیس گھنٹوں میں تقریباً بارہ سو تک نوافل ادا کیا کرتیں۔ انہوں نے تقریباً سو سال عمر پائی اور وفات سے چند روز قبل تک یہی معمول رہا کہ کھڑے ہو کر رات بھر عبادت میں گزار دیتیں۔ اور ہزار سے بارہ سو تک نوافل ادا کرتیں۔

جب مصنف علام نے لاہور میں جامعہ رسولیہ شیرازیہ (بلال گنج لاہور) قائم کیا اور قرآن وحدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا تو آپ کی والدہ تقریباً ۱۹۷۳ء میں آپ کے پاس لاہور آگئیں۔ پھر ہم نے خود دیکھا ہے کہ وہ طلباء جامعہ سے قرآن کریم کا ثواب جمع کرتیں اور روزانہ تقریباً پانچ سے دس تک قرآن کریم جمع ہو جاتے اور وہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ختم شریف دلاتیں۔ روزانہ پھل وغیرہ تقسیم کرتیں۔ حتیٰ کہ "مائی گیارھویں والی" ان کا نام پڑ گیا۔ طلباء جامعہ سے از حد شفقت کیا کرتیں۔ جس سے قرآن کا ثواب لیتیں اسے کچھ نوازا بھی کرتیں۔ آج جب دادی اماں کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو آنکھ پر نم ہو جاتی ہے۔

ان کی وفات کا یہ عالم ہے کہ نماز ظہر کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے حضرت مصنف کو ہاتھ کے اشارہ سے بلایا اور طلباء میں پیسے تقسیم کرنے کا اشارہ کیا پھر نقاہت کی وجہ سے لیٹے ہوئے نماز ادا کرنا شروع کی۔ ہاتھ اٹھا کر سینے پر باندھے اور ساتھ ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ سن وصال ۱۹۸۲ء ہے۔

وصال کے بعد جب انہیں نہلانے کا وقت آیا یہ مشہور واقعہ ہے کہ خاندان کی عورتوں نے جو نہلا رہی تھیں محسوس کیا کہ دادی اماں کا دل دھڑک رہا ہے۔ انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ دادی اماں کہیں زندہ تو نہیں مگر آپ تو واقعی وصال فرما چکی تھیں۔ مگر وہ آپ کا قلب ذاکر تھا جو ہنوز مصروفِ ذکرِ خدا تھا۔ لاہور چونگی کے قریب میانی قبرستان میں آپ کا مزار پرانوار ہے۔ ان کے وصال پر انہیں ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم کا اس قدر ثواب جمع ہوا کہ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کی قبر کی ہر اینٹ کے عوض

ایک قرآن پڑھا گیا ہے۔ قبر کی اینٹیں تقریباً ایک ہزار تھیں۔

اس پرہیزگار اور شب زندہ دار مال کی تربیت کا استاد گرامی حضرت مصنف کے قلب و باطن پر واضح اور گہرا اثر دیکھنے میں آیا ہے۔

حضرت مصنف کے خاندان میں اور بھی کئی ایسے کامل لوگ گزرے ہیں۔ چنانچہ استاد گرامی کے ارشاد کے مطابق ان کی ساس صاحبہ ایک ولیہ کاملہ تھیں ان کی وفات پر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا سحری کا وقت تھا کہ وہ اچانک زور زور سے پکارنے لگیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ وہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی گلی کے موڑ سے نمودار ہو کر تشریف لا رہے ہیں۔ اور مجھے فرما رہے ہیں۔ ع

عزت نوریاں تھیں وودھ پادیں جے ساڈے دل آ دیں۔

پھر عالم بے ہوشی میں یہی مصرعہ ان کا وردِ زبان رہا اور چند دن بعد ان کا وصال ہو گیا۔ تب ان کے وصال کے بعد حضرت مصنف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ مذکورہ مصرعہ کے ساتھ شعر کو مکمل کرتے ہوئے یوں دوسرا مصرعہ ملایا۔

عزت نوریاں تھیں وودھ پادیں جے ساڈے دل آ دیں

جنت دے دروازے کھلے کیوں دیراں ہن لادیں

اولاد آپ کی اولاد میں سے سب سے بڑے بیٹے مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب ہیں۔ جو ایک مستند عالم دین۔ فاضل علوم دینیہ، فاضل قراءت سبعہ اور فاضل عربی ہیں۔ اور متعدد ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے چند ایک کے یہ نام ہیں

۱۔ ترجمہ الریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ المبشرہ چار جلدوں میں (عشرہ مبشرہ صحابہؓ کے مناقب و محامد پر مشتمل حضرت محب طبری رحمۃ اللہ کی مشہور آفاق کتاب

کا اردو ترجمہ)

۲- شرح الشاطبیہ دو جلدوں میں (قراءاتِ سبعہ کے متعلق امام شاطبی رحمۃ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب جسے قصیدہ لامیہ بھی کہتے ہیں کا ترجمہ و تشریح)۔

۳- الدعار بعد صلوٰۃ الجنازہ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے جواز پر قرآن و حدیث کے دلائل کا بیش بہا خزینہ جو ۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۴- جشنِ میلاد قرآن و حدیث میں۔ جواز عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل قرآن و حدیث کے دلائل کا انمول مجموعہ۔

مولانا محمد طیب صاحب آج کل انگلینڈ میں تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں ان کی تقریر و تحریر میں حضرت مصنف کا اندازِ بیان اور زورِ استدلال نمایاں جھلکتا نظر آتا ہے۔

مولانا محمد طیب صاحب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ رضائے مصطفیٰ اور حافظ احمد رضا حفظِ قرآن کے بعد درس نظامی میں زیر تعلیم ہیں۔ جبکہ مولانا حافظ رضائے مصطفیٰ علوم درسیہ کے آخری سال میں زیر تعلیم ہونے کے ساتھ ایک منجھے ہوئے اور شیریں لسان مقرر بھی ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ محمد رضا قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔ حضرت مصنف کی چھوٹی صاحبزادی بھی قرآن کریم کی حافظہ ہیں۔ خدا اس گلشنِ علم کو ہمیشہ پر بہار رکھے۔

اولاد کی تربیت و تعلیم کے انداز بھی بتلا رہا ہے کہ حضرت مصنف گہرا دینی شغف رکھتے ہیں اور اپنی اولاد کو اپنا سچا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ جبکہ موجودہ دور کے علماء میں یہ جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا قومی المیہ ہے کہ جلیل القدر علماء کی اولاد علم دین سے نا آشنا نظر آتی ہے۔ ایسے دور میں حضرت مصنف کا وجود علماء کے لیے قابلِ تقلید ہے۔

اخلاق و عادات

حضرت مصنف جہاں انگنت خوبیوں کے مالک ہیں۔ وہاں ان کی ایک بڑی قابلِ عمل اور قابلِ تقلید

صفت والدین اور اساتذہ کا بے پایاں احترام و اطاعت بھی ہے۔ استاد محترم کو جس قدر ہم نے اپنے اساتذہ کے سامنے مؤدب اور سراپا احترام پایا ہے اس کی مثال کم ہی نظر آتی ہے۔ جبکہ والدین کے لیے حق اطاعت کی بجا آوری اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ آپ ہر جمعرات کو جامعہ کے طلباء سمیت اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے جاتے ہیں۔ اور پورا قرآن کریم ختم کر کے ایصال ثواب کرتے ہیں علاوہ ازیں سارا ہفتہ طلباء سے ثواب جمع کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر جمعرات کو قبر انور پر ۱۰سے ۱۲ کرہ اتک قرآن کریم جمع ہو جاتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و اولیاء اور مسلمین مرحومین خصوصاً والدہ ماجدہ کا ختم شریف دلاتے ہیں۔ زندگی میں والدہ کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ اب بھی اسی طرح اپنی کاپی میں درج کرتے ہیں۔ بلکہ جیسے جیسے مہنگائی بڑھتی ہے اور گھر والوں کا خرچہ بڑھاتے ہیں۔ والدہ صاحبہ کا بھی خرچہ بڑھاتے ہیں۔ جو طلباء پر خرچ کرتے ہیں جیسے کہ والدہ خرچ کیا کرتی تھی اور اس کا ثواب والدہ کو پہنچاتے ہیں۔

دوسری بڑی خوبی اور اعلیٰ ترین صفت عشق محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو آپ کو بار بار کشاں کشاں مدینہ طیبہ لے جاتا ہے اور اب تک آپ سات مرتبہ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں۔ کہ وہ گھڑی آئے کہ آنکھیں روضۂ رسول کے دیدار سے ٹھنڈی ہو جائیں

چند جید تلامذہ یوں تو حضرت مصنف کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ جو ملک اور بیرون ملک جا بجا شمع دین کو فروزاں کر رہے ہیں۔ تاہم ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی بطور مشتے از خروارے درج ذیل ہیں

۱۔ حضرت علامہ مولانا نذیر احمد صاحب آف گجرات بھالیہ۔ جو آج کل لاہور بلال گنج میں خطیب اور جامعہ شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ میں شعبہ درس نظامی

میں صدر مدرس ہیں۔

۲ ۔ مولانا علامہ محمد یوسف صاحب کوروی۔ جو انگلینڈ کے شہر کا ونٹری میں حضرت علامہ مولانا عبدالوہاب صدیقی خلف الرشید مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر اچھروی کے قائم کردہ علوم اسلامیہ کے مشہور مرکز جامعہ اسلامیہ میں شعبہ درس نظامی میں صدر مدرس ہیں۔

۳۔ مولانا قاری محمد برخوردار صاحب مہتمم جامعہ کریمیہ بلال گنج لاہور آپ فاضل درس نظامی ہونے کے ساتھ قراءات سبعہ عشرہ کے جید اساتذہ میں سے ہیں۔ اور لاہور میں حفظ و قراءات کے ایک وقیع ادارہ جامعہ کریمیہ کے مہتمم ہیں۔

۴ ۔ مولانا احمد علی صاحب مرزا پوری۔ جو شیخو پورہ شہر میں مصروف تدریس ہیں۔

۵ ۔ حضرت مصنف کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب جس کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔

۶ ۔ مولانا صوفی محمد یونس صاحب۔ جو جامعہ رسولیہ شیرازیہ میں حضرت مصنف کے زیر سایہ شعبہ درس نظامی میں معروف تدریس ہیں۔

اور فقیر خود بھی اسی گلشن کا ایک خوشہ چیں ہے۔ فقیر نے حضرت مصنف کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ کی توجہ اور اعانت سے فاضل عربی اور فاضل تنظیم المدارس کا کورس پاس کیا اور ایم اے تک عصری علوم حاصل کئے اور اب آپ کی توجہ سے انگلینڈ میں معروف تبلیغ اسلام ہوں۔

خدا تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

احقر۔ حافظ محمد صابر علی صابر رضوی ایم اے

خطیب مکہ مسجد بولٹن سٹی ۔ انگلینڈ

وجہِ تصنیف

از قلم مصنف

۱۹۵۴ء میں جامع مسجد تکیہ سادھواں نزد چوک رنگ محل لاہور میں راقم کا بطورِ خطیب تقرر ہوا۔ قریب چوک نواب صاحب اندرون موچی گیٹ لاہور میں اہلِ تشیع کا عرصہ سے بہت بڑا گڑھ ہے۔ اس وجہ سے کافی عرصہ تک اس فرقہ کے لوگوں سے مڈبھیڑ رہی اور اکثر اوقات ان سے بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ ۱۹۵۸ء میں خدائے کریم نے حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائی۔ سفر چوں کہ خشکی کا تھا اس لیے واپسی براستہ ایران تھی۔ واپس آتے ہوئے ایران سے مذہب شیعہ کی معتبر کتب کثیر تعداد میں خریدیں۔ کافی عرصہ تک ان کتب کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا۔ شانِ صحابہ اور مقاماتِ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے آپس میں تعلقات اور دیگر بہت سے مسائل کے بارے میں بڑا گراں مایہ مواد حاصل ہوا۔ اب تو اس بحث و مباحثہ میں مزید اضافہ ہو گیا اور ایک دفعہ تو اہلِ تشیع کے نامور مقرر و مناظر مولوی محمد اسمٰعیل شیعہ سے کبیرہ ولی شاہ میں صورتِ مناظرہ پیش آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو فتح عطا فرمائی۔

اس کے بعد میرے ساتھی علماء نے مجھے مذہب شیعہ کے بارے میں ایک مفصل کتاب تحریر کرنے کی طرف توجہ دلائی اور پُرزور مطالبہ کیا کہ میں اس عظیم بوجھ کو اٹھاؤں۔ ان کا کہنا تھا کہ شیعہ مذہب کی حقیقت و واقفیت سے بہت کم علماء واقفیت رکھتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ ذہنی اور کتابی سرمایہ و ذخیرہ تمہارے تک ہی محدود رہے اور مخلوقِ خدا اس کے فائدہ عظیمہ سے محروم رہے مگر چوں کہ درس و تدریس کی ذمہ داریوں اور

دارالعلوم کے انتظامی امور کی وجہ سے لمحہ بھر کی بھی فرصت نہ تھی۔ فلہٰذا اس بارِ گراں کو اٹھانے کی ہمت نہ کر سکا۔

اسی دوران پھر زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی۔ مدینۃ الرسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں عاشقِ رسول پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، شیخ العرب والعجم حضرت علامہ ضیاء الدین صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قدم بوسی سے مستفید و مستفیض ہوا۔ آپ نے میرے لیے بہت سی خصوصی دعائیں فرمائیں۔ پھر آپ کے لختِ جگر نورِ نظر، عالم نبیل، فاضل جلیل حضرت مولانا قبلہ فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی سے تعارف ہوا۔ تقریباً دو ماہ آپ کی رفاقت و معیت میں مدینہ پاک گزارنے اور کوچہائے محبوب کو آنکھوں میں بسانے کا موقع ملا۔ واپسی کے وقت حبیب الہٰی کی وساطت سے حضرت مولانا علامہ ضیاء الدین صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو حاضر ہوا تو باوجودیکہ آپ پر مرض کی شدت تھی پھر بھی میرے لیے آپ نے بہت سی دعائیں فرمائیں اور سب سے خصوصی دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے راقم کو، مفید کتب تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آخر میں اٹھتے وقت بڑی شفقت و عنایت کے ساتھ کچھ کتابیں اور اپنی دستارِ مبارک بطورِ یادگار عطا فرمائی پاکستان پہنچنے پر راقم نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب ضرور ایک کتاب لکھوں گا۔ کیوں کہ اتنے بڑے اولیاء اور علماء کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔ جب کتاب کی دو جلدیں لکھ چکا تو ان کا مسودہ لے کر آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف پیری و مرشدی جناب قبلہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیبِ سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کی خدمت پاک میں حاضر ہوا۔ آپ نے دربارِ پاک کے سامنے بیٹھے بیٹھے ان کا اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمایا اور خوشی سے جھوم اُٹھے۔ فرمایا مولوی صاحب! دعائیں تو پہلے بھی آپ کے لیے کرتے رہے ہیں مگر اب تو ہمیشہ آپ کے لیے خصوصی دعائیں کرتے رہیں گے اور حضرت قبلہ عالم کیلانی رحمہ اللہ کا عرس پاک جو آپ اپنے مدرسہ میں سالانہ منعقد کرتے

ہیں۔ اس میں ہمیشہ شریک ہوتے رہیں گے اور ان شاء اللہ کبھی ناغہ نہیں ہوگا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ آپ نے عظمت صحابہ، مقامات اہل بیت، شان خلفائے راشدین اور ان حضرات کے آپس میں خوشگوار تعلقات کو بادلائل واضح اور نمایاں کرنے کی کوشش و سعی فرمائی ہے اور معاندین کے اعتراضات کے منہ توڑ جوابات دیے ہیں اور یہ میری پرانی دلی تمنا تھی جس کو تم نے پورا کر دیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ہمارا ایمان ہے کہ مومن کو جو کچھ بھی فیض حاصل ہوتا ہے۔ سب صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے واسطہ و وسیلہ سے ہوتا ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی کو بھی صحابہ کرام کے وسیلہ کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا۔

تو جب میں نے قبلۂ عالم کے ان الفاظ کو سنا جو آپ نے اپنی مقبول دعاؤں اور نیک تمناؤں سے مجھ پر انعامات فرمائے تو میرا ایک عقدہ حل ہو گیا وہ یہ تھا کہ میرے دل میں بسا اوقات خیال پیدا ہوتا کہ اتنا مدلل اور مضبوط علمی ذخیرہ مجھ ایسے ناتجربہ کار آدمی کے ہاتھوں کیسے جمع ہو گیا لیکن آج مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ پیری و مرشدی حضرت صاحب قبلہ کی پرانی دلی تمناؤں اور آپ کے روحانی تصرفات کا نتیجہ ہے۔

آخر میں فقیر بارگاہ ایزد متعال میں دست بدعا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے اور آپ کے آستانہ عالیہ کی روح افزا بہاریں ہمیشہ پائندہ و تابندہ رہیں اور طالبان حق اس چشمۂ معرفت سے سیراب ہوتے رہیں۔ آمین

محمد علی عفا اللہ عنہ

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف و ناظم و مہتمم جامعہ رسولیہ شیرازیہ غوثیہ

بلال گنج لاہور

فہرست مضامین

فقہ جعفریہ جلد اوّل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۷	**دلیل اوّل:**	۶۹
۸	(شیعہ راویوں پر ائمہ اہل بیت کی پھٹکار)	۶۹
۹	زرارہ بن اعین پر امام جعفر صادق رض نے لعنت کی	۶۹
۱۰	ابو بصیر لیث البختری کا امام جعفر صادق رض کے متعلق سوئے ظن۔	۷۳
۱۱	محمد بن مسلم کا مختصر خاکہ۔	۷۵
۱۲	برید بن معاویہ پر امام جعفر صادق نے لعنت کی۔	۷۶
۱۳	جابر بن یزید جعفی صرف ایک مرتبہ امام جعفر سے مل سکا۔	۷۸
۱۴	ان چار پانچ کے علاوہ دیگر بہت سے ان کے ساتھی بھی وضعِ حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔	۸۱
۱۵	**دلیل دوم:**	۱۰۰
۱۶	(شیعہ عوام لاکھوں میں ہونے کے باوجود بقول ائمہ نا قابل اعتبار)	۱۰۰
۱۷	**دلیل سوم:**	۱۱۲
۱۸	(ائمہ ہمیشہ دین کو چھپانے کا حکم دیتے رہے۔)	۱۱۲
۱۹	**دلیل چہارم:**	۱۱۹
۲۰	(روایات کی صحت بقول قرآن ائمہ سے موافقت پر موقوف ہے اور قرآن تحریف شدہ ہے۔)	۱۱۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱۴۸	بد دیانتی پر مبنی ایک اعتراض	[illegible]
۱۴۹	میت اکیلی ہو تو اس سے شیطان کھیلتا ہے۔	۴۲۳
۱۵۰	نماز جنازہ بے وضوء اور جنبی بھی پڑھ سکتا ہے۔	۴۲۳
۱۵۱	نماز جنازہ کے لیے ستر عورت بھی ضروری نہیں۔	۴۲۵
۱۵۲	سنی کی نماز جنازہ اول تو پڑھی نہ جائے اور اگر پڑھنی ہی پڑھ جائے تو میت کے لیے استغفار کی جگہ لعنت کی جائے۔	۴۲۹
۱۵۳	میدان جنگ میں پڑی ہوئی نعشوں کے درمیان مسلمان اور کافر کا امتیاز کس طرح کیا جائے۔	۴۳۴
۱۵۴	عجیب منطق۔	۴۳۵
۱۵۵	نماز جنازہ پڑھانے کا اولین حق دار حاکم وقت ہے۔	۴۳۷
۱۵۶	اعتراض اور اس کا جواب۔	۴۳۹
۱۵۷	نماز جنازہ کے لیے پانچ تکبیریں ضروری ہیں اور چار کہنے والے منافق ہیں۔	۴۴۴
۱۵۸	**پانچ تکبیروں پر شیعوں کے دلائل**	۴۴۴
۱۵۹	**دلیل اول:**	۴۴۴
۱۶۰	**دلیل دوم:**	۴۴۹
۱۶۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کبھی چار اور کبھی پانچ تکبیریں کہنا۔	۴۵۴

باب اوّل
تاریخ
فقہ جعفریہ

مکتبہ نوریہ حسنیہ کی نئی

پیش کش

الدعا بعد صلوٰۃ الجنازہ

نماز جنازہ کے بعد دعا کے جواز پر
قرآن و حدیث کے مضبوط دلائل
کا ذخیرہ

مصنف :- قاری محمد طیب

ناشر

مکتبہ نوریہ حسینیہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ
بلال گنج ۰ لاہور

فون - ۲۲۷۲۲۸

باب اوّل

"فقہ جعفریہ" کے اپنے امتیازی نام کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسے یا تو خود سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تیار کیا گیا ہوگا۔ یا آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کی ترتیب و تدوین کا سلسلہ شروع ہوا ہوگا۔ لہذا اس اعتبار سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اسی امر کی کتب شیعہ تصریح بھی کرتی ہیں مثلاً اصول کافی ص ۴۹۶ کی درج ذیل عبارت دیکھیں۔

اصول کافی

ثُمَّ كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَ كَانَتِ الشِّيْعَةُ قَبْلَ اَنْ يَكُوْنَ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَ هُمْ لَا يَعْرِفُوْنَ مَنَاسِكَ حَجِّهِمْ وَ حَلَالَهُمْ وَ حَرَامَهُمْ حَتّٰى كَانَ اَبُوْ جَعْفَرٍ فَفَتَحَ لَهُمْ وَ بَيَّنَ لَهُمْ مَنَاسِكَ حَجِّهِمْ وَ حَلَالَهُمْ وَ حَرَامَهُمْ حَتّٰى صَارَ النَّاسُ يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِمْ مِنْ مِنْ بَعْدِ مَا كَانُوْا يَحْتَاجُوْنَ

اِلَی النَّاسِ۔

(اصول کافی ص ۴۹۶)

ترجمہ:

پھر امام محمد بن علی ابو جعفر تشریف لائے۔ اور شیعیانِ علی ان کی آمد سے قبل احکامات حج اور حلال و حرام کو قطعاً نہ جانتے تھے۔ انہوں نے آکر طریقہ حج اور حلال و حرام کو خوب بیان کیا۔ یہاں تک کہ اب اور لوگ (غیر شیعہ) ان معاملات و مسائل میں اہل تشیع کے محتاج ہو گئے۔ حالانکہ ان سے پہلے خود شیعہ ان لوگوں سے مسائل معلوم کرنے کے محتاج تھے۔

حوالہ مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ امام صادق رضی اللہ عنہ کے دور سے قبل "فقہ جعفریہ" کا وجود نہ تھا۔ اب یہی بات ذرا دوسرے انداز میں ملاحظہ ہو۔

امام باقر رضی اللہ عنہ نے ۷/ ذی الحجہ ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۲ء میں انتقال فرمایا۔ یہ تاریخ "تاریخ الائمہ" ص ۳۱۰ باب پنجم میں مذکور ہے۔ یعنی پہلی صدی مکمل طور پر اور دوسری صدی کا ابتدائی حصہ اس فقہ سے ناواقف تھا۔ جب اس کا وجود ناپید تھا۔ تو پھر اس دور میں اس کا حکومتی طور پر نفاذ قطعاً محال ثابت ہوا۔ یہی وہ دور ہے۔ کہ جس میں خلافتِ راشدہ اور خلافت بنو امیہ کا عمل درآمد رہا۔ لہذا یہ تاریخی حقیقت ہے۔ کہ پہلی صدی ہجری میں "فقہ جعفریہ" کا نہ وجود تھا اور نہ ہی اس کا کہیں نفاذ تھا۔

ادھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ اس کی تکمیل بھی فرما دی۔ خود قرآن شاہد ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو اکمال عطا فرمادیا۔ اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کردیا۔ تکمیل دین کے اس مرحلہ پر حلال وحرام، جائز وناجائز گویا عبادات ومعاملات اور عقائد تمام کی تکمیل کردی گئی۔ یہ سب کچھ بتلانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط پر موجود معاشرہ کا قیام بھی فرمایا۔ ان اصولی خطوط پر خلافتِ راشدہ کے دور میں تمام مہاجرین وانصار نے عمل کیا۔ اور انہی اصول وضوابط پر حضرات اہل بیت کرام بھی پابند کرتے رہے۔ کسی ایک نے بھی سرمو انحراف نہ کیا۔ اس دور میں یہ تمام حضرات ایک جیسی نمازیں پڑھتے رہے۔ ایک طرح کا حج کرتے اور اسی طرح دیگر معاملات و عبادات میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی تھی۔ خلفائے ثلاثہ کی اقتدار میں حضرت علی المرتضٰے اور حسنین کریمین کا نماز جیسی اہم عبادت ادا فرمانا اسی یگانگت کی ناقابل تردید مثال ہے۔ کسی ایک مسند مرفوع اور صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں۔ کہ ان میں سے کسی نے نماز پڑھتے ہوئے اپنے امام کی مخالفت کی ہو۔ یعنی امام نے نماز ہاتھ باندھ کر اور مقتدی نے چھوڑ کر پڑھی ہو۔ اور یہ بھی ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ کہ ان کی اقتدار میں پڑھی گئی نمازیں ان حضرات نے پھر لوٹائی ہوں۔ یہی حقیقت خود ملا باقر مجلسی، بحارالانوار میں نقل کرتا ہے۔ کہ کسی شخص نے حسنین کریمین سے پوچھا کہ آپ مروان بن حکم کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں۔ تو کیا آپ کے والد گرامی، خلفائے ثلاثہ کے پیچھے نمازیں پڑھنے کے بعد گھر میں آکر ان نمازوں کو لوٹایا کرتے تھے۔

بحار الانوار

مَا كَانَ اَبُوْكَ يُصَلِّيْ إِذَا رَجَعَ اِلَى الْبَيْتِ فَقَالَ لَا وَاللهِ۔

(بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۴۱ طبع قدیم)

ترجمہ:

یعنی کیا آپ کے والدان نمازوں کو گھر میں آکر لوٹایا کرتے تھے۔جو انہوں نے خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں ادا کی ہوتیں؟
فرمایا خدا کی قسم! ہرگز ایسا نہ کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام اس مقدس دور میں ایک ہی دین اور مسلک کے پابند اور کاربند تھے۔ اور ان میں عملی طور پر باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔ جو حلال تھا وہ سبھی کے نزدیک حلال تھا اور جو حرام تھا اسے تمام حرام ہی سمجھتے تھے۔ اور یہی احکام ان حضرات نے آنے والوں کی طرف منتقل کیے۔ اب قارئین اصول کافی کی اُس عبارت کو پھر سے پڑھیں۔ یعنی یہ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے قبل کوئی شیعہ حلال وحرام اور مسائل حج سے واقف نہ تھا۔ بلکہ ان باتوں میں وہ دوسرے لوگوں کے محتاج تھے۔ اس سے خود اقرار کیا جا رہا ہے۔ کہ حلال وحرام کا امتیاز تھا۔ اور اہل تشیع انہیں پوچھنے ان لوگوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ جو شیعیان علی نہ تھے۔ پھر جب ان کے اپنے حلال وحرام و احکام حج جاری و ساری ہوئے۔ تو اب انہیں اپنے گھر میں سے ہی سب کچھ ملنے لگا۔
لیکن اس مقام پر یہ وہم دور کر دینا چاہیئے۔ کہ متقدمین حضرات سے ہٹ کر

حلال و حرام کا ایک نیا مسلک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے گھڑا ہو گا۔ نہیں نہیں بلکہ شیعہ کتب یہ ثابت کرتی ہیں۔ کہ امام موصوف نے صرف حلال و حرام کی حدود سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کہ امام موصوف نے کسی نئی فقہ کی تدوین کی۔ یا آپ کی زیر نگرانی یہ کام سرانجام دیا گیا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا سن وصال بحوالہ "تاریخ الائمہ" ۱۵ / شوال ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء ہے۔ جب آپ نے نہ خود کسی فقہ کی تدوین فرمائی۔ اور نہ ہی آپ کی نگرانی میں اس کا بیڑا اٹھایا گیا۔ تو پتہ چلا کہ ۱۴۸ھ تک فقہ جعفریہ کا بالکل وجود نہ تھا۔ اس کی تفصیل اگر دیکھنی ہو۔ تو الشافی جلد سوم ترجمہ فروع کافی کے دیباچہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمہ سید ظفر حسن شیعی نے تفصیلاً جو کچھ لکھا ہے۔ ہم اسے خوف وطوالت کے، پیش نظر من وعن نقل نہیں کرتے۔ صرف خلاصہ پیش نظر ہے۔

"حضرت علی المرتضےٰ، حسن و حسین اور زین العابدین رضی اللہ عنہم کا زمانہ نہایت پر خطر تھا۔ اس لیے مشکلات اور مصائب کی وجہ سے انہیں اپنے دین کی اشاعت کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور نہ ہی ان کے دور میں کوئی حدیث کی کتاب لکھی جا سکی۔ البتہ ان کے بعد پانچویں اور چھٹے امام یعنی امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کو بایں وجہ کچھ فرصت ملی کہ بنو امیہ اور بنو عباس باہم دست و گریبان تھے۔ لہٰذا ان دونوں نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کو مسائل فقہ کی تعلیم دینا شروع کی اور لوگوں نے ان سے کسب فیض کیا۔"

(دیباچہ الشافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۸)

ان واقعات و حالات سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے۔ کہ "فقہ جعفریہ"

جب نہ تو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خود وضع کردہ فقہ ہے۔ اور نہ ہی آپ کی نگرانی میں ہی اسے مدون کیا گیا۔ تو لامحالہ پھر آپ کے ارشادات و خطابات کو کسی نے تحریری طور پر جمع کر کے آپ کی نسبت سے اُسے یہ نام دے دیا ہوگا۔

بہرحال آپ سے اخذ کی گئی روایات و احادیث کو کچھ لوگوں نے فقہی ابواب کی ترتیب سے مرتب کیا۔ یہی کتب فقہ جعفریہ کی بنیادی کتب شمار ہوتی ہیں۔ اور انہی کو اہل تشیع "صحاح اربعہ" کا نام بھی دیتے ہیں۔ وہ چار کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الکافی۔ اس کے مرتب کا نام ابوجعفر کلینی ہے۔ اس کے مصنف کا سن پیدائش یا وفات ۳۳۰ھ ہے۔ یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصال سے تقریباً ایک سو اسی (۱۸۰) برس بعد یہ کتاب مرتب کی گئی۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ: یہ محمد بن علی ابن بابویہ کی جمع کردہ ہے۔ جس کا سن وفات ۳۸۱ھ ہے۔ اس حساب سے یہ کتاب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے دو سو تیس سال بعد لکھی گئی۔

۳۔ تہذیب الاحکام۔

۴۔ الاستبصار: یہ دونوں کتابیں محمد بن حسن طوسی وفات ۴۶۰ھ کی تصانیف ہیں۔ یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تین سو دس برس بعد کی تصانیف ہیں۔

ان چاروں کتب (صحاح اربعہ) کی تاریخ تصنیف و تدوین کی، تفاصیل سامنے رکھی جائیں۔ تو بطریقہ اختصار وہ یوں ہوں گی — کہ

"الکافی"، کا زمانہ تدوین و ترتیب خلفائے عباسیہ میں سے ایک سولہویں خلیفہ المتقی باللہ کا دور تھا۔ اور ان چاروں میں سے آخری کتاب کے مصنف و مرتب کا سن وفات بتلاتا ہے۔ کہ اس نے یہ کتاب خلفائے عباسیہ کے چھبیسویں خلیفہ القائم بامر اللہ کے دور میں لکھی تھی۔ گویا پانچویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں یہ فقہ کامل طور پر وجود میں آئی۔ لہٰذا پانچویں صدی بلکہ سقوط بغداد تک اس فقہ کا عملی طور پر کہیں نفاذ ناممکن رہا ہوگا۔

ذرا تاریخ کی مزید ورق گردانی کی جائے۔ تو عباسی خلیفہ مستنصر باللہ ۶۵۹ھ سے خلیفہ متوکل علی اللہ ثالث ۹۲۳ھ تک مصر میں اس فقہ کا نفاذ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد ترکانِ عثمانی کی خلافت عثمان خان اول ۱۲۸۸ء سے ۱۹۲۴ء تک رہی۔ آخر مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اس دور میں بھی "فقہ جعفریہ" کے نفاذ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ادھر برصغیر میں سلطان محمود غزنوی ۱۹۲ء سے لے کر آخری مغل بادشاہ تک یہ فقہ کہیں عملی صورت میں دکھائی نہیں دیتی۔ مختصر یہ کہ چھٹی صدی سے لے کر جب تک مختلف ممالک میں اسلامی حکومتیں رہیں۔ کسی نے بھی اپنے دور میں "فقہ جعفریہ" کو اپنے ہاں رائج نہ کیا۔ اور نہ ہی اسے قانون و دستور میں کوئی جگہ دی گئی۔

اب ہم اپنے موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔ یعنی "فقہ جعفریہ" کا ستونِ اول الکافی امام جعفر کے ۱۸۰ برس بعد اور آخری اور چوتھا ستون الاستبصار ۳۱۰ سال بعد میں آئے۔ انہی چار کتابوں کے مندرجات کو "فقہ جعفریہ" کہا جاتا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور ان کتابوں کی تدوین اور ترتیب کے درمیان کافی عرصہ خلا رہنے کی وجہ سے یہ امر ممکن ہے۔ کہ اتنے عرصہ میں امام موصوف سے سنی گئی روایات و احادیث آپس میں خلط ملط ہو گئی ہوں۔

اب ان میں درج روایات واحادیث کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ ان کے رواۃ کے حالات پر منحصر ہوگا۔

تنبیہ

"فقہ جعفریہ" کی عمارت جن ستونوں پر کھڑی ہے۔ وہ چار ہیں۔ ۱۔ زرارہ۔ ۲۔ ابوبصیر۔ ۳۔ محمد بن مسلم۔ ۴۔ برید بن معاویۃ العجلی۔ ان چاروں کے بارے میں سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں۔ شیعہ کتب سے سنیئے۔

رجال کشی

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ "ع" يَقُوْلُ بَشِّرِالْمُخْبِتِيْنَ بِالْجَنَّةِ بُرَيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَجَلِىْ وَاَبَا بَصِيْرِ لَيْثَ بْنِ الْبُخْتَرِىْ الْمُرَادِىْ۔ وَمُحَمَّدَ بْنِ مُسْلِمٍ وَزُرَارَةَ اَرْبَعَةً نُجَبَاءُ اُمَنَاءُ اللّٰہِ عَلٰى حَلَالِهٖ وَحَرَامِهٖ لَوْلَا هٰؤُلَاءِ انْقَطَعَتْ اٰثَارُ النُّبُوَّةِ وَانْدَرَسَتْ۔

(۱۔ رجال کشی مصنفہ محمد بن عمر کشی ص ۱۵۲
ذکر ابوبصیر لیث بن البختری المرادی
مطبوعہ کربلا طبع جدید)
(۲۔ تنقیح المقال جلد اول ص ۴۳۹ باب الزاد)

ترجمہ:
امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ اللہ کے حضور خضوع وخشوع کرنے والوں

کو خوشخبری دے دو۔ کہ وہ جنتی ہیں۔ برید بن معاویۃ العجلی، ابوبصیر لیث بن البختری المرادی، محمد بن مسلم اور زرارہ یہ چاروں اللہ کے مقرب بندے اور اس کے حلال وحرام کے امین ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آثارِ نبوت کبھی کے مِٹ گئے ہوتے۔ (یعنی فقہ جعفریہ کا وجود نہ ہوتا۔)

"فقہ جعفریہ" کے ایک اہم ستون "زرارہ" کے فضائل

رجال کشی

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيْ لَوْلَا زُرَارَةُ لَظَنَنْتُ اَنَّ اَحَادِيْثَ اَبِيْ سَتَذْهَبُ۔

(رجال کشی ص ۱۲۲)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق نے کہا۔ اگر زرارہ نہ ہوتا۔ تو میرے ظن کے مطابق میرے والد گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے مروی تمام احادیث ختم ہوگئی ہوتیں۔

رجال کشی

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ قَالَ لِیْ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ "ع"، يَا زُرَارَةُ

إِنَّ اسْمَكَ فِي أَسَامِي أَهْلِ الْجَنَّةِ

(رجال کشی ص ۱۲۲)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ مجھے امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اے زرارہ! تیرا نام جنتیوں کے نام میں شامل ہے۔

رجال کشی

فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ أَمَّا مَا رَوَاهُ زُرَارَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرَ فَلَا يَجُوْزُ لِي رَدُّهُ

(رجال کشی ص ۱۲۲)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بہر حال جو روایات میرے والد گرامی امام محمد باقر سے زرارہ نے روایت کی ہیں۔ میرا انہیں رد کر دینا جائز نہیں۔ (میں ان کی مخالفت ہرگز نہیں کر سکتا)

دوسرے ستون "محمد بن مسلم" کی فضیلت

رجال کشی

عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ أَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعَ سِنِيْنَ يَدْخُلُ عَلَى أَبِي جَعْفَرَ "ع" يَسْأَلُهُ ثُمَّ

كَانَ يَدْخُلُ عَلٰى جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ يَسْأَلُهُ قَالَ اَبُو اَحْمَدَ فَسَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْحَجَّاجِ وَحَمَّادَ بْنَ عُثْمَانَ يَقُوْلَانِ مَا كَانَ اَحَدٌ مِنَ الشِّيْعَةِ اَفْقَهَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ سَمِعْتُ مِنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ (ع) ثَلَاثِيْنَ اَلْفَ حَدِيْثٍ ثُمَّ لَقِيْتُ جَعْفَرَ ابْنَهُ فَسَمِعْتُ مِنْهُ اَوْ قَالَ سَاَلْتُهُ عَنْ سِتَّةَ عَشَرَ اَلْفِ حَدِيْثٍ اَوْ قَالَ مَسْئَلَةٍ۔

(رجال کشی ص ۱۴۹ بیان محمد بن مسلم
الطائفی مطبوعہ کربلا طبع جدید)

ترجمہ:

ہشام بن سالم نے کہا کہ محمد بن مسلم نے مدینہ منورہ میں چار سال قیام کیا۔ اس دوران وہ امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کے پاس آتا جاتا رہا۔ پھر ان کے بعد جعفر بن محمد کے پاس آتا جاتا رہا، ان سے بھی گفت وشنید ہوتی رہی۔ ابو احمد کہتا ہے۔ کہ میں نے عبدالرحمٰن بن حجاج اور حماد بن عثمان سے سُنا۔ وہ دونوں کہتے تھے۔ کہ محمد بن مسلم سے بڑھ کر شیعوں میں کوئی فقیہ نہیں ہے۔ خود محمد بن مسلم کا کہنا ہے کہ میں نے امام باقر سے تیس ہزار احادیث سُنیں۔ پھر میں امام جعفر کو ملا۔ جو ان کے بیٹے ہیں۔ میں نے ان سے سولہ ہزار احادیث کی تو سماعت کی۔ یا ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ یا اتنے مسائل پر ان سے گفتگو ہوئی۔

رجال کشی

عَنْ جَمِيْلِ بْنِ دُرَّاجٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ع " يَقُوْلُ اَوْتَادُ الْاَرْضِ وَاَعْلَامُ الدِّيْنِ اَرْبَعَةٌ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ، بُرَيْدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَلَيْثُ بْنُ الْبُخْتَرِيِّ الْمُرَادِيُّ وَزُرَارَةُ بْنِ اَعْيُنٍ۔

(۱۔ رجال کشی ص ۲۰۷ ذکر برید بن معاویہ)

(۲۔ تنقیح المقال جلد اول باب الزاء

ص ۴۳۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جمیل بن دراج کا کہنا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ فرماتے ہیں۔ کہ زمین کی کیل اور دین کا جھنڈا چار آدمی ہیں۔ محمد بن مسلم، برید بن معاویہ، لیث بن البختری المرادی اور زرارہ بن اعین۔

رجال کشی

عَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ الْبَقْبَاقِ قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ، "ع" زُرَارَۃُ بْنُ اَعْیُنٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَ بُرَیْدُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ الْعَجَلِیُّ وَالْاَحْوَلُ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ اَحْیَاءً وَاَمْوَاتًا۔

(۱۔ رجال کشی۔ ص ۲۰۷ ذکر برید بن معاویہ)

(۲۔ تنقیح المقال جلد اول باب الزاء ص ۴۳۹)

ترجمہ:

ابو العباس البقباق کا کہنا ہے۔ کہ جناب امام جعفر صادق فرماتے ہیں زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم، برید بن معاویہ العجلی اور احول مجھے زندوں اور مردوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

رجال کشی

عَنْ دَاؤُدَ بْنِ سَرْحَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ، اَنَّ اَصْحَابَ اَبِیْ کَانُوْا زَیْنًا اَحْیَاءً وَاَمْوَاتًا، وَاَعْنِیْ زُرَارَۃَ وَمُحَمَّدَ بْنَ مُسْلِمٍ وَمِنْھُمْ لَیْثُ الْمُرَادِیُّ وَبُرَیْدُ الْعَجَلِیُّ ھٰؤُلَاءِ الْقَوَّامُوْنَ بِالْقِسْطِ وَھٰؤُلَاءِ السَّابِقُوْنَ

اُوْلٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔

(۱۔ رجال کشی ص ۱۵۲ ذکر ابو بصیر لیث المرادی)

(۲۔ تنقیح المقال جلد اول ص ۴۳۹ باب الزاء)

ترجمہ:

داؤد بن سرحان کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کہ میرے والد (امام باقر) کے اصحاب زندوں اور مردوں کی زینت تھے۔ ان سے مراد یہ ہیں۔ زرارہ، محمد بن مسلم لیث المرادی اور برید العجلی۔ یہ چاروں عدل وانصاف کے قائم کرنے والے تھے۔ اور یہی سب سے سبقت لے جانے والے اللہ کے مقربین میں سے تھے۔

شیعیانِ علی کے ایک عظیم مجتہد اور راوی "جابر بن یزید" کا ذکر

رجال کشی

عَنْ جَابِرِ بْنِ یَزِیْدِ الْجُعْفِیِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْجَعْفَر ؑ بِسَبْعِیْنَ اَلْفَ حَدِیْثٍ لَمْ اُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا قَطُّ وَلَا اُحَدِّثُ بِهَا اَحَدًا۔ اَبَدًا۔ قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ

لِأَبِيْ جَعْفَرَ "ع"، جَعَلْتُ فِدَاكَ إِنَّكَ قَدْ حَمَّلْتَنِيْ وِقْرًا عَظِيْمًا بِمَا حَدَّثْتَنِيْ بِهِ مِنْ سِرِّكُمُ الَّذِيْ لَا أُحَدِّثُ بِهِ أَحَدًا فَرُبَّمَا جَاشَ فِيْ صَدْرِيْ حَتّٰى يَأْخُذَنِيْ مِنْهُ شِبْهُ الْجُنُوْنِ قَالَ يَا جَابِرُ فَإِذَا كَانَ كَذَالِكَ فَاخْرُجْ إِلَى الْجِبَالِ فَاحْفُرْ حَفِيْرَةً وَدَلِّ رَأْسَكَ فِيْهَا ثُمَّ قُلْ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بِكَذَا وَ كَذَا۔

(رجال کشی ص ۱۷۱ ذکر جابر بن یزید۔)

ترجمہ:

جابر بن یزید جعفی کا کہنا ہے۔ کہ مجھے امام باقر رضی اللہ عنہ نے ایسی، ستر ہزار احادیث سنائیں۔ جو نہ تو میں نے کسی کے پاس پائیں۔ اور نہ ہی انہوں نے کسی ایک سے ان کو بیان کیا تھا۔ یہی جابر کہتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ میں نے امام باقر سے عرض کیا حضور! آپ پر میں قربان۔ آپ نے تو بہت بڑا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ وہ احادیث جو آپ نے مخصوص راز و نیاز والی مجھے سنائیں۔ جو کسی کو بھی آپ نے روایت نہ کیں۔ سو اس وجہ سے بارہا میرے دل میں خیالات آتے ہیں۔ حتیٰ کہ مجھے دیوانگی کا سا شائبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ سن کر امام نے فرمایا۔ جابر! جب یہ کیفیت ہو۔ تو پہاڑ کی طرف نکل جایا کرو۔ اور ایک گڑھا کھود کر اس میں اپنا سر لٹکایا کرو۔ پھر یوں کہو" مجھے محمد بن علی نے فلاں فلاں حدیث بیان کی ہے"

رجال کشی

قَالَ اَصْحَابُ زَرَارَةَ فَكُلُّ مَنْ اَدْرَكَ زَرَارَةَ بْنَ اَعْيُنٍ فَقَدْ اَدْرَكَ اَبَا عَبْدِ اللهِ۔

(رجال کشی ص ۱۲۹)

ترجمہ:

اصحاب زرارہ کا کہنا ہے۔کہ جس نے زرارہ کو دیکھا۔ تو اس نے بالتحقیق امام جعفر صادق کو دیکھا۔

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم شدہ امور یہ ہیں

۱۔ زرارہ بن اعین، ابو بصیر لیث المرادی، برید بن معاویہ، محمد بن مسلم اور جابر بن یزید پانچوں "فقہ جعفریہ" کے ستون ہیں۔

۲۔ ائمہ اہل بیت اور مذہب شیعہ کے نشانات ان کے دم قدم سے ہیں۔

۳۔ امام جعفر کو یہ چاروں تمام زندوں اور مُردوں سے زیادہ محبوب تھے۔

۴۔ یہ حق گو، عدل وانصاف کے پیکر، بہت بڑے فقیہہ تھے۔

۵۔ زمین کے قیام کی علت، دین کے جھنڈے اور شیعیت کے یہ علمبردار ہیں۔

۶۔ انہیں امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ اور ان کے مخصوص رازدان تھے۔

نوٹ: ان امور کے سامنے آنے پر ہر قاری یہی نتیجہ اخذ کرے گا۔ کہ امام جعفر اور

امام باقر رضی اللہ عنہ کے یہ شاگرد بہمہ صفت موجود تھے۔ ’’فقہ جعفریہ‘‘ جوان لوگوں کی، کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ وہ بھی ان کی طرح ہر طرح سے قابل تحسین ہے۔ اور اس کی تمام جزئیات اور اصول صحیح ہیں۔ لیکن آپ حضرات حیران ہوں گے۔ جب ان عدل وانصاف کے ’’پیکر‘‘ حق گوئی اور فقہ میں ’’بے مثل‘‘، اور فقہ جعفریہ کے ’’معمار اوّل‘‘، کی تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیں گے۔ آئیے کتب شیعہ سے ذرا دوسرے رُخ کا بھی ملاحظہ کریں۔

دلیل اوّل

’’فقہ جعفریہ‘‘ کے بے اصل ہونے پر دلائل

’’زرارہ بن اعین‘‘

پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے لعنت کی

رجال کشی

عَنْ زِيَادِ بْنِ اَبِي الْحَلَّالِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اِنَّ زُرَارَةَ رَوٰى عَنْكَ فِي الْاِسْتِطَاعَةِ شَيْئًا فَقَبِلْنَا مِنْهُ وَصَدَّقْنَاهُ وَقَدْ اَحْبَبْتُ اَنْ اَعْرِضَهُ عَلَيْكَ فَقَالَ هَاتِهِ فَقُلْتُ يَزْعَمُ اَنَّهُ سَاَلَكَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ

عَزَّ وَجَلَّ (وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا) فَقُلْتُ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَ رَاحِلَةً فَقَالَ لَكَ كُلُّ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً فَهُوَ مُسْتَطِيْعٌ لِلْحَجِّ وَاِنْ لَمْ يَحُجَّ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ؟ فَقَالَ لَيْسَ هٰكَذَا لِكَ سَأَلَنِيْ وَلَا هٰكَذَا قُلْتُ كَذَبَ عَلَيَّ لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ وَاللّٰهُ لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ اِنَّمَا قَالَ لِيْ مَنْ كَانَ لَهُ زَادٌ وَرَاحِلَةٌ فَهُوَ مُسْتَطِيْعٌ لِلْحَجِّ قُلْتُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ قَالَ فَمُسْتَطِيْعٌ هُوَ فَقُلْتُ لَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَهُ قُلْتُ فَاَخْبِرُ بِذَالِكَ زُرَارَةَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ زِيَادٌ فَقَدِمْتُ الْكُوْفَةَ فَلَقِيْتُ زُرَارَةَ فَاَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَسَكَتَ عَنْ لَعْنِهِ قَالَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ اَعْطَانِيْ الْاِسْتِطَاعَةَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ وَصَاحِبُكُمْ هٰذَا لَيْسَ لَهُ بَصَرٌ بِكَلَامِ الرِّجَالِ۔

(۱- رجال کشی ص ۱۳۳ ذکر زرارہ بن اعین)

(۲- تنقیح المقال جلد اول ص ۴۴۲ باب زرارہ)

ترجمہ:

زیاد بن ابی الحلال بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ حضور! زرارہ بن اعین "استطاعت" کے بارے میں

آپ سے ایک روایت کرتا ہے۔ ہم نے آپ کی وجہ سے اُسے مان لیا۔ اور اس کی تصدیق کر دی۔ اب میں اُسے آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ امام نے فرمایا۔ بیان کرو میں نے کہا۔ کہ زرارہ کا کہنا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے "و للہ علی الناس حج البیت الخ" کے بارے میں پوچھا۔ تو امام نے فرمایا۔ کہ استطاعت کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو شخص خرچہ سفر اور سواری کی ہمت رکھتا ہو۔ اس پر زرارہ نے آپ سے پوچھا۔ کیا ہر وہ شخص جو زاد اور راحلہ کی اطاعت رکھتا ہو۔ وہ حج کی استطاعت رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ حج نہ کرے؟ تو آپ نے جواباً ہاں فرمایا یہ سُن کر امام جعفر نے راوی زیاد بن الحلال سے کہا کہ نہ تو اس نے اس طرح مجھ سے پوچھا۔ اور نہ ہی میں نے ایسا کوئی جواب دیا ہے۔ اس نے مجھ پر بہتان باندھا ہے۔ بخدا! اس نے مجھ پر بہتان لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی زرارہ پر لعنت ہو۔ اس نے تو مجھے یہ کہا تھا۔ کہ جس کو زاد راہ اور راحلہ کی توفیق ہو۔ کیا وہ مستطیع ہے؟ میں نے کہا۔ نہیں وہ اس وقت تک مستطیع نہیں جب تک اُسے اجازت نہ دی جائے راوی کہتا ہے۔ کہ میں نے امام سے عرض کیا حضور! کیا میں زرارہ کو یہ واقعہ بیان کر دوں؟ فرمایا ضرور۔ زیاد راوی کہتا ہے۔ کہ میں کوفہ گیا۔ وہاں زرارہ سے میری ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو میں نے امام کی بات اُسے بتلائی۔ صرف لعنت کے الفاظ نقل کرنے سے خاموش رہا۔ یہ سب کچھ سُن کر زرارہ بولا۔ کہ امام جعفر نے میرے

جواب میں زاد و راحلہ والے کو مستطیع کہا تھا۔ لیکن انہیں اس بارے
میں کوئی علم نہ تھا۔ اور دیکھو! تمہارا یہ صاحب (امام جعفر) مردوں کے
کلام کی مہارت نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اسے کچھ سوجھتا ہے۔

رجال کشی

اَبِیْ سَیَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ "ع" يَقُوْلُ
لَعَنَ اللّٰهُ بُرَيْدًا لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ فَابْتَدَاءَ اَبُوْ
عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ لِزُرَارَةَ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ
زُرَارَةَ لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ۔

(رجال کشی ص ۱۴۴، ۱۴۵)

ترجمہ:

ابو سیار کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے سُنا۔ وہ کہہ
رہے تھے۔ اللہ برید پر لعنت کرے۔ اللہ کی زرارہ پر لعنت
ہو۔ .... حسن ابن کلیب کا کہنا ہے۔ کہ ہم امام جعفر صادق
رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ آپ نے دفعۃً زرارہ پر
تین دفعہ اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی۔ حالانکہ زرارہ کا کوئی تذکرہ نہ
ہوا تھا۔

حق الیقین

یہ حکم ایسی جماعت کے حق میں ہے۔ جن کی ضلالت پر صحابہ کا اجماع

ہے۔ جیسا کہ زرارہ اور ابو بصیر۔ (یعنی زرارہ اور ابو بصیر بالاجماع گمراہ ہیں۔

(حق الیقین اردو ص ۷۲۲)

"ابو بصیر لیث البختری" کا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے متعلق سوءِ ظن

رجال کشی

عَنْ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ خَرَجْتُ اَنَا وَابْنُ اَبِیْ یَعْفُوْرَ وَاٰخَرُ اِلَی الْحِیْرَۃِ اَوْ اِلٰی بَعْضِ الْمَوَاضِعِ فَتَذَاکَرْنَا الدُّنْیَا فَقَالَ اَبُوْ بَصِیْرِ الْمُرَادِیُّ اَمَّا اِنَّ صَاحِبَکُمْ لَوْ ظَفِرَ بِھَا لَاسْتَأْثَرَ بِھَا قَالَ فَاَغْفٰی فَجَاءَ کَلْبٌ یُرِیْدُ اَنْ یَّشْغَرَ عَلَیْہِ فَذَھَبْتُ لِاَطْرُدَہٗ فَقَالَ لِیْ اِبْنُ اَبِیْ یَعْفُوْرَ دَعْہُ فَجَاءَہٗ حَتّٰی شَغَرَ فِیْ اُذُنِہٖ۔

(۱۔ رجال کشی ص ۱۵۴ ذکر ابو بصیر لیث بن البختری)

(تنقیح المقال جلد دوم ص ۴۶ باب لیث مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

حماد بن عثمان کہتا ہے۔ کہ میں اور ابن ابی یعفور اور ابوبصیر حیرہ یا کسی اور جگہ گئے۔ ہم نے دنیا کے بارے میں گفتگو کی۔ تو ابوبصیر بولا۔ کہ اگر تمہارے صاحب (امام جعفر صادق) کے ہاتھ میں دُنیا لگ جائے تو خوب اکٹھی کریں گے۔ پھر ابوبصیر کو نیند آگئی۔ میں نے دیکھا۔ کہ ایک کتا ادھر آکر اس کے کانوں میں پیشاب کرنا چاہتا ہے جب میں نے اُسے روکنا چاہا۔ تو ابن ابی یعفور نے کہا۔ اسے چھوڑ دو۔ پس وُہ کتا آیا۔ اور ابوبصیر کے کانوں میں پیشاب کر کے چلتا بنا

رجال کشی

عَنْ حَمَّادِ النَّابِ قَالَ جَلَسَ اَبُوْ بَصِيْرٍ عَلٰى بَابِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ "ع" لِيَطْلُبَ اِذْنٌ فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَقَالَ لَوْكَانَ مَعَنَا طَبَقٌ لَاَذِنَ قَالَ فَجَاءَ كَلْبٌ فَشَغَرَ فِيْ وَجْهِ اَبِيْ بَصِيْرٍ قَالَ اُفٍّ اُفٍّ مَا هٰذَا؟ فَالَ جَلِيْسُهٗ هٰذَا كَلْبٌ شَغَرَ فِيْ وَجْهِكَ۔

(رجال کشی ص ۱۵۵ ذکر ابوبصیر)

(۲۔ تنقیح المقال جلد دوم ص ۴۶)

ترجمہ:

حماد کہتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق کے دروازے پر بیٹھا اندر جانے کی اجازت طلب کرتا تھا۔ لیکن

جب اجازت نہ ملی۔ تو اس نے کہا۔ اگر ہمارے پاس طبق بھرا کچھ ہوتا۔ تو اجازت دے دیتے۔ راوی کہتا ہے۔ (کہ اس کے بعد ابو بصیر سو گیا) اور کتا آیا۔ آکر اس کے منہ پر پیشاب کر گیا۔ تو یہ اُف اُف کرتا ہوا پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ اس کے ساتھی نے بتلایا کہ کتا تیرے منہ میں پیشاب کر کے چلا گیا ہے۔

محمد بن مسلم کا مختصر خاکہ!

تنقیح المقال و رجال کشی

عَنْ اَبِی الصَّبَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ "ع" یَقُوْلُ یَا اَبَا الصَّبَّاحِ هَلَكَ الْمُتَرَئِسُوْنَ فِیْ اَدْیَانِهِمْ مِنْهُمْ زُرَارَةُ وَبُرَیْدٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَاِسْمَاعِیْلُ الْجُعْفِیُّ۔

(۱۔ تنقیح المقال جلد سوم ص ۱۸۲)

(رجال کشی ص ۱۵۱ ذکر محمد بن مسلم)

ترجمہ:

ابو الصباح کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ فرمایا اے ابو الصباح اپنے دین میں شک کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ہی زرارہ، برید، محمد بن مسلم اور اسماعیل جعفی ہیں۔

☆

تنقیح المقال

عَنْ مُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ ع "
یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰہُ مُحَمَّدَ بْنَ مُسْلِمٍ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ لَا
یَعْلَمُ شَیْئًا حَتّٰی یَکُوْنَ۔

(تنقیح المقال جلد سوم
ص ۱۸۶)
(۲۔ رجال کشی ص ۱۵ ذکر
محمد بن مسلم)

ترجمہ:
مفضل بن عمر کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ محمد بن مسلم پر لعنت کرے۔ اللہ کے بارے میں یہ شخص کہا کرتا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا علم اس وقت تک نہیں ہوتا۔ جب تک وہ چیز نہیں ہو جاتی۔

"زرارہ ابن معاویہ"
پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے لعنت بھیجی

تنقیح المقال

عن یونس عن مسمع کردین ابو یسار قال

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ "ع"، يَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰهُ بُرَيْدًا وَلَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ - عَنْ عَبْدِ الرَّحِيْمِ الْقَصِيْرِ قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ "ع"، اِئْتِ زُرَارَةَ وَبُرَيْدًا وَ قُلْ لَهُمَا مَا هٰذِهِ الْبِدْعَةُ اَمَا عَلِمْتُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) قَالَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ فَقُلْتُ لَهُ اِنِّيْ اَخَافُ مِنْهُمَا فَاَرْسَلَ مَعِيْ لَيْثَ الْمُرَادِيْ فَاَتَيْنَا زُرَارَةَ فَقُلْنَا لَهُ مَا قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ "ع"، فَقَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَعْطَانِيْ الْاِسْتِطَاعَةَ وَمَا شَعَرَ وَاَمَّا بُرَيْدُ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَرْجِعُ عَنْهَا اَبَدًا -

(۱- تنقیح المقال جلد اول ص ۱۶۷ باب الباء
مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲- رجال کشی ص ۲۰۸ ذکر برید بن
معاویہ مطبوعہ کربلا طبع جدید)

ترجمہ:

یونس مسیع نے روایت کی۔ کہ میں نے امام جعفر صادق کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ اللہ تعالیٰ برید اور زرارہ پر لعنت بھیجے۔ عبدالرحیم القصیر کا کہنا ہے۔ کہ مجھے امام جعفر نے فرمایا۔ زرارہ اور برید کے پاس جاؤ اور انہیں کہو۔ یہ کیا بدعت ہے؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی کہا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے ان دونوں سے خطرہ ہے۔ اس لیے میرے ساتھ لیث مرادی کو بھیج دیجئے۔ پھر ہم دونوں زرارہ کے پاس

آئے۔ اور امام جعفر کا پیغام دیا۔ وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! امام نے استطاعت کے بارے میں مجھے فتوای دیا تھا لیکن انہیں اس کی غلطی کا علم نہ ہوا۔ پھر کہنے لگا۔ میں اس سے رجوع نہیں کروں گا

جابر ابن یزید جعفی صرف ایک مرتبہ امام جعفر صادق کو مل سکا

رجال کشی

عَنْ اَبِیْ بُکَیْرٍ عَنْ زُرَارَۃَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰہِ (ع) عَنْ اَحَادِیْثِ جَابِرٍ فَقَالَ مَا رَأَیْتُہٗ عِنْدَ اَبِیْ قَطُّ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً وَّمَا دَخَلَ عَلَیَّ قَطُّ۔

(رجال کشی ص ۱۶۹ ذکر جابر بن زید جعفی۔ مطبوعہ کربلا طبع جدید)

ترجمہ:

زراہ سے ابوبکیر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ زرارہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جابر بن زیاد کی احادیث کے بابت پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ میں نے اُسے اپنے والد کے ہاں صرف اور صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے۔ اور وہ میرے پاس بھی کبھی نہیں آیا۔ (جابر بن یزید کا کہنا ہے۔ کہ میں نے ستر یا نوے ہزار احادیث امام باقر سے

سنی ہیں)۔

لمحۂ فکریہ

آثارِ نبوت کے محافظ، فقہ و مسلکِ امامیہ کے کرتا دھرتا اور پھر ملعون اور وہ بھی امام جعفر کی زبانِ اقدس سے کیا خوب اتفاق ہے۔ کیا حضرات ائمہ اہل بیت کی احادیث و مرویات کا راوی "ملعون" ہونا چاہیئے؟ یہی زرارہ جسے امام موصوف نے یہود و نصاریٰ سے زیادہ شریر فرمایا۔ کیا اسے فقہ جعفریہ کا ستون اوّل شمار کیا جائے؟ دوسرا ستون ابوبصیر جس نے امام موصوف کو پرلے درجے کا لالچی اور دنیادار کہا۔ انہیں رشوت لینے والا قرار دیا۔ اس بکواس کی وجہ سے کتے ایسے ناپاک حیوان نے اس کے کان اور منہ میں پیشاب کر کے بزبانِ حال یہ کہہ دیا۔ کہ اس کا منہ اور کان اس قابل نہیں۔ کہ ان سے ائمہ اہل بیت کی روایات نکل سکیں۔ اور وہ ایسی پاکیزہ گفتگو سننے کے لائق ہی نہیں ہے۔ یہ دوسرا ستون آنکھوں سے محروم ضرور تھا۔ لیکن کم از کم زبان کو تو اہل بیت کرام پر ہرزہ سرائی سے روک سکتا تھا۔ لیکن یہ ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی نہ ہوتی۔ تو وہ کتا کس کے منہ میں پیشاب کرتا؟ تیسرا ستون محمد ابن مسلم طائفی بھی بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ "ملعون" ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا تھا۔ کہ واقعہ ہو جانے کے بعد اُسے اُس واقعہ کا علم ہوتا ہے۔ پہلے وہ بے خبر ہوتا ہے (معاذ اللہ) چوتھے رکن پر بھی اللہ کی لعنت بھیجی گئی۔ اور اس چوتھے رکن یعنی ابو بریدنے تو یہاں تک کہہ دیا۔ کہ امام جعفر کے مقابلہ میں میری باتوں کو فضیلت ہے۔ میں اُن کے مقابلہ میں اپنی بات سے رجوع نہیں کرسکتا۔

کیونکہ انہیں لوگوں کے حالات کی گفت گو کرنے کی سوجھ بوجھ نہیں۔ اِدھر اُدھر کی بن سوچے ہانک دیتے ہیں۔ ان چار ملعون، بے دینوں۔ ائمہ اہل بیت کے گستاخوں اور بدعقیدہ ستونوں پر جو عمارت کھڑی ہو گی۔ آپ خود اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ کس قدر صحیح اور حق ہو گی۔ ان چار ستونوں کا ایک اور دم چھلا یعنی جناب جابر بھی ہیں۔ جو امام باقر اور امام جعفر سے ستر یا نوے ہزار احادیث کی روایت کا واویلا کرتے ہیں۔ حالانکہ خود امام جعفر رضی اللہ عنہ کے بقول زندگی بھر یہ شخص انہیں تو ملا نہیں۔ البتہ صرف ایک مرتبہ ان کے والد گرامی سے ملاقات نصیب ہوئی تھی۔ تو ایک ہی ملاقات میں، ستر یا نوے ہزار احادیث انہوں نے اسے ارشاد فرما دیں۔ اور اس بلا کے ذہین، اس نے انہیں من وعن محفوظ کر لیا۔ اور پھر بوقت ضرورت روایت کرتا رہا۔ سبحان اللہ! جن سے روایت کا دعویٰ وہ اس سے ملاقات کے ہی منکر۔ اور اسے اصرار کہ میں نے ان سے اس قدر احادیث کی سماعت کی۔ اور پھر اس پر "فقہ جعفریہ" کی پانچویں ٹانگ بننے کا دعویٰ؟ معلوم ہوتا ہے کہ من گھڑت احادیث اور ادھر اُدھر کی جوڑ توڑ کر ان "پنج تن" نے پنج تنی فقہ مرتب کی ہو گی۔ اور جسے پھر لکیر کے فقیروں "یا علی کے ملنگوں" نے سینہ سے لگایا۔

ان چار پانچ کے علاوہ اور بھی بہت سے
ان کے ساتھی "وضع حدیث" میں ید طولے
رکھتے تھے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں

اہل تشیع کی کتب اسمائے رجال کا مطالعہ کریں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ ان میں کچھ اور بھی ایسے حضرات ہوئے ہیں۔ جو احادیث گھڑنے اور انہیں کسی امام کی طرف منسوب کرنے میں بڑے بے باک تھے۔ انہی کی ایسی، روایات کا مجموعہ "فقہ جعفریہ" بن گیا۔ ثبوت ملاحظہ ہو

حوالہ ۱: رجال کشی

قَالَ يُوْنُسُ وَافَيْتُ الْعِرَاقَ فَوَجَدْتُ بِهَا
قِطْعَةً مِنْ اَصْحَابِ اَبِيْ جَعْفَرٍ (ع) فَوَجَدْتُ
اَصْحَابَ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) مُتَوَافِرِيْنَ
فَسَمِعْتُ مِنْهُمْ وَاَخَذْتُ كُتُبَهُمْ فَعَرَضْتُهَا
مِنْ بَعْدِ عَلٰى اَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا (ع) فَاَنْكَرَ
مِنْهَا اَحَادِيْثَ كَثِيْرَةً اَنْ يَكُوْنَ مِنْ اَحَادِيْثِ
اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) وَقَالَ لِيْ اِنَّ اَبَا الْخَطَّابِ كَذِبَ

عَلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) لَعَنَ اللّٰہُ اَبَا الْخَطَّابِ وَ کَذَالِکَ اَصْحَابَ اَبِی الْخَطَّابِ یَدُسُّوْنَ ھٰذِہِ الْاَحَادِیْثَ اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا فِیْ کُتُبِ اَصْحَابِ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) فَلَا تَقْبَلُوْا عَلَیْنَا خِلَافَ الْقُرْاٰنِ۔

(۱۔ رجال کشی ص ۱۹۵ ذکر مغیرہ ابن سعید مطبوعہ کربلا۔

(۲۔ تنقیح المقال جلد سوم ص ۲۳۶ باب المغیرہ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

یونس کہتا ہے کہ میں جب عراق گیا۔ تو مجھے امام جعفر کے اصحاب کی ایک جماعت سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ وہاں بہت سے اصحاب جعفر اور بھی تھے۔ میں نے اُن سے حدیث کی سماعت کی۔ اور ان کی تحریرات حاصل کیں۔ اس کے بعد میں نے وہ احادیث اور تحریرات ابوالحسن امام رضا کو سنائیں۔ تو انہوں نے اُن میں سے بکثرت احادیث کے بارے میں فرمایا۔ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی نہیں ہیں اور مجھے فرمانے لگے۔ ابوالخطاب نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹی احادیث کی نسبت کرکے ان پر بہتان باندھا ہے۔ اللہ کی ابوالخطاب پر لعنت ہو۔ اسی طرح ابوالخطاب مذکور کے ساتھی اور اصحاب آج تک متواتر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

کے اصحاب سے مروی احادیث میں اپنی طرف سے من گھڑت احادیث داخل کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کے خلاف کوئی روایت ہماری طرف سے کبھی کبھی قبول نہ کرنا۔

حوالہ ۲ تنقیح المقال

عَنْ اَبِیْ مُسْکَانَ عَمَّنْ حَدَّثَہٗ مِنْ اَصْحَابِنَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) قَالَ سَمِعْتُ یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُغِیْرَۃَ بْنَ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِیْ فَاَذَاقَہُ اللّٰہُ حَرَّ الْحَدِیْدِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ قَالَ فِیْنَا مَا لَا نَقُوْلُہٗ فِیْ اَنْفُسِنَا وَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَزَالَنَا عَنِ الْعُبُوْدِیَّۃِ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَنَا وَاِلَیْہِ مَاٰبُنَا وَمَعَادُنَا وَبِیَدِہٖ نَوَاصِیْنَا۔

(۱۔ تنقیح المقال جلد سوئم ص ۲۳۶ باب المغیرۃ۔)
(۲۔ رجال کشی ص ۱۹۵ باب المغیرہ مطبوعہ کربلا۔

ترجمہ:
ابو مسکان ہمارے اصحاب کے ذریعہ سے امام جعفر صادق رضی کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میں نے امام موصوف کو مغیرہ بن سعید پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا۔ کیونکہ وہ ان کے والد گرامی سے جھوٹی احادیث روایت کر کے ان پر بہتان

باندھتا تھا۔ اس جرأت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ اس کو گرم لوہے کا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر اس شخص پر لعنت جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے۔ جو ہم نے خود اپنے متعلق نہیں کہیں۔ اور اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے ہمیں اس اللہ کی عبودیت سے دور کرنے کی باتیں کیں جس اللہ نے ہمیں پیدا فرمایا، جس کی طرف ہمارا پلٹنا ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں ہماری شخصیات ہیں۔

حوالہ ۳: رجال کشی

عَنْ حَبِيْبِ الْخَثْعَمِيِّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ (ع) قَالَ كَانَ لِلْحَسَنِ (ع) كَذَّابٌ يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْمَعْهُ وَكَانَ الْمُخْتَارُ يَكْذِبُ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَكَانَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ سَعِيْدٍ يَكْذِبُ عَلٰى اَبِيْ۔

(۱۔ رجال کشی ص ۱۹۷ باب مغیرہ بن سعید۔)

(۲۔ تنقیح المقال جلد سوم ص ۲۳۶ باب المغیرہ۔)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے حبیب خثعمی روایت کرتا ہے انہوں نے فرمایا۔ کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے

بارے میں جھوٹی روایات بیان کرنے والے بہت سے کذاب تھے۔ ان میں سے کسی نے حسنین کریمین سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ مختار نے امام علی بن حسین پر بہتان تراشے اور مغیرہ بن سعید نے میرے والد امام باقر پر جھوٹ گھڑا۔

حوالہ ۲ تنقیح المقال

عَنْ هِشَامِ بْنِ الْحَكَمِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا عَبْدِ اللهِ (ع) يَقُوْلُ كَانَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ سَعِيْدٍ يَتَعَمَّدُ الْكَذِبَ عَلٰى اَبِيْ وَيَأْخُذُ كُتُبَ اَصْحَابِهٖ وَكَانَ اَصْحَابُهُ الْمُسْتَتِرُوْنَ بِاَصْحَابِ اَبِيْ يَأْخُذُوْنَ الْكُتُبَ مِنْ اَصْحَابِ اَبِيْ فَيَدْفَعُوْنَهَا اِلَى الْمُغِيْرَةِ فَكَانَ يَدُسُّ فِيْهَا الْكُفْرَ وَالزَّنْدَقَةَ وَيُسْنِدُهَا اِلٰى اَبِيْ ثُمَّ يَدْفَعُهَا اَصْحَابِهٖ فَيَأْمُرُهُمْ اَنْ يَبُثُّوْهَا فِي الشِّيْعَةِ فَكُلَّمَا كَانَ فِيْ كُتُبِ اَصْحَابِ اَبِيْ مِنَ الْغُلُوِّ فَذَاكَ مِمَّا دَسَّهُ الْمُغِيْرَةُ بْنُ سَعِيْدٍ فِيْ كُتُبِهِمْ۔

(۱۔ تنقیح المقال جلد سوم ص ۲۳۶، باب المغیرہ)

(۲۔ رجال کشی ص ۱۹۶ ذکر مغیرہ بن سعید)

ترجمہ:

ہشام بن الحکم بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق کو یہ

فرماتے ہوئے سنا۔ کہ مغیرہ بن سعید جان بوجھ کر میرے والد، امام باقر کے متعلق جھوٹی روایات منسوب کرتا تھا۔ اور والد گرامی کے اصحاب کی کتب لے کر وہ اس طرح کہ مغیرہ کے ساتھی میرے والد کے ساتھیوں میں گھسے ہوئے اور چھپے ہوئے رہتے تھے اس طرح وہ میرے والد کے ساتھیوں سے اُن کی کتب لے لیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ حاصل شدہ کتب مغیرہ کے پاس لے جاتے تو وہ ان میں کفر اور بے دینی کی باتیں ٹھونس کر انہیں میرے والد گرامی کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ پھر وہی کتابیں اپنے ساتھیوں کو لوٹاتے ہوئے انہیں حکم دیا کرتا تھا۔ کہ ان کتابوں کے مضامین اور روایات کو شیعوں میں پھیلا کر ان کے دلوں پر منقش کر دو۔ لہٰذا جب بھی تمہیں میرے والد گرامی امام باقر کی کتابوں میں غلو نظر آئے۔ تو سمجھ لینا کہ یہ مغیرہ بن سعید کی، خباثت ہے۔

حوالہ نمبر ۵:

رجال کشی:

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ (ع) يَوْمًا لِاَصْحَابِهٖ لَعَنَ اللهُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ سَعِيْدٍ وَلَعَنَ اللهُ يَهُوْدِيَّةً كَانَ يَخْتَلِفُ اِلَيْهَا يَتَعَلَّمُ مِنْهَا السِّحْرَ وَالشَّعْبَذَةَ وَالْمَخَارِيْقَ اِنَّ الْمُغِيْرَةَ كَذَبَ عَلٰى اَبِيْ فَسَلَبَهُ اللهُ الْاِيْمَانَ وَاِنَّ قَوْمًا

كَذَبُوْا عَلَيَّ مَا لَهُمْ اَذَاقَهُمُ اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ فَوَاللّٰهِ مَا نَحْنُ اِلَّا عَبِيْدُ الَّذِيْ خَلَقَنَا وَاصْطَفَانَا مَا نَقْدِرُ عَلٰى ضُرٍّ وَلَا نَفْعٍ اِنْ رَحِمَنَا فَبِرَحْمَتِهٖ وَاِنْ عَذَّبَنَا فَبِذُنُوْبِنَا وَاللّٰهِ مَا لَنَا عَلَى اللّٰهِ مِنْ حُجَّةٍ وَلَا مَعَنَا مِنَ اللّٰهِ بَرَاءَةٌ وَاِنَّا لَمَيِّتُوْنَ وَمَقْبُوْرُوْنَ وَمَنْشُوْرُوْنَ وَمَبْعُوْثُوْنَ وَمَوْقُوْفُوْنَ وَمَسْئُوْلُوْنَ وَيْلَهُمْ مَا لَهُمْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ لَقَدْ اٰذَوُا اللّٰهَ وَاٰذَوْا رَسُوْلَهٗ (ص) فِيْ قَبْرِهٖ وَاَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَعَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ وَمُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ۔

(۱۔ رجال کشی صفحہ ۱۹۶

باب المغیرۃ)

(۲۔ تنقیح المقال جلد سوم

ص ۲۳۶ باب المغیرہ بن سعید)

ترجمہ:

عبدالرحمٰن بن کثیر بیان کرتا ہے۔ کہ ایک دن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی مغیرہ بن سعید اور یہودیوں پر لعنت ہو۔ مغیرہ کا یہ وطیرہ تھا۔ کہ وہ یہود کے پاس جاتا۔ اور ان میں جادو، شعبدہ بازی اور دوسری خارق عادت باتیں سیکھتا۔ اس مغیرہ نے میرے والد گرامی پر جھوٹ

باندھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان چھین لیا تھا۔ کچھ لوگوں نے مجھ پر بھی بہتان تراشے ہیں۔ انہیں کیا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔ خدا کی قسم! ہم تو صرف اس اللہ پاک کے بندے ہی ہیں جس نے ہمیں پیدا کر کے منتخب فرمایا۔ ہمیں کسی نفع اور نقصان کی قدرت نہیں۔ اگر اللہ ہم پر رحم فرماتا ہے۔ تو وہ اپنی رحمت کی وجہ سے اور اگر عذاب دیتا ہے تو وہ ہمارے گناہوں کا خمیازہ ہوتا ہے۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ پر ہمیں کوئی حجت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی بری الذمہ ہونے کی اس کی طرف سے تحریر ہے۔ ہم بھی یقیناً مرنے والے، اللہ کے سامنے مجبور، مر کر اٹھنے والے، قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں پھیلنے والے، ٹھہرنے والے اور پوچھے جانے والے ہیں۔ ان جھوٹوں کے لیے بربادی۔ اللہ ان پر لعنت بھیجے۔ انہیں معلوم نہیں۔ کہ ان کے اس رویہ سے انہوں نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور قبر انور میں اس کے رسول کو دکھ دیا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ، فاطمہ، حسن، حسین، علی بن حسین اور محمد بن علی ان سب کو تکلیف پہنچائی۔

حوالہ نمبر ۶: رجال کشی

اَبُوْ يَحْيٰى الْوَاسِطِيُّ قَالَ قَالَ اَبُوالْحَسَنِ الرِّضَا (ع) كَانَ بَنَانٌ يَكْذِبُ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (ع) فَاَذَاقَهُ اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ وَكَانَ

مُغِیْرَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِیْ جَعْفَرٍ فَاَذَاقَہُ اللّٰہُ حَرَّ الْحَدِیْدِ وَکَانَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشِیْرٍ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِی الْحَسَنِ مُوْسٰی (ع) فَاَذَاقَہُ اللّٰہُ حَرَّ الْحَدِیْدِ وَکَانَ اَبُو الْخَطَّابِ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) فَاَذَاقَہُ اللّٰہُ حَرَّ الْحَدِیْدِ وَالَّذِیْ یَکْذِبُ عَلَیَّ مُحَمَّدُ بْنُ فُرَاتٍ۔ قَالَ اَبُوْ یَحْیٰی وَکَانَ مُحَمَّدُ بْنُ فُرَاتٍ مِنَ الْکُتَّابِ فَقَتَلَہُ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ شَکْلَۃَ۔

(۱- رجال کشی صفحہ ۲۵۶
ذکر ابو الخطاب مطبوعہ کربلا-)
(۲- تنقیح المقال جلد سوم
ص ۱۹۱ باب محمد- مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

ابو یحییٰ واسطی کا کہنا ہے۔ کہ امام ابو الحسن رضا نے فرمایا۔ بنان نے امام علی بن حسین پر جھوٹ باندھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گرم لوہے کا عذاب دیا۔ مغیرہ بن سعید نے ابو الحسن علی پر بہتان باندھا۔ تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے گرم لوہے کا عذاب دیا۔ ابو الخطاب نے امام جعفر صادق کے متعلق من گھڑت جھوٹی باتیں پھیلائیں۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے گرم لوہے کے عذاب میں گرفتار فرمایا۔ اور مجھ پر جھوٹ باندھنے والا محمد بن فرات ہے ابو یحییٰ کہتا ہے۔ کہ محمد بن فرات کاتبین میں سے تھا۔ اسے

ابراہیم بن شکلہ نے قتل کیا تھا

حوالہ نمبر ۲: تنقیح المقال

عَنِ ابْنِ سَنَانٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) اِنَّا اَھْلُ بَیْتٍ صَادِقُوْنَ لَا نَخْلُوْ مِنْ کَذَّابٍ یَکْذِبُ عَلَیْنَا فَیَسْقُطُ صِدْقُنَا بِکِذْبِہٖ عَلَیْنَا عِنْدَ النَّاسِ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص) اَصْدَقَ الْبَرِیَّۃِ لَھْجَۃً وَکَانَ مُسَیْلَمَۃُ یَکْذِبُ عَلَیْہِ۔ وَکَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ع) اَصْدَقَ مَنْ بَرَی اللّٰہُ مِنْ بَعْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَانَ الَّذِیْ یَکْذِبُ عَلَیْہِ مِنَ الْکَذِبِ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ سَبَا لَعَنَہُ اللّٰہُ وَکَانَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ (ع) قَدْ اِبْتَلٰی بِالْمُخْتَارِ ثُمَّ ذَکَرَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحَارِثَ الشَّامِیَّ وَبَنَانَ فَقَالَ کَانَا یَکْذِبَانِ عَلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ (ع) ثُمَّ ذَکَرَ الْمُغِیْرَۃَ بْنَ سَعِیْدٍ وَبَزِیْعًا وَالسَّرِیَّ وَاَبَا الْخَطَّابِ وَمَعْمَرًا وَبَشَّارَ الْاَشْعَرِیَّ وَحَمْزَۃَ الْبَرْبَرِیَّ وَصَائِدَ النَّھْدِیَّ فَقَالَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ اِنَّا لَا نَخْلُوْ مِنْ کَذَّابٍ یَکْذِبُ عَلَیْنَا اَوْ عَاجِزِ الرَّاْیِ کَفَانَا اللّٰہُ مُؤْنَۃَ کُلِّ کَذَّابٍ وَاَذَاقَھُمُ اللّٰہُ

حَرّ الْحَدِیْدِ۔

(۱۔ تنقیح المقال جلد سوم
باب محمد من ابواب المیم
مطبوعہ تہران)
(۲۔ رجال کشی ص ۲۵۷
ذکر ابوالخطاب)

ترجمہ:

ابن سنان بیان کرتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہم اہل بیت باوجود صادق ہونے کے کذابوں سے نہ بچ سکے۔ انہوں نے ہم پر بہتان باندھے۔ اور ہمارے صدق کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لوگوں کے سامنے ہم پر جھوٹی باتیں گھڑتے تھے۔ دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ سچے ہیں لیکن مسیلمہ کذاب نے آپ پر جھوٹ باندھا۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تمام سے زیادہ سچے تھے۔ ان پر بہتان باندھنے والا عبداللہ بن سبا لعنتی تھا۔ ابو عبداللہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو مختار کذاب سے واسطہ پڑا۔ اس کے بعد امام جعفر نے ابو عبداللہ حارث شامی اور بنان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جھوٹی جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے۔ پھر امام جعفر نے مغیرہ بن سعید

بزیع، السری، ابوالخطاب، معمر، بشار اشعری حمزہ یزیدی اور صائد النہدی کا ذکر کر کے فرمایا۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ ہم کذابوں سے نہ چھوٹ سکے۔ جنہوں نے ہم پر بہتان باندھے۔ اور ایسے لوگوں سے بھی نہ بچ جا سکے۔ جو بے علم ہوتے ہوئے ہم پر غلط رائے قائم کرتے تھے۔ ان کذابوں سے جو ہمیں کوفت ہوئی۔ اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جھوٹوں کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔

حوالہ نمبر ۸: رجال کشی

عَنْ مُصَارِفٍ قَالَ لَمَّا لَبَّى الْقَوْمُ الَّذِيْنَ لَبُّوْا بِالْكُوْفَةِ۔

۱۔ دَخَلْتُ عَلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ رع فَاَخْبَرْتُهٗ بِذَالِكَ فَخَرَّ سَاجِدًا وَدَقَّ جُؤْجُؤَهٗ بِالْاَرْضِ۔

۲۔ وَبَكٰى وَاَقْبَلَ يَلُوْذُ بِاَصْبِعِهٖ وَيَقُوْلُ بَلْ عَبْدُ اللّٰهِ قِنٌّ دَاخِرٌ مِرَارًا كَثِيْرَةً ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَدُمُوْعُهٗ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ نَنَدَّمْتُ عَلٰى اِخْبَارِيْ اِيَّاهُ فَقُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ وَمَا عَلَيْكَ اَنْتَ مِنْ ذَا فَقَالَ يَا مُصَارِفُ اِنَّ عِيْسٰى لَوْ سَكَتَ عَمَّا قَالَتِ النَّصَارٰى فِيْهِ

لَكَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُّصِمَّ سَمْعَهٗ وَيُعْمِيَ بَصَرَهٗ وَلَوْ سَكَتَ عَمَّا قَالَ فِيَّ اَبُو الْخَطَّابِ لَكَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُّصِمَّ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ۔

(۱- رجال کشی ص ۲۵۳-
ذکرا بو الخطاب مطبوعہ کوبلا)
(۲- تنقیح المقال ص ۲۵۳ ذکر
ابو الخطاب مطبوعہ کربلا)

ترجمہ:

مصارف کا کہنا ہے۔ کہ جب کوفیوں نے لبیک یا جعفر کا غلغلہ بلند کیا۔ تو میں امام جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور اس واقعہ کی انہیں خبر دی۔ وہ فوراً سجدہ میں گر گئے۔ اور اپنا سینہ زمین کے ساتھ رگڑنے لگے۔ اور زار و قطار رو رہے تھے۔ اور اپنی انگلی کے ذریعہ پناہ مانگ رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ بلکہ عبداللہ (امام جعفر) تو اللہ تعالیٰ کا ایک غلام اور بندہ کمتر ہے۔ یہ جملہ آپ نے بار ہا فرمایا۔ پھر سر انور اٹھایا۔ تو آپ کے آنسو آپ کی داڑھی مبارک سے بہہ رہے تھے۔ مجھے یہ بات بتلانے پر بہت ندامت ہوئی۔ میں نے عرض کیا۔ میری جان آپ پر قربان! اس واقعہ سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ فرمانے لگے۔ اے مصارف! یہ سچی بات ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس بات کو سن کر خاموش ہو جاتے جو نصاریٰ نے آپ کے بارے میں کہی تھیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی

کر دیتا۔ اور اگر میں بھی وُہ بات سُن کر خاموش رہتا جو ابوالخطاب نے میرے متعلق کہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا کہ وہ میرے کان اور میری آنکھ بھی بہرے اندھے کر دیتا۔

حوالہ نمبر ۹ رجال کشی

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) اِنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ قَالَ وَمَا یَقُوْلُوْنَ قُلْتُ یَقُوْلُوْنَ تَعْلَمُ قَطْرَ الْمَطَرِ وَعَدَدَ النُّجُوْمِ وَوَرَقَ الشَّجَرِ وَوَزْنَ مَا فِی الْبَحْرِ وَعَدَدَ التُّرَابِ فَرَفَعَ یَدَہٗ اِلَی السَّمَآءِ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ لَا وَاللّٰہِ مَا یَعْلَمُ ھٰذَا اِلَّا اللّٰہُ

(رجال کشی ص ۲۵۳ ذکر ابو الخطاب)

ترجمہ:

ابو بصیر کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔ حضور! لوگ آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں۔ کہ آپ بارش کے قطروں، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتوں، سمندرو دریا کے پانی کا وزن اور مٹی کے ذرّوں کی تعداد جانتے ہیں یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے۔ اور فرمانے لگے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا کی قسم! اللہ کے بغیر یہ کوئی نہیں جانتا۔

حوالہ نمبر۱۰ رجال کشی

عَنِ الْمُفَضَّلِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ (ع) يَقُوْلُ لَوْ قَامَ قَائِمُنَا بَدَاءَ بِكَذَّابِي الشِّيْعَةِ فَقَتَلَهُمْ۔

(رجال کشی ص ۲۵۳ ذکر ابو الخطاب مطبوعہ کربلا۔ طبع جدید)

ترجمہ:

مفضل ابن عمر بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر امام مہدی تشریف لے آئیں۔ تو سب سے پہلا کام یہ سرانجام دیں گے۔ کہ شیعوں میں جو کذاب ہیں۔ ان کے سر قلم کر دیں گے۔

حوالہ نمبر۱۱ رجال کشی

عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدِ الشَّامِيِّ قَالَ قَالَ اَبُوالْحَسَنِ (ع) قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ (ع) مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اٰيَةً فِي الْمُنَافِقِيْنَ اِلَّا وَهِيَ فِيْمَنْ يَنْتَحِلُ التَّشَيُّعُ۔

(رجال کشی ص ۲۵۴۔ ذکر ابو الخطاب)

ترجمہ:

علی بن یزید شامی کہتا ہے۔ کہ ابو الحسن نے امام جعفر صادق سے روایت کی۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو آیت منافقین کے بارے

یں نازل فرمائی۔ وہ ہر اس شخص پر فٹ بیٹھتی ہے جس میں
شیعیت پائی جاتی ہے۔

مذکورہ گیارہ حوالہ جات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ امام رضا کا فرمان ہے۔ کہ میرے دادا امام جعفر صادق کے زمانہ سے لے کر آج میرے زمانہ تک شیعہ راوی ان کی احادیث میں اپنی طرف سے گھڑی ہوئی باتیں درج کرتے چلے آرہے ہیں۔

۲۔ ائمہ اہل بیت نے ایسے تمام کذابوں کے لیے گرم لوہے کے عذاب کی دعا کی۔ جنہوں نے ان کی طرف سے من گھڑت باتیں لوگوں کے سامنے پیش کیں۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہر امام کے لیے کوئی نہ کوئی جعلی حدیثیں بنانے والا موجود رہا ہے۔

۴۔ مغیرہ بن سعید ایسا نامی گرامی کذاب ہے۔ کہ اس نے امام جعفر صادق کے اصحاب کی کتب میں جھوٹی روایات داخل کر کے شیعوں کو یہ باور کرایا۔ کہ یہ تمام احادیث امام جعفر کی بیان کردہ ہیں۔ اور شیعہ لوگوں نے انہیں تسلیم بھی کر لیا۔

۵۔ ہر ایسی روایت جس میں ائمہ اہل بیت کے بارے غلو سے کام لیا گیا۔ وہ من گھڑت ہے۔

۶۔ مغیرہ بن سعید نے جعلی روایات کے ذریعہ امام جعفر کی تعلیم میں کفر

اور بے دینی بھر دی تھی۔

۷۔ امام جعفر کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ کچھ لوگ ان میں خدائی اوصاف تسلیم کرتے ہیں۔ اور اللھم لبیک کی بجائے جعفر لبیک کہتے ہیں۔ تو آپ نے اس کی سختی سے تردید فرمائی۔ اور فرمادیا۔ کہ اگر میں ان شرکیہ اور کفریہ باتوں کی تردید نہ کرتا۔ تو اللہ تعالیٰ مجھے اندھا بہرہ کر دیتا۔

۸۔ امام جعفر صادق نے اپنی عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے مرنے، جینے اور حشر و نشر سب کا اقرار کیا۔ اور اپنے بارے میں غلو کرنے والوں پر لعنت بھیج کر فرمایا۔ ان جھوٹوں نے رسول خدا، علی المرتضیٰ، حسنین کریمین وغیرہ کو ان کی قبور میں اذیت پہنچائی۔

۹۔ بارش کے قطرے، درختوں کے پتے، ریت اور مٹی کے ذرے وغیرہ کا علم ثابت کرنے والے پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے خدا کی پناہ مانگی۔

۱۰۔ اپنے بارے میں ان عقائد کے معتقدین کو آپ نے منافق فرمایا۔ اور یہ عقائد شیعوں میں ہونے کا ذکر بھی فرمایا۔

۱۱۔ ان جھوٹی روایات کو ہماری طرف منسوب کرنے والے شیعوں کی، امام مہدی سب سے پہلے گردن ماریں گے۔

لمحہ فکریہ

امور مذکورہ اور حوالہ جات گذشتہ سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ ائمہ اہل بیت کی احادیث و روایات میں ہر دور کے اندر کذابوں نے جھوٹی اور من گھڑت روایات داخل کیں۔ لہذا ان کتابوں پر اعتماد نہ ہو

اب جبکہ انہی روایات و احادیث پر فقہ جعفریہ اور عقائد جعفریہ کا دارومدار ہے۔ تو کونسا عقلمند اس فقہ اور عقائد کو صحیح تسلیم کرے گا۔ جس کی بنیاد منافق کذاب اور گرم لوہے کے عذاب والے رکھیں۔ وہ عمارت کب خیر و برکت والی ہو سکتی ہے۔ چلتے چلتے ان کذابوں کے گھڑے ہوئے شرکیہ اور کفریہ عقیدہ کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔

جلاء العیون

جناب علی علیہ السلام نے اپنے بعض خطبات میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میں وہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں۔ جس کا ذکر صحف اولی میں ہے۔ میں خاتم سلیمان کا مالک ہوں۔ یوم حساب کا مالک ہوں، میں صراط اور میدان حشر کا مالک ہوں۔ میں قاسم جنت و نار ہوں۔ میں اول آدم ہوں۔ اول نوح ہوں۔ میں جبار کی آیت ہوں۔ میں اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتوں کا لباس دینے والا ہوں۔ میں پھلوں کو پکانے والا ہوں۔ میں چشموں کو جاری کرنے والا ہوں۔ میں نہروں کو بہانے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ ہوں۔ میں حلم کا پہاڑ ہوں۔ میں امیرالمومنین ہوں میں سرچشمہ یقین ہوں۔ میں زمینوں اور آسمانوں میں حجت خدا ہوں۔ میں متزلزل کرنے والا ہوں۔ میں صاعقہ ہوں۔ میں حقانی آواز ہوں۔ میں قیامت ہوں ان کے لیے

جو قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کوئی ریب نہیں۔ میں وہ اسمائے حسنیٰ ہوں جن کے ذریعہ خدا نے دعا قبول کرنے کا حکم دیا۔ میں وہ نور ہوں جس سے موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت کا اقتباس کیا۔ میں صور کا مالک ہوں! میں قبروں سے مردوں کو نکالنے (زندہ کرنے) والا ہوں۔ میں یوم النشور کا مالک ہوں۔ میں نوح کا ساتھی اور اس کو نجات دینے والا ہوں۔ میں ایوب بلا رسیدہ کا صاحب اور اس کو شفا دینے والا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے امر سے آسمانوں کو قائم کیا۔ میں صاحب ابراہیم ہوں میں کلیم کا بھید ہوں۔ میں ملکوت کو دیکھنے والا ہوں۔ میں وہ حیّ ہوں جسے موت نہیں آتی۔ میں تمام مخلوقات پر ولی حق ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے بات نہیں بدل سکتی مخلوق کا حساب میری طرف سے ہے۔ میں وہ ہوں جسے امر مخلوق تفویض کیا گیا ہے۔ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ ہمارے مرتضےٰ ص ۵۱ - ۵۲ مولائے کائنات کا یہ فرمان خلافت، قرآن و اسلام نہیں بلکہ عین اسلام ہے۔ بارش برسانا، فصل اگانا، درختوں پر پھول لانا اور پھل لگانا، بادل لانا، اولاد پیدا کرنا یہ امور عبادت ہیں۔ جس کے یہ ہیں وہ معبود ہے اور جو ان کو کرے وہ عبد ہے۔ لہذا یہ امور ہیں عبادت اور اللہ کے ہیں یہ امور وہ ہے معبود اور جو ان کو انجام دے وہ ہے۔ عبد، جو ہستیاں ان عباد پہ حاکم ہیں

وہ ہیں محمد وآل محمد علیہم السلام۔

(ترجمہ جلاء العیون جلد دوم ص ۶۰
مطبوعہ انصاف پریس لاہور شیعہ
جنرل بک ایجنسی)

الحاصل:

فقہ جعفریہ اور عقائد جعفریہ کے مبادی اور ان کے ستون جو ہم نے ذکر کیے۔ اگر کوئی بھی حق کا متلاشی ان میں غور و فکر کرے گا۔ تو اسے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔ کہ اس فقہ اور ان عقائد کی بنیاد حضرات ائمہ اہل بیت کے اقوال و افعال نہیں ہیں۔ بلکہ ان کذاب اور منافق لوگوں کی من گھڑت روایات ہیں۔ جن پر خود ائمہ اہل بیت نے لعنت بھیجی ہے:۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ

فقہ جعفریہ کے بے اصل ہونے پر دوسری دلیل

اصول کافی

عَنِ السَّدِيْدِ الصَّيْرِفِيْ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ

مَا يَسَعُكَ الْقُعُوْدُ فَقَالَ وَلِمَ يَا سَدِيْدُ؟ قُلْتُ
لِكَثْرَةِ مَوَالِيْكَ وَ شِيْعَتِكَ وَ اَنْصَارِكَ
وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَام
مَالَكَ مِنَ الشِّيْعَةِ وَالْاَنْصَارِ وَالْمَوَالِيْ
مَا طَمِعَ فِيْهِ تَيْمٌ وَلَا عَدِيٌّ فَقَالَ يَا سَدِيْدُ
وَكَمْ عَسٰى اَنْ يَكُوْنُوْا؟ قُلْتُ مِائَةَ اَلْفٍ
قَالَ مِائَةَ اَلْفٍ؟ قُلْتُ نَعَمْ وَمِائَتَيْ اَلْفٍ
قَالَ مِائَتَيْ اَلْفٍ؟ قُلْتُ نَعَمْ وَنِصْفَ الدُّنْيَا
قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قَالَ يَخِفُّ عَلَيْكَ اَنْ
تَبْلُغَ مَعَنَا اِلٰى يَنْبُعٍ قُلْتُ نَعَمْ فَاَمَرَ بِحِمَارٍ
وَبَغْلٍ اَنْ يُسْرَجَا فَبَادَرْتُ فَرَكِبْتُ
الْحِمَارَ فَقَالَ يَا سَدِيْدُ اَتَرٰى اَنْ تُؤْثِرَنِيْ
بِالْحِمَارِ؟ قُلْتُ اَلْبَغْلُ اَزْيَنُ وَاَنْبَلُ قَالَ
الْحِمَارُ اَرْفَقُ بِيْ فَنَزَلْتُ فَرَكِبَ الْحِمَارَ
وَرَكِبْتُ الْبَغْلَ فَمَضَيْنَا فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ
فَقَالَ يَا سَدِيْدُ اِنْزِلْ بِنَا نُصَلِّيْ ثُمَّ قَالَ
هٰذِهِ اَرْضٌ سَبْخَةٌ لَا تَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِيْهَا
فَسِرْنَا حَتّٰى صِرْنَا اِلٰى اَرْضٍ حَمْرَاءَ وَنَظَرَ
اِلٰى غُلَامٍ يَرْعٰى جِدَاءً فَقَالَ وَاللّٰهِ يَا سَدِيْدُ
لَوْ كَانَ لِيْ شِيْعَةٌ بِعَدَدِ هٰذِهِ الْجِدَاءِ مَا
وَسِعَنِي الْقُعُوْدُ وَنَزَلْنَا وَصَلَّيْنَا فَلَمَّا فَرَغْنَا

مِنَ الصَّلٰوةِ عَطِفْتُ عَلَى الْجِدَاءِ فَعَدَدْتُهَا فَاِذَا هِيَ سَبْعَةَ عَشَرَ۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۴۲
کتاب الایمان و الکفر، باب
فی قلۃ العدد المومنین مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ:

سدید صیرفی بیان کرتا ہے۔ کہ میں ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حضور گیا۔ اور عرض کی خدا کی قسم! اب آپ کے لیے گھر میں بیٹھ رہنا درست نہیں۔ حضرت نے فرمایا یہ کیوں؟ میں نے کہا آپ کے دوستوں شیعوں اور انصار کی کثرت کی وجہ سے واللہ اگر امیر المومنین کے پاس اتنے شیعہ اور انصار ہوتے تو تیم اور عدی والے ان سے خلافت لے نہ سکتے تھے۔ فرمایا اے سدید تم سب بھلا کتنے ہو۔ میں نے کہا ایک لاکھ فرمایا ایک لاکھ میں نے کہا جی ہاں بلکہ دو لاکھ فرمایا دو لاکھ میں نے کہا جی ہاں بلکہ نصف دنیا۔ یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے۔ اور فرمایا۔ کیا تیرے لیے یہ آسان ہے۔ کہ تو ہمارے ساتھ چشمہ ینبع تک چلے۔ میں نے کہا ضرور۔ آپ نے حکم دیا کہ گدھے اور خچر پر زین رکھیں۔ میں نے جلدی یہ خدمت انجام دی۔ اور میں گدھے پر سوار ہوا۔ فرمایا اے سدید! حمار پر مجھے سوار ہونے دے۔ میں نے کہا خچر زیادہ شاندار اور شریف طبیعت ہے۔ فرمایا گدھا رفتار میں میری موافقت کرتا

ہے۔ یہ سن کر میں اتر آیا۔ اور خچر پر سوار ہوا۔ اور حضرت حمار پر سوار رہے۔ ہم دونوں چلے۔ جب وقت نماز آیا۔ تو فرمایا اترو تاکہ نماز ادا کریں اس کے بعد فرمایا یہ زمین شور ہے۔ یہاں نماز جائز نہیں۔ ہم پھر چلے۔ یہاں تک کہ ایک سرسبز اور سرخ رنگ کے خطہ پر پہنچے۔ ایک لڑکے کو بکریاں چراتے دیکھا۔ فرمایا اے سدیر! اگر میرے شیعہ بقدران بکریوں کے ہوتے تو میں خروج کرتا۔ ہم وہاں اترے اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے اُن بکریوں کو شمار کیا۔ تو ان کی تعداد سترہ تھی۔

(کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم
ص ۲۶۷ باب ۱ مطبوعہ شمیم
" بکڈپو)

اصول کافی

ابن ابی عمیر۔ عن ہشام بن سالم عن ابی عمر الاعجمی قَالَ قَالَ لِیْ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا اَبَا عُمَرَ اِنَّ تِسْعَۃَ اَعْشَارِ الدِّیْنِ فِی التَّقِیَّۃِ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا تَقِیَّۃَ لَہٗ وَالتَّقِیَّۃُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا فِی النَّبِیْذِ وَالْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۱۷)

ترجمہ:

ابو عمر الاعجمی کہتا ہے۔ کہ فرمایا ابو عبد اللہ علیہ السلام نے تقیہ

نو حصہ دین ہے۔ جو وقت ضرورت تقیہ نہ کرے اس کا دین نہیں اور تقیہ ہر شئ میں ہے۔ سوائے نبیذ (جو کی شراب) اور موزوں پر مسح کے۔

(کتاب الشافی مترجم اصول کافی جلد ۲
ص ۴۰ ۲ باب ۸۹ کتاب الایمان
والکفر)

احتجاج طبرسی

فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا مِنَّا اِلَّا قَائِمٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ وَهَادٍ اِلٰى دِيْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ الْقَائِمَ الَّذِىْ يُطَهِّرُ اللّٰهُ بِهِ الْاَرْضَ مِنْ اَهْلِ الْكُفْرِ وَالْجُحُوْدِ وَيَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا هُوَ الَّذِىْ يَخْفٰى عَلَى النَّاسِ وَلَادَتُهٗ وَيَغِيْبُ عَنْهُمْ شَخْصُهٗ وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمْ تَسْمِيَتُهٗ وَهُوَ سَمِىُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْيَتُهٗ وَهُوَ الَّذِىْ تطوى لَهُ الْاَرْضُ وَيُذَلُّ لَهٗ كُلُّ صَعْبٍ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ مِنْ اَصْحَابِهٖ عِدَّةُ اَهْلِ بَدْرٍ (ثَلَاثَ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ) رَجُلًا مِنْ اَقَاصِى الْاَرْضِ وَذَالِكَ قَوْلُ اللّٰهِ اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فَاِذَا اجْتَمَعَتْ لَهٗ هٰذِهِ الْعِدَّةُ

مِنَّا اَهْلِ الْاِخْلَاصِ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ اَمْرَهٗ فَاِذَا كَمُلَ لَهُ الْعَدَدُ وَهُوَ عَشَرَةُ اٰلَافِ رَجُلٍ خَرَجَ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ يَقْتُلُ اَعْدَاءَ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْضٰى عَزَّ وَجَلَّ۔

احتجاج طبرسی جلد دوم
ص ۵۰ مطبوعہ قمر خیابان
طبع جدید)
(احتجاج طبرسی ص ۲۴۸ طبع
قدیم مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:

امام رضا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم ائمہ اہل بیت میں سے ہر ایک قائم بامر اللہ ہے۔ اور اللہ کے دین کا ہادی ہے۔ لیکن وہ قائم کہ جس کے سبب اللہ تعالیٰ زمین کو کفار اور منکرین سے پاک کرے گا۔ اور اس کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ وُہ ہے۔ کہ جس کی ولادت لوگوں سے چھپا کر رکھی گئی ہے۔ اس کی شخصیت لوگوں سے پوشیدہ کر دی گئی ہے۔ اور اس کا نام لینا بھی حرام کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا نام اور کنیت بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کنیت پر ہوگی۔ اسی کے لیے زمین لپیٹ دی جائے گی۔ ہر سخت کو نرم کر دیا جائے گا۔ اصحاب بدر (یعنی تین سو تیرہ کی تعداد) مختلف اطراف سے اس کے ارد گرد جمع ہوں گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہوگی۔ کہ وہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب

کو لے آئے گا۔ بے شک وہ ہر شی پر قادر ہے، جب مخلصین کی مذکورہ تعداد پوری ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے امر کو ظاہر کرے گا۔ پھر جب مخلصین کی تعداد مکمل (یعنی دس ہزار) ہو جائے گی تو اللہ کے حکم سے وہ نکلے گا۔ اور پھر لگاتار اللہ کے دشمنوں سے قتال جاری رکھے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جائے گا۔

حلیۃ المتقین

از حضرت امام رضا مرویست کہ اگر در مقام تمیز شیعہ برآئیم نیابم ایشاں را مگر وصف کنندہ بزبان واگر امتحان کنیم نیابم مگر مرتد واگر خلاصہ وزبدہ کنیم ایشاں را از ہزار یکے خالص بنا شد۔ (مجمع المعارف بر حاشیہ حلیۃ المتقین ص ۔ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

امام رضا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ اگر ہم شیعوں کو مقام تمیز پر رکھ کر پرکھیں تو میں انہیں صرف زبان سے تعریف کرنے والا ہی پاؤں گا۔ اور اگر ان کا ہم امتحان کرنے لگیں تو مجھے سبھی مرتد ہی نظر آتے ہیں۔ اور اگر خلاصہ اور نچوڑ کریں۔ تو ہزار میں سے ایک بھی خالص نہ ملے گا۔

÷

اصول کافی

عَنْ اِبْنِ رُئَابٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ لِاَبِيْ بَصِيْرٍ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ اَنِّيْ اَجِدُ مِنْكُمْ ثَلَاثَةَ مُؤْمِنِيْنَ يَكْتُمُوْنَ حَدِيْثِيْ مَا اَسْتَحْلَلْتُ اَنْ اَكْتُمَهُمْ حَدِيْثًا۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۴۲
کتاب الکفر والایمان باب فی
قلۃ عدد المومنین)

ترجمہ:

ابن رئاب سے روایت ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ آپ یہ باتیں ابو بصیر سے کر رہے تھے۔ فرمایا خدا کی قسم! اگر مجھے تم شیعوں میں سے تین مومن بھی ایسے مل جاتے جو میری حدیث چھپائے رکھتے۔ تو میں ان سے اپنی احادیث نہ چھپاتا۔

رجال کشی

كَانَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ مَا وَجَدْتُ اَحَدًا يَقْبَلُ وَصِيَّتِيْ وَيُطِيْعُ اَمْرِيْ اِلَّا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَعْفُوْرٍ۔

(رجال کشی ص ۲۱۳)

ترجمہ:

امام جعفر صادق فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے عبداللہ بن یعفور کے سوا کوئی ایک بھی ایسا (شیعہ) نہ ملا۔ جو میری وصیت قبول کرتا ہو۔ اور میرے احکام کی اطاعت کرتا ہو۔

لمحہ فکریہ

مذکورہ حوالہ جات میں سے دو چار امور بطور اختصار پھر پیش خدمت ہیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں "فقہ جعفریہ" کی حقیقت سمجھنا آسان ہو جائے۔

۱۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو جب یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی۔ کہ آپ کے دوست اور شیعہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ تو پھر آپ خروج کیوں نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا۔ تم لاکھوں کہہ رہے ہو۔ اگر میرے شیعوں کی تعداد سترہ بھی ہوتی۔ تو میں خروج کر لیتا۔ لیکن کیا کروں اتنے بھی نہیں ہیں۔ گویا سدید صیرفی کے سر پر جو لاکھوں شیعوں کا بھوت سوار تھا۔ امام جعفر صادق نے اُسے یوں اتار دیا۔ کہ یہ سب نام کے شیعہ ہیں حقیقت میں ان کے اندر سترہ بھی صحیح شیعہ نہیں۔

۲۔ ابو بصیر سے امام جعفر صادق نے فرمایا۔ کہ مجھے تو تم میں سے تین آدمی بھی صحیح مومن نہیں ملتے۔ ورنہ میں ان سے احادیث نہ چھپاتا۔ گویا سترہ تو بہت دور کی بات ہے۔ تین بھی صحیح اور پکے مومن (شیعہ) نہ تھے۔

۳۔ انہی امام صاحب کا فرمان ہے۔ کہ میری اطاعت کرنے والا اور میری وصیت قبول کرنے والا صرف اور صرف ایک عبداللہ بن یعفور ہے۔

جب سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے دور میں صرف اور صرف ایک

شیعہ قابل اعتماد تھا۔ باقی سب نام نہاد شیعہ تھے۔ تو ان حالات میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنی باتیں کن سے کہتے۔ اپنی فقہ کن کو سمجھاتے۔ اپنی احادیث کس کے سامنے پیش فرماتے۔ یہی قحط الرجال کا زمانہ تھا۔ جس میں آپ نے بقول ابو عمر الاعجمی اپنا دین صرف ایک حصہ ظاہر کیا۔ اور نو حصے "تقیہ" کی بھینٹ چڑھا دیئے۔

مذہب جعفریہ کی بنیاد دراصل وہ احادیث و فرامین ہیں۔ جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول و مروی ہیں۔ ان حالات میں اس قدر تعداد میں آپ کی احادیث کس طرح منظر عام پر آسکتی ہیں۔ جب کہ آپ نے صرف ایک آدمی کو قابل اعتبار کہا۔ اور نو حصے دین چھپا کر رکھا۔ جب امام موصوف کو تین آدمی بھی مخلص نہ ملے۔ جن پر اپنا صحیح دین (مکمل دس حصوں والا) ظاہر فرماتے۔ تو پھر یہ "دین جعفری" جس کو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کہاں سے آگیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اُن لوگوں کی ایجاد ہے۔ جن پر خود امام موصوف کو بھروسہ نہ تھا۔ جن کی تشیعیت صرف زبانی تھی۔ اور پرلے درجے کے جھوٹے لوگ تھے۔ یہ تو زمانہ تھا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا۔ اب ذرا سلسلہ امامت کے نویں ستون حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کے دور کی باتوں کا اُن کی زبانی خلاصہ سُنیں۔ تو بات اور بھی کُھل کر سامنے آئے گی۔

ائمہ اہل بیت کا ہر فرد "قائم بامر اللہ" اور "ھادی الی دین اللہ" ہے۔ لیکن کامل اور مکمل طور پر ان اوصاف کا مالک وہ امام ہے۔ جس کا نام اور ولدیت لوگ نہیں جانتے۔ اور ابھی وہ ظاہر نہیں ہوا۔ ہاں جب تین سو تیرہ سچے پکے شیعہ موجود ہو جائیں گے۔ تو پھر اُن کا ظہور ہوگا۔ تو صاف بات ہے۔ کہ امام رضا کے زمانہ تک یہ موقعہ نہیں آیا۔ بلکہ مذہب شیعہ میں آج تک اس امام کا ظہور نہیں ہوا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ اس دور سے لے کر آج تک تین سو تیرہ ایسے شیعہ نہیں پائے گئے۔ جن کی موجودگی

امام قائم کے ظہور کا سبب بنتی۔ اگر ذہن میں یہ خیال آئے۔ کہ تین سو تیرہ کہاں آج تو کروڑوں شیعیان علی موجود ہیں۔ اور لاکھوں اس سے پہلے دور میں ہوئے ہیں۔ تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ واقعی پکے مومن ہیں۔ تو پھر امام قائم ظاہر کیوں نہ ہوئے؟ کیوں چھپے بیٹھے ہیں؟ اگر امام رضا کا قول تسلیم کر لیا جائے جو بوجہ معصوم ہونے کے قابل تسلیم ہے۔ تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ شیعوں کی یہ کثرت ان لوگوں کی ہے۔ کہ جن کے بارے میں خود امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ اگر میں ان کا امتحان لوں۔ تو زبرے مرتد نکلیں گے۔ اور اگر ان کا نچوڑ پیش کروں تو ہزاروں میں سے ایک بھی مخلص نہ ملے گا۔ یعنی زبانی جمع خرچ کرنے والے تو بہت ہیں۔ جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ملیں گے۔ لیکن جن میں ارتداد نہیں۔ اور جو اخلاص سے معمور ہیں۔ وہ تین سو تیرہ بھی نہیں ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے۔ تو پھر یہ ماننا پڑے گا۔ کہ امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھوٹ بولا۔ اور جو جھوٹ کی نسبت شیعہ ہو کر اُن کی طرف کرے گا۔ وہ بھلا شیعہ کاہے کا رہا؟

ان حوالہ جات سے ماخوذ امور سے صاف ظاہر کہ "فقہ جعفریہ" کا دارومدار ان احادیث پر ہے۔ جو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہی نہیں، اور ان کی روایت کرنے والے ہرگز امام موصوف کے ہاں قابل اعتبار لوگ نہ تھے۔ یہ سراسر من گھڑت ہیں۔ اور کذب بیانی سے کام لے کر اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے ان کو امام صاحب سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی صاحب نظر و عقل مذکورہ حوالہ جات کو غیر جانبداری سے ملاحظہ کرے۔ تو وہ یقیناً یہی نتیجہ نکالے گا۔ کہ "فقہ جعفریہ"، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات و احادیث کے

مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک صرف ایک آدمی قابل اعتبار تھا۔ اس کے علاوہ کسی کو آپ نے اپنا دین بتایا ہی نہیں۔ اور بقول خود نو حصے "تقیہ" میں گزارے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

"فقہ جعفریہ" کے بے اصل ہونے کی تیسری دلیل

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ دین چھپانے کی تاکید کرتے رہے۔ اور اسے ظاہر کرنے والے کو اپنا قائل تک فرماتے تھے

اصول کافی

عَنْ مُعَلّٰی بِنْ خُنَیْسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامِ یَا مُعَلّٰی اُکْتُمْ اَمْرَنَا وَلَا تُذِعْہُ فَاِنَّہٗ مَنْ کَتَمَ اَمْرَنَا وَلَمْ یُذِعْہُ اَعَزَّہُ اللّٰہُ بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَجَعَلَہٗ نُوْرًا بَیْنَ عَیْنَیْہِ فِی الْاٰخِرَۃِ وَجَعَلَہٗ ظُلْمَۃً تَقُوْدُہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ

يَامُعَلّٰى مَنْ اَذَاعَ اَمْرَنَا وَلَمْ يَكْتُمْهُ اَذَلَّهُ اللّٰهُ بِهٖ فِى الدُّنْيَا وَنَزَعَ النُّوْرَ مِنْ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فِى الْاٰخِرَةِ وَجَعَلَهٗ ظُلْمَةً تَقُوْدُهٗ اِلَى النَّارِ يَامُعَلّٰى اِنَّ التَّقِيَّةَ مِنْ دِيْنِىْ وَدِيْنِ اٰبَائِىْ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهٗ يَامُعَلّٰى اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُعْبَدَ فِى السِّرِّ كَمَا يُحِبُّ اَنْ يُعْبَدَ فِى الْعَلَانِيَةِ يَامُعَلّٰى اِنَّ الْمُذِيْعَ لِاَمْرِنَا كَالْجَاحِدِ لَهٗ۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۲۳
کتاب الایمان و الکفر مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ:

فرمایا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اے معلّٰی ہمارے امر کو چھپاؤ۔ اور ظاہر نہ کرو۔ جو ہمارے امر کو چھپائے گا اور ظاہر نہ کرے گا تو اللہ اس کو دنیا میں عزت دے گا۔ اور آخرت میں اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور ہو گا جو اُسے جنت کی طرف لے جائے گا۔ اور اے معلّٰی جو ہمارے امر کو ظاہر کرے گا۔ اور نہیں چھپائے گا۔ تو خدا اُسے دنیا میں ذلیل کرے گا۔ اور آخرت میں اُس کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے نور کو کھینچ لے گا۔ اور تاریکی اُسے کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جائے گی۔ اے معلّٰی تقیہ میرا اور میرے آباء کا دین ہے۔

جس کے لیے تقیہ نہیں اس کے لیے دین نہیں۔ اے معلّی اللہ پوشیدہ عبادت کو اسی طرح دوست رکھتا ہے۔ جیسے ظاہر عبادت کو۔ اے معلّی ہمارے امر کو ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے ہمارے حق کا انکار کرنے والا۔

اصول کافی

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامِ یَا سُلَیْمَانُ اِنَّکُمْ عَلٰی دِیْنٍ مَنْ کَتَمَ اَعَزَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَذَاعَہُ اَذَلَّہُ اللّٰہُ۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۲۲)

ترجمہ:

فرمایا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اے سلیمان تم اس دین پر ہو کہ جس نے اس کو چھپایا اللہ نے اس کی عزت دی اور جس نے اس کو ظاہر کیا۔ اللہ نے اس کو ذلیل کیا۔

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص۲۲۵
مطبوعہ کراچی)

جامع الاخبار:

قَالَ الصَّادِقُ (عَلَیْہِ السَّلَامُ) مَنْ اَذَاعَ عَلَیْنَا شَیْئًا مِنْ اَمْرِنَا فَھُوَ کَمَنْ قَتَلَنَا عَمْدًا وَلَمْ

يَقْتُلْنَا خَطَاءً۔

(جامع الاخبار ص ۱۰۸/ الفصل الثالث
والاربعون فی التقیہ
مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جس نے ہمارے امر میں سے کسی امر کی اشاعت کی۔ اور اُس کو ظاہر کر دیا۔ تو وہ اس شخص کی طرح ہے۔ جس نے ہمیں جان بوجھ کر قتل کیا۔ اور بھول کر یا غلطی سے قتل نہ کیا۔

اصول کافی

قَالَ اَبُوْجَعْفَرٍ وَلَايَةُ اللّٰهِ اَسَرَّهَا اِلٰى جِبْرَئِيْلَ وَاَسَرَّهَا جِبْرَئِيْلُ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَّهَا مُحَمَّدٌ اِلٰى عَلِيٍّ وَاَسَرَّهَا عَلِيٌّ اِلٰى مَنْ شَاءَ ثُمَّ اَنْتُمْ تُذِيْعُوْنَ ذَالِكَ۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۲۴)

ترجمہ:

امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ولایت کا راز جبرئیل کو بتایا۔ اور پھر جبرئیل علیہ السلام نے یہ راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی راز حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد کیا۔ اور انہوں نے جسے چاہا۔ اُسے عطا

کر دیا۔ پھر تم لوگ اس رازولائیت کی اشاعت کر رہے ہو۔ اور اسے ظاہر کر رہے ہو۔

لمحہ فکریہ

قارئین کرام! حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے معلّی نامی شخص کو جو کچھ فرمایا۔ آپ وہ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یعنی آپ کے دین کو چھپانا باعث عزت اور بروز حشر آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور اس کی اشاعت و اظہار سبب ذلت اور کل قیامت کو نور چھن جانے کا ذریعہ ہے۔ وہ جہنمی ہے۔ اور ہمارا قصداً قاتل ہے۔ ان امور کو سامنے رکھتے ہوئے ہر وہ شخص کہ جس کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عقیدت اور محبت ہو گی۔ اور یہ چاہتا ہو گا۔ کہ میں دنیا و آخرت میں ذلیل و بے نور ہونے کی بجائے باعزت اور نور والا بنوں اور امام کے عمداً قتل کے گناہ سے بچوں۔ وہ کبھی بھی امام صاحب کی حدیث کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے گا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ امام صاحب کے ارشاداتِ مذکورہ کا منکر اور وقت کو ضائع کرنے والا ہوتے ہوئے دوزخی بننا گوارا کیسے کرے گا۔ بلکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایک اور فرمان کو اگر مدِنظر رکھا جائے

اصول کافی

كَانَ اَبِيْ يَقُوْلُ اَيُّ شَيْءٍ اَقَرُّ لِعَيْنِيْ، مِنَ التَّقِيَّةِ۔

(اصول کافی جلد دوم ص ۲۲۰)

ترجمہ: میرے والد فرماتے ہیں۔ کہ دین کو چھپانے (تقیہ کرنے) سے بڑھ کر میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور کون سی چیز ہو سکتی ہے (۱) کو اگر نظر دکھا جائے تو امام جعفر صادق کی آنکھ کو سوائے تقیہ کے کسی اور چیز سے ٹھنڈا نہیں کیا جا سکتا۔

ان حالات میں امام باقر اور امام جعفر کے ارشادات و احادیث کو ظاہر کرنا گویا ان کی آنکھوں میں آگ ڈال کر جلانے کے مترادف ہے۔ تو ایسا وہی کرے گا۔ جو ان کا دشمن ہو گا۔ ورنہ ایک محب کی اوّل و آخر یہی کوشش ہو گی۔ کہ وہ ایسا کام کرے گا۔ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور اپنی زندگی اور آخرت باعزت بنائے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے نہ تو زبانی کسی کو کھلم کھلا اپنے مذہب کی اشاعت کا حکم دیا۔ اور نہ ہی تحریری طور پر کسی کو آپنے کچھ عطا فرمایا۔ اور نہ ہی اور کسی طریقہ سے اپنے مذہب کو پھیلانے کی اجازت دی۔ اس صورت حال کے پیش نظر اب بھی اگر کوئی یہ کہے۔ کہ "فقہ جعفریہ" امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور ان کے والد امام باقر رضی اللہ عنہما کی احادیث اور اقوال کا نام ہے تو اس سے بڑھ کر بے وقوف اور کون ہو گا۔

ہو سکتا ہے۔ کہ آپکے ذہن میں یہ بات آتی ہو۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنی احادیث اور اپنے ارشادات و اقوال کی اشاعت سے ایک مخصوص مدت تک روکا ہو۔ اس کے بعد اس کی اشاعت کی اجازت دے دی گئی ہو۔ اور پھر اشاعت کی اجازت ہونے کے بعد "فقہ جعفریہ" کی تدوین و ترتیب وجود میں آئی ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خود امام صاحب موصوف نے ایک اور ارشاد میں اس امر کی وضاحت کر دی ہے۔ کہ دین کا چھپانا کب تک ہو گا۔ فرماتے ہیں۔

مَنْ تَرَكَ تَقِيَّةً قَبْلَ خُرُوْجِ قَائِمِنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ جس نے

تقیہ (دین کو چھپانا) امام قائم کے خروج سے پہلے چھوڑ دیا۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے (بحوالہ جامع الاخبار فصل ۴۲ ص ۱۰۸) اور یہ بات واضح ہے۔ کہ آج تک امام قائم کا ظہور نہیں ہوا۔ اس لیے امام جعفر کے ارشاد کے مطابق آج بھی دین ظاہر کرنا اُسی طرح کا ظلم ہے۔ جس طرح آپ کے دور میں تھا۔ اور آج بھی فقہ جعفریہ کو ظاہر کرنے والا امام صاحب کا عمداً قاتل ہے۔ اور جو عمداً امام صاحب کا قاتل ہو۔ اس کے دوزخی اور بے ایمان ہونے میں کسے شک ہو سکتا ہے۔ ایسے قاتلانِ امام جعفر دوزخیوں، بے غیرتوں اور کالے منہ والوں نے خود ساختہ دین کو "فقہ جعفریہ" کا نام دے کر لوگوں کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کی کوشش ہے۔ ان شواہد و واقعات سے بالکل ظاہر ہے کہ "فقہ جعفریہ" حضرت امام باقر اور امام جعفر رضی اللہ عنہما کی طرف دھوکہ دینے کے لیے منسوب کی گئی ہے۔ اور اس فقہ کے نام سے جو روایات ان ائمہ سے مروی ہیں۔ وہ اِن کی نہیں بلکہ کسی نے گھر بیٹھ کر تراشی ہیں۔ "فقہ جعفریہ" ہرگز ہرگز ان ائمہ اہل بیت کی نہیں ہے۔ یہ ایک خانہ ساز فقہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارْ

گزشتہ اوراق میں شیعہ کتب کے حوالہ جات سے آپ یہ بات ملاحظہ کرچکے ہیں۔ کہ امام جعفر صادق اور امام باقر رضی اللہ عنہما سے جن لوگوں نے احادیث کی روایت کی۔ وہ ثابت نہیں۔ بلکہ ان حضرات نے ان راویوں کو کوئی حدیث سنائی یا بتلائی ہی نہیں۔ صرف ایک آدمی پر امام صاحب کو اعتماد تھا۔ اُسے بتلاتے رہے۔ لیکن اُن روایات میں بھی "یار لوگوں" نے گھپلے کئے۔ اور ان میں بھی اِدھر اُدھر کی اپنی باتیں درج کردیں۔ یہاں تک کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اپنے دور میں ہی اس کا علم ہوگیا۔ اور آپ نے اس سلسلہ میں فرمایا۔

رجال کشی

حَدَّثَنِيْ هِشَامُ بْنُ الْحَكَمِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ (ع) يَقُوْلُ لَا تَقْبَلُوْا عَلَيْنَا حَدِيْثًا اِلَّا مَا وَافَقَ الْقُرْاٰنَ اَوِ السُّنَّةَ اَوْ تَجِدُوْنَ مَعَهُ شَاهِدًا مِنْ اَحَادِيْثِنَا الْمُتَقَدِّمَةِ فَاِنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ سَعِيْدٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ دَسَّ فِيْ كُتُبِ اَصْحَابِ اَبِيْ اَحَادِيْثَ

لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا اَبِيْ۔

(رجال کشی ص ۱۹۵ ذکر مغیرہ بن سعید
مطبوعہ کربلا)

ترجمہ:

ہشام بن حکم نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو فرماتے سُنا۔ کہ ہماری کسی حدیث کو اس وقت تک قبول نہ کرو۔ جب تک وُہ قرآن یا سنت کے موافق نہ ہو۔ یا اس کی تائید کی گواہی ہماری پہلی احادیث نہ کرتی ہوں۔ کیونکہ یہ بات پکی ہے۔ کہ مغیرہ بن سعید لعنتی نے میرے والد امام باقر رضی اللہ عنہ کے اصحاب کی کتابوں میں ایسی بہت سے احادیث گھسیڑ دی ہیں۔ جو میرے والد نے بیان نہیں فرمائیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا معتمد صرف ایک شخص تھا۔ جس کا نام عبداللہ بن یعفور ہے۔ اور یہ بات اصول حدیث کا ہر ایک طالب علم جانتا ہے کہ صرف ایک آدمی کی روایت سے حدیث متواتر یا مشہور کا درجہ نہیں پاتی۔ لہٰذا جو روایاتِ ابن یعفور کے واسطے سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ سراسر خبر واحد کے ضمن میں آئیں گی۔ اب خبر واحد میں بھی جب مغیرہ بن سعید جیسے ملعونوں نے کمی بیشی کر دی۔ تو پھر ان پر عمل کرنا ہرگز لازم نہ رہا۔ اسی لیے امام نے فرمایا۔ کہ مجھ سے مروی احادیث کو قرآن و سنت پر پیش کرو۔ اگر موافق ہوں۔ تو بہتر ورنہ چھوڑ دو۔ روایت بالا میں تو امام صاحب نے کتاب اللہ کے بعد سنت اور پھر اپنی احادیث متقدمہ پر پیش کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن ان کی طرف سے وہ احادیث جو متقدمہ کے

ضمن میں آتی ہیں۔ وہ بھی تو فرد واحد سے مروی ہیں۔ اور ان میں بھی دخل اندازی ہو چکی تھی۔ اس حقیقت کے پیش نظر آپ نے ایک مقام پر دو ٹوک طریقہ سے صرف قرآن کریم پر پیش کرنے کا حکم دیا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

الامالی شیخ صدوق

عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ اَلسَّكُوْنِيِّ عَنِ الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ (ع) عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ (ع) اِنَّ عَلٰى كُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً وَعَلٰى كُلِّ صَوَابٍ نُوْرٌ فَمَا وَافَقَ كِتَابَ اللّٰهِ فَخُذُوْهُ وَمَا خَالَفَ كِتَابَ اللّٰهِ فَدَعُوْهُ ......

(الامالی شیخ صدوق المجلس التاسع وخمسون
ص ۲۲۱ مطبوعہ قم)

ترجمہ:

اسماعیل بن مسلم السکونی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ان کے والد وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ہر حق پر حقیقت اور ہر صواب پر نور ہے۔ لہٰذا ہماری ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اس پر عمل کرو۔ اور جو اس کے مخالف ہو۔ اُسے چھوڑ دو۔

اب جبکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی احادیث میں من گھڑت باتوں کے اضافہ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے۔ کہ ان حضرات کی مرویات

کو قرآن کریم پر پیش کیا جائے۔ اگر موافقت ہو جائے تو بہتر ورنہ قرآن پر عمل کرو اور ان سے مروی احادیث کو چھوڑ دو۔ اب حیران کن مرحلہ آن پہنچا ہے۔ کہ ایک طرف ائمہ اہل بیت اپنی مرویات کی پرکھ کے لیے قرآن کریم کا راستہ دکھاتے نظر آتے ہیں۔ اور دوسری طرف انہی حضرات کی زبانی دو ٹوک ایسی روایات کتب شیعہ میں بکثرت موجود ہیں۔ کہ موجودہ قرآن "نامکمل اور محرّف،، ہے اس کی تفصیل "تحریف قرآن،، کے موضوع میں آپ عقائد جعفریہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ صرف ایک دو حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

انوار نعمانیہ

اِنَّہٗ قَدْ اِسْتَفَاضَ فِی الْاَخْبَارِ اَنَّ الْقُرْاٰنَ کَمَا اُنْزِلَ لَمْ یُؤَلِّفْہُ اِلَّا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِوَصِیَّۃٍ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَقِیَ بَعْدَ مَوْتِہٖ سِتَّۃَ اَشْھُرٍ مُشْتَغِلًا بِجَمْعِہٖ فَلَمَّا جَمَعَہٗ کَمَا اُنْزِلَ اَتٰی بِہٖ اِلَی الْمُتَخَلِّفِیْنَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَھُمْ ھٰذَا کِتَابُ اللّٰہِ کَمَا اُنْزِلَ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا حَاجَۃَ لَنَا اِلَیْکَ وَلَا اِلٰی قُرْاٰنِکَ عِنْدَنَا قُرْاٰنٌ کَتَبَہٗ عُثْمَانُ فَقَالَ لَھُمْ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَنْ تَرَوْہُ بَعْدَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَلَا یَرَاہُ اَحَدٌ حَتّٰی یَظْھَرَ وَلَدِیَ الْمَھْدِیْ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَفِیْ ذَالِکَ الْقُرْاٰنِ زِیَادَاتٌ کَثِیْرَۃٌ وَھُوَ خَالٍ مِنَ التَّحْرِیْفِ۔

(انوار نعمانیہ ص ۳۶۰ نور فی الصلوۃ جلد ۲ مطبوعہ تبریز طبع جدید (ص ۲۳۶ طبع قدیم قلمی)

ترجمہ:

بہت سی اخبار مستفیض اس بارے میں ہیں۔ کہ قرآن کریم جس طرح آتارا گیا اس طرح (مکمل طور پر) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے جمع نہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وہ قرآن کریم جمع کرنے کی وصیت فرما کر انتقال فرما گئے۔ تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے انتقال کے بعد چھ مہینے متواتر اس کے جمع کرنے میں مشغول رہے جب آپ نے اُس ترتیب اور تعداد پر جمع کر لیا۔ جس پر قرآن اُترا تھا تو جمع شدہ نسخہ لے کر آپ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد خواہ مخواہ خلیفہ بن گئے تھے۔ آپ نے انہیں کہا کہ یہ جمع شدہ قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے جو جیسا اترا ویسا ہی اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بولے۔ اے علی! نہ ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ اور نہ تمہارے جمع کردہ قرآن کی۔ ہمارے پاس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جمع کردہ قرآن موجود ہے۔ یہ سُن کر حضرت علی المرتضیٰ بولے۔ اچھا اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم آج کے بعد اس (یعنی میرے جمع کردہ) قرآن کو نہ دیکھ پاؤ گے۔ اور نہ کوئی دوسرا اسے دیکھ سکے گا۔ ہاں جب میرے بیٹے مہدی کا ظہور ہو گا۔ تو پھر دیکھا جا سکے گا۔ اُس قرآن میں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا۔ بکثرت ایسی آیات تھیں۔ جو موجودہ قرآن میں نہیں۔ اسی لیے وہ تحریف سے خالی تھا۔ (اور اس میں تحریف ہے)

انوارنعمانیہ

إِنَّ تَسْلِيْمَ تَوَاتُرِهَا عَنِ الْوَحْيِ الْإِلٰهِيِّ وَكَوْنَ الْكُلِّ قَدْ نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِيْنُ يُفْضِي إِلَى طَرْحِ الْأَخْبَارِ الْمُسْتَفِيْضَةِ بَلِ الْمُتَوَاتِرَةِ الدَّالَّةِ بِصَرِيْحِهَا عَلَى وُقُوْعِ التَّحْرِيْفِ فِي الْقُرْآنِ كَلَامًا وَمَادَّةً وَإِعْرَابًا۔

انوار نعمانیہ جلد دوم ص ۳۵۷ نور فی الصلوۃ
مطبوعہ تبریز طبع جدید۔)
(طبع قدیم قلمی نسخہ ص ۲۳۶)

ترجمہ:
اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ موجود قرآن کریم متواتر اسی طرح مکمل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحی آتی رہی۔ اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صرف اتنا ہی حضرت جبرئیل امین سے کر آئے تھے۔ تو پھر ان اخبار کو پھینکنا پڑے گا۔ جو صراحت کے ساتھ اس میں تحریف کے وقوع کی نشاندہی کرتی ہیں۔ حالانکہ ایسی اخبار مشہور ہیں۔ بلکہ متواتر ہیں۔ اور ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ موجود قرآن از روئے کلام، مادہ اور اعراب کے تحریف شدہ ہے:

لمحہ فکریہ:
قارئین کرام! ہر مکتبہ فکر کی فقہ کا ماخذ قرآن کریم بالاتفاق ہے۔ اور

پھر سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع وغیرہ۔ اسی طرح شیعہ فقہ بھی قرآن کریم اور احادیث ائمہ اہل بیت سے ماخوذ اور مستنبط ہے۔ جب ہم ان دونوں ماخذوں کو دیکھتے ہیں۔ تو نہ قرآن قابل استنباط اور نہ احادیث ائمہ، قابل اعتبار۔ کیونکہ ائمہ اہل بیت نے اپنی احادیث میں موضوع احادیث کی بہتات کی وجہ سے آنکھ بند کر کے قبول کرنے سے منع کر دیا۔ اور ہدایت کی کہ ہماری احادیث کو قرآن پر پیش کر کے صحیح اور غلط کا امتیاز کر لینا۔ جو موافق ہو وہ صحیح اور جو ناموافق وہ غیر صحیح۔ اب جب اس طریقہ پر عمل کرنے کے لیے قرآن کریم کی طرف رُخ کیا۔ تو انہی ائمہ کی روایات نے موجود قرآن کو محرّف اور نامکمل کہہ دیا۔ اور غیر محرّف و مکمل قرآن جو حضرت علی نے جمع کیا تھا۔ وہ تھا لیکن وہ اس وقت سے آج تک بلکہ امام مہدی کے ظہور تک کسی کو دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اب ان کی احادیث کی جانچ پڑتال کے لیے انہیں کہاں پیش کریں۔ قرآن محرف ہے۔ اس لیے وہ خود ناقابل یقین، احادیث میں من گھڑت روایتیں بکثرت لہٰذا وہ نامقبول۔ جب موجود قرآن اور روایات ائمہ اہل بیت دونوں ہاتھ سے گئے۔ تو پھر "فقہ جعفریہ"، کن بیساکھیوں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔؟ وہ بیساکھیاں اور ستون ان کے نام نہاد آیت اللہ، مجتہد، اور حجۃ الاسلام ہیں۔ جن سے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اور ان پر لعنت کی۔

فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ

اہل تشیع یہ کہتے ہیں۔ کہ جو لوگ فقہ جعفریہ کے ستون ہیں۔ (ابو بصیر، زرارہ محمد بن مسلم، برید بن معاویہ وغیرہ) ان حضرات پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے لعنت کی۔ لیکن وہ بطور تقیہ تھی۔ اسی طرح آپ نے جو اپنا دین چھپانے کی ہدایات دی تھیں۔ وہ بھی از روئے تقیہ تھیں۔ اس لیے اگر تقیہ سے ہٹ کر دیکھا جائے۔ تو یہ چاروں بانیانِ فقہ جعفریہ تو ملعون تھے۔ اور نہ ہی امام جعفر کی احادیث کی روایت کرنا جائز تھا۔ اس لیے ان حضرات نے امام موصوف سے جو روایات بیان کیں۔ وہ "فقہ جعفریہ" کی اصل بن سکتی ہیں اس لیے فقہ جعفریہ "بے اصل" نہیں۔ اہل تشیع نے اس طرح اپنی فقہ کو صحیح اور درست ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور چار ستونوں کو دیمک سے بچانے کا فرض ادا کر دیا۔ لیکن ہم ان کی اس کوشش کو فریب اور دھوکہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کی دو وجوہات پیش خدمت ہیں۔

☆

اوّل:

اس بات پر تمام کتب اہل تشیع یک زبان ہیں۔ کہ وہ فقہ جعفریہ" کا وجود امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے۔ اور ان دونوں کی طرف اس کی نسبت اس لیے ہے۔ کہ ان کے دور میں بنو امیہ اور بنو عباس باہم برسرپیکار تھے۔ جس کی وجہ سے ان حضرات کو اپنا مقصد پھیلانے اور اپنی فقہ کی اشاعت کا موقعہ مل گیا۔ اور اعلانیہ اس کا پرچار ہوا۔ جیسا کہ اصل واصول شیعہ میں "عہد زرّیں" کے عنوان سے اس امر کی تفصیل موجود ہے۔ اس کی کچھ سطور آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اصل واصول شیعہ مترجم

"صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نسبتاً کافی موافق تھا۔ کیونکہ اموی اور عباسی طاقتیں تھک چکی تھیں۔ اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ علانیہ ظلم کے موانع جاتے رہے تھے۔ بنا برایں دبی ہوئی صداقتیں اور چھپی ہوئی حقیقتیں سورج کی طرح اُبھریں۔ اور روشنی کی طرح پھیل گئیں۔ خوف وخطر کے باعث جو لوگ تقیہ میں تھے وہ بھی کھل گئے۔ فضا موافق تھی۔ اور راہیں ہموار۔ امام عالی مقام نے تبلیغ وتلقین میں رات دن ایک کر دیئے۔ ہاں تبلیغ وتلقین کا وہ سلسلہ جس کا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے تھا۔ درس حق عام ہوا۔ اور لوگ جوق درجوق مذہب جعفری قبول کرنے لگے اس عہد کو تشیع کی نشر واشاعت کا زرّیں دور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قبل ازیں اس کثرت سے اور کھلم کھلا مسلمانوں نے شیعیت کی جانب رجوع نہیں کیا تھا۔

دریائے فیض جاری تھا تشنگانِ معرفت خود بھی سیراب ہوتے تھے۔ اور دوسروں کی پیاس بھی بجھاتے تھے۔ بقول الوالحسن وشاء "میں نے اپنی آنکھوں سے مسجد کوفہ میں چار ہزار علماء کا مجمع دیکھا ہے۔ اور سب کو یہ کہتے سنا۔ کہ "حدثنی جعفر ابن محمد"، یعنی یہ روایت مجھ سے جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے۔"

(اصل واصول شیعہ مترجم ص ۵۳ مطبوعہ رضا کار بک ڈپو لاہور)

الشافی:

پانچواں دور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا تھا۔ چونکہ اللہ کو اپنے رسول کی تعلیم کو تا قیامت باقی رکھنا منظور تھا۔ لہٰذا اس نے یہ بندوبست کیا کہ اہل بیت سے عناد رکھنے والوں کو باہم دست و گریبان کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب بنی امیہ کے ایوانِ حکومت میں زلزلہ آ رہا تھا۔ اور بنی عباس اپنی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اصولِ اقتدار کی جدوجہد میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ ہر ایک کو اپنی پگڑی بھی سنبھالنا دشوار تھا۔ لہٰذا عداوتِ اہل بیت کی تلوار کچھ دنوں کے لیے نیام میں چلی گئی۔ اور اپنی فکر نے فریقین کو مابین ہمامین کی طرف سے غافل کر دیا۔ ہمارے دونوں اماموں کو اس وقفہ میں اتنا موقع مل گیا۔ کہ مسجد رسول میں درس کا آغاز کر دیا۔ لوگ موضوعہ احادیث سُنتے سُنتے اُکتا گئے تھے۔ قرآن کریم کے صحیح مفہوم کا پتہ نہ چلا سکتے تھے۔ مسائل فقہیہ اپنے اصل سے ہٹ کر کچھ سے کچھ ہو گئے تھے۔ لوگوں کی ترستی ہوئی نگاہیں امام محمد باقر علیہ السلام

پڑھیں۔ اور جوق در جوق لوگ اس مقدس درس میں شریک ہونے کے لیے دُور دُور سے آنے لگے۔ قلمدان کھُل گئے۔ اور امام کی زبان سے احادیث صحیحہ سُن کر ضبط تحریر میں لانے لگے۔ یہ احادیث لکھنے والے چار ہزار سے زائد اہل فضل و کمال تھے۔ اسلامی حکومت کا کوئی شہر کوئی قصبہ ایسا نہ رہا جہاں کے لوگ اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے ہوں۔

(دیباچہ الشافی ترجمہ فروع الکافی جلد اوّل
تصنیف سید ظفر حسن مطبوعہ شمیم بکڈپو کراچی)

لمحہ فکریہ:

اصل اصول شیعہ اور الشافی کی دو مقامات سے تحریریں آپ نے ملاحظہ کیں۔ دونوں متفقہ طور پر یہی کہہ رہے ہیں۔ کہ امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کا زمانہ شیعیت کی تبلیغ و تشہیر کا زریں زمانہ تھا۔ اس دور میں تقیہ رخصت ہو چکا تھا۔ اور ایک وقت میں چار ہزار علماء مسجد نبوی میں موجود امام جعفر کی احادیث سننے اور انہیں تحریر کرنے میں مصروف تھے۔ اسی دور میں امام جعفر صادق وغیرہ نے زرارہ، ابو بصیر اور محمد بن مسلم پر لعنتیں بھیجیں کیا امام موصوف نے بطور تقیہ ایسا کیا تھا؟ جب کہ تقیہ کرنے والے بھی تقیہ چھوڑ کر کھلم کھلا سامنے آچکے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ ان چاروں ستونوں پر امام موصوف کی لعنت کسی اور وجہ سے تھی۔ تقیہ کا بہانہ یہاں نہیں چلے گا ہاں اسی تاریخی حقیقت کے پیش نظر کچھ روباہ طبع لوگوں نے ان پر لعنت کے بارے میں یہ اختراع کی۔ کہ آپ نے ان پر لعن طعن اس لیے کیا۔ تاکہ لوگوں کو ان کے متعلق بدگمانی نہ ہونے پائے۔ اور "جعفری" سمجھ کر انہیں

قتل کر دیں۔ امام صاحب کو ان چاروں ستونوں کے بارے میں قتل کا اس قدر خیال تھا۔ اور ان کو چھپانے کی خاطر لعنت تک بھیجتے رہے۔ تو اُن چار ہزار علماء کو کیوں کر یہ خطرہ درپیش نہ تھا۔ آخر وہ بھی امام جعفر سے احادیث سنتے اور تحریر کر رہے تھے۔ اگر اس دور میں "جعفری"، ہونا جان لیوا تھا۔ تو پھر مسجد نبوی میں کھلم کھلا چار ہزار علماء کا جم غفیر کیا معنی رکھتا ہے؟ ایک طرف تو امام صاحب رضی اللہ عنہ سے چاروں کی تعریف کے پُل پُل باندھے جا رہے ہیں۔ کہ اگر یہ سو رہے نہ ہوتے۔ تو آثار نبوت مٹ جاتے۔ اور ادھر ان میں سے ایک یعنی جناب زرارہ علیہ، علیہ کی لن ترانیاں ملاحظہ ہوں۔

رجال کشی

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ وَاللهِ لَوْحَدَّثْتُ بِكُلِّ مَا سَمِعْتُهُ مِنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ (ع) لَا نْتَفَخَتْ ذُكُوْرُ الرِّجَالِ عَنِ الْخَشَبِ۔

(رجال کشی ص ۱۲۳)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ تمام باتیں جو میں نے امام جعفر صادق سے سُنیں تم سے بیان کر دوں۔ تو مردوں کے آلاتِ تناسل پھُول کر لکڑی کی طرح موٹے اور سخت ہو جائیں گے"، اور پھر یہی زرارہ امام موصوف کو نفس پرست اور عیّاش تک کہہ چکا ہے جس پر حوالہ جات گزر چکے ہیں۔ ایسے پلید اور گستاخ کو بچانے کی امام صاحب کو کیا فکر تھی۔

لہٰذا یہ چالاکی بھی نہیں چلے گی۔ کہ امام جعفر نے ان چاروں کو ملعون اس لیے کہا۔ کہ ان کی جانیں محفوظ رہیں۔ اور لوگ انہیں میرا سمجھ کر کہیں قتل نہ کر دیں۔

مقام تعجب:

اہل تشیع کے ایک مجتہد کبیر علامہ مامقانی نے رجال کشی میں درج بالا عبارت پر اجتہادی کمالات دکھاتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ "ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا" کا مصداق نظر آتا ہے۔ مامقانی لکھتا ہے۔ کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زرارہ کو امام صاحب کے محرم راز اور مقرب خاص کا مرتبہ حاصل تھا۔ یعنی امام صاحب رضی اللہ عنہ واقعی زرارہ کو ایسی باتیں بتلایا کرتے تھے۔ جن کو زرارہ اگر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا۔ تو اُن کے آلات تناسل لکڑی بن جاتے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

مختصر یہ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے نہ تو ان پر لعنت بطور تقیہ کی اور نہ ان کی جانیں بچانے کے لیے۔ بلکہ ان کی گستاخیوں اور علمی بددیانتی وخیانت کی بنا پر ایسا ہوا۔ کیونکہ ان لوگوں نے امام موصوف کے والد گرامی کے اصحاب کی کتب میں بہت سی ایسی احادیث داخل کر دی تھیں۔ جو انہوں نے بیان ہی نہ فرمائی تھیں۔ اور اسی وجہ سے آپ کو یہ فرمانا پڑا۔ کہ ہماری احادیث میں بکثرت گڑبڑ کر دی گئی ہے۔ لہٰذا ان پر عمل کرنا چاہو تو ان کی صحت وعدم صحت کو یوں معلوم کرنا کہ جو ہماری احادیث قرآن کریم کے موافق ہوں۔ وہ سمجھنا ہماری ہیں۔ اور جو اس کے خلاف جائیں۔ وہ ان ملعونوں کی سازش۔ انہیں چھوڑ دینا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان پر لعنتیں ان کے کرتوتوں کی بنا پر بھیجیں۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ)

دوم :۔

اہل تشیع امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے جو زرارہ وغیرہ پر لعنت بھیجی، اسے تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور ان چار ستونوں کو وہ امام صاحب کے سچے پکے معتقد کہتے ہیں۔ یا یُوں کہہ لیا جائے۔ کہ امام صاحب نے اپنے صحیح معتقدین پر خلافِ شرع لعنت بھیجی۔ تاکہ ان کی جانیں بچائی جا سکیں۔ یعنی امام صاحب کو ان کی جان بچانے کے لیے لعنت کرنا پڑی۔ اب ہم اس بہانہ پر یہ پوچھ سکتے ہیں۔ کہ یہاں تو امام جعفر کو اپنی جان کی بجائے زرارہ وغیرہ کی جانوں کا خطرہ تھا۔ تو آپ نے تقیہ کیا۔ لیکن وہاں امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی اور اپنے بہتّر ساتھیوں کی جان کا سوال تھا۔ بطور تقیہ وہ صرف اتنا کہہ دیتے۔ کہ میں نے یزید کی بیعت کر لی۔ تو یہ سب جانیں بچ جاتیں۔ اس قدر شدید ضرورت کے ہوتے ہوئے۔ انہوں نے تقیہ نہ کیا۔ اور ایک جھوٹا کلمہ زبان پر لانا گوارا نہ کیا اگر شریعت میں تقیہ کا وجود [illegible] سے بڑھ کر اس کی کسے ضرورت تھی۔ اور پھر اس پر اہل تشیع بڑے فخر سے لکھتے اور عقیدہ رکھتے ہیں۔ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا تَقِیَّۃَ لَہٗ۔ جس کے پاس تقیہ نہیں وہ بے دین ہے۔ خدا لگتی کہنا یہ کیسا مذہب ہے۔ جو امام حسین رضی اللہ عنہ کو بے دین اور زرارہ وغیرہ کو پکا مومن بنانے پر تلا ہوا ہے۔ یہ حضرات ائمہ اہل بیت کی انتہا درجہ کی توہین بھی کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے محبّ بھی کہلانے میں شرم محسوس

نہیں کرتے۔ تقیہ کے متعلق روضہ کافی سے ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

روضۃ الکافی

فَقَالَ لَهُ يَزِيْدُ اِنْ لَمْ تُقِرَّ لِيْ وَاللّٰهِ قَتَلْتُكَ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ لَيْسَ قَتْلُكَ اِيَّايَ بِاَعْظَمَ مِنْ قَتْلِكَ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُتِلَ ....

(روضۃ الکافی ص ۲۳۵ جلد ۸ مطبوعہ تہران طبع جدید حدیث یزید لعنہ اللہ مع علی ابن حسین)

ترجمہ:

(یزید جب مدینہ منورہ آیا۔ یہ واقعہ شہادت امام حسین کے بعد کا ہے تو اس نے ایک قریشی کو طلب کر کے کہا۔ تم میرا غلام بننا پسند کرتے ہو۔؟ پھر میں تمہیں بیچوں یا اپنے پاس رکھوں۔ قریشی بولا خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔ کیونکہ تیرے باپ اور تجھ سے میں افضل ہوں۔) اس پر یزید کہنے لگا۔ اگر میری غلامی کا اقرار نہیں کرتے ہو۔ تو تجھے قتل ہونا پڑے گا۔ قریشی مرد بولا۔ تیرا مجھے قتل کر دینا اتنا بڑا نہیں جتنا تو نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔ وہ علی کے فرزند اور رسول اللہ کے نواسے تھے۔ یہ سن کر یزید نے اُسے قتل کروا دیا۔

قارئین کرام! ایک عام آدمی اپنی جان کے مقابلہ میں تقیہ کے طور پر یزید کی غلامی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ جان دے دیتا ہے۔ لیکن غلط بات نہیں کہتا۔ اور ادھر شیعہ لوگ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی لعنت بھیجنے کو تقیہ پر محمول کر رہے ہیں۔ کیا یہ امام سے محبت و عقیدت کا اظہار ہو رہا ہے۔ کہ انہیں ایک عام آدمی جتنا بھی مستقل علی الدین نہیں سمجھا جاتا؟ اور پھر ان کی یاوہ گوئی کا یہ عالم ہے۔ کہ واقعہ مذکورہ کے ساتھ ہی امام زین العابدین کے بارے میں یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے یزید کے اس مطالبہ کے جواب میں اپنے آپ کو اس کی غلامی میں دینے کا اقرار کر لیا تھا۔ خدا کی قسم! ان لوگوں کو حضرات اہل بیت سے نہ جانے کب کی دشمنی ہے۔ ان کے بارے میں ایسی ایسی باتیں لکھتے اور کہتے ہیں۔ جو اپنے بارے میں کہنا اور سننا پسند نہیں کرتے۔ حضرات ائمہ اہل بیت کو یہ تعلیم تھی۔ کہ

نہج البلاغۃ:

لَا تَتْرُكُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُوَلّٰى عَلَيْكُمْ شِرَارُكُمْ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔

(نہج البلاغۃ ص ۴۲۲ خطبہ ۴۷)

ترجمہ:

"دیکھو! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہرگز ترک نہ کرنا۔ ورنہ تم پر تم میں سے شریر ترین لوگ حاکم مقرر کر دیئے جائیں گے۔ پھر تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہ ہوگی"۔ جنہیں یہ تعلیم دی گئی۔ وہ تو امر بالمعروف کو چھوڑ دیں۔ اور نہی عن المنکر سے باز آ جائیں لیکن

ان کے مقابلہ میں ایک عام آدمی اس فریضہ کو سرانجام دیتا رہے۔ یہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

گزشتہ اوراق میں فقہ جعفریہ کے بے اصل ہونے پر جو ہم نے چار عدد دلائل قائم کیے ہیں۔ ان سے روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ یہ فقہ ان لوگوں کی تراشی ہوئی ہے۔ جو ائمہ اہل بیت کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن اس غرض کے لیے کہ ہم ان کی ایک آدھ کسن کر دس بیس اس میں ملا کر لوگوں کو گمراہ کریں۔ ان مکاروں اور جھوٹے لوگوں پر نہ امام باقر کو اعتماد تھا۔ اور نہ ہی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ انہیں گھاس ڈالتے تھے۔ انہی ائمہ نے ان "بانیان فقہ جعفریہ" پر اللہ کی لعنت اور وہ بھی بار بار بھیجی۔ اور پھر ان بانیوں نے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کتے سے اپنے منہ میں پیشاب کروایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کذاب لوگوں نے "فقہ جعفریہ" میں ایسے ایسے مسائل داخل کر دیے۔ جو نہ عقل قبول کرنے پر آمادہ ہے اور نہ قرآن و سنت نبوی میں اس کی کہیں تائید و تصویب ہے۔ بلکہ ایک عام مومن ان مسائل کو سن کر سر تھام کے رہ جاتا ہے۔ اور زبان حال سے اس فقہ پر "ماتم" کرتے ہوئے کہتا ہے۔ یا خدا! تیرے نیک بندوں (ائمہ اہل بیت) کی طرف ایسے مسائل منسوب کرتے وقت ان ظالموں کو ذرا بھر خوف نہ آیا۔ آئیے ذرا اس پٹاری کو کھولیں۔ اور اس میں موجود "خطرناک مسائل" کی نقاب کشائی کریں۔

وباللہ التوفیق

باب دوم
مسائل فقہیہ
اور
ان کا رد

اللہ تعالیٰ نے طہارت اور صفائی کو ہر مومن کا امتیازی وصف فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور پاکیزگی وصفائی کے خوگر لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ چونکہ پانی ایک ایسی نعمت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حقیقی اور حکمی گندگی کو دُور کرکے پاکیزگی عطا کرنے کی صفت ودیعت فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ گندگی کو دُور کرنے اور پاکیزگی کے حصول کے مسائل ہر فقہ کے ماننے والے اپنی فقہی کتب میں سب سے پہلے درج کرتے ہیں۔ اس بنا پر ہم نے بھی "فقہ جعفریہ" میں مذکورانہی مسائل سے ابتدا کی ہے۔ لہٰذا حوالہ جات کی روشنی میں چند مسائل ملاحظہ ہوں۔

فروع کافی

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمَاءِ الَّذِىْ فِيْهِ بَوْلُ الدَّوَابِّ وَ تَلِغُ فِيْهِ الْكِلَابُ وَ يَغْتَسِلُ فِيْهِ الجنب قَالَ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قَدْرَ كُرٍّ لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْئٌ

(۱) - فروع کافی جلد سوم ص ۲ کتاب الطہارۃ -

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸ باب المیاہ -

ترجمہ:

محمد بن مسلم کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس پانی کے بارے میں پوچھا۔ جس میں چوپائے پیشاب کرتے ہوں، کتے اس میں سے پیتے ہوں۔ اور جنبی اس میں غسل کرتے ہوں فرمایا۔ اگر پانی کی مقدار "کُر" کے برابر ہے۔ تو وہ بالکل ناپاک نہیں ہو گا۔

پانی کے مقدار کے لیے حوالہ جات کی کتب میں لفظ "کُر" آیا ہے۔ ہم نے ترجمہ میں اسی لفظ کو برقرار رکھا۔ اب اس لفظ کے بارے میں خود کتب شیعہ سے وضاحت دیکھ لیں۔

فروع کافی و وسائل الشیعہ

عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اَلْکُرُّ مِنَ الْمَاءِ نَحْوَ حُبِّیْ ھٰذَا وَ اَشَارَ بِیَدِہٖ اِلٰی حُبٍّ مِنْ تِلْکَ الْحُبَابِ الَّتِیْ تَکُوْنُ بِالْمَدِیْنَۃِ۔

(فروع کافی جلد سوم صفحہ نمبر ۳ وسائل الشیعہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۳)

ترجمہ:

ہمارے بعض اصحاب سے ہے۔ کہ انہوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا۔ کہ "کُر" پانی کے میرے اس مٹکے کی مقدار کو کہتے ہیں۔ آپ نے یہ فرماتے وقت اپنے ہاتھ سے ایک مٹکے کی طرف اشارہ کیا۔ جو مدینہ منورہ میں پائے جانے

والے مشکوں میں سے ایک مٹکا تھا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ!

فروع کافی کے حوالہ سے ہم نے ثابت کیا ہے۔ کہ "کُر" ایک مٹکے کو کہتے ہیں۔ اس پر اگر کوئی شیعہ تڑپے۔ اور کہے۔ کہ ہمارے ہاں "کُر" مٹکے کی مقدار پانی کو نہیں کہتے۔ بلکہ ایک بڑے حوض کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت میں ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہہ

اَلْکُرُّ مَا یَکُوْنُ ثَلَاثَۃَ اَشْبَارٍ طُوْلًا فِیْ عَرْضٍ ثَلَاثَۃَ اَشْبَارٍ فِیْ عُمْقٍ ثَلَاثَۃَ اَشْبَارٍ۔

(من لا یحضرہ الفقیہہ جلد اول صفحہ نمبر ۶)

ترجمہ:

کُر وہ ہوتا ہے۔ جو (حوض)۔ تین بالشت لمبا تین چوڑا اور تین ہی بالشت گہرا ہو۔

جب "کُر" کا اطلاق حوض پر ہوتا ہے۔ تو پھر ہمارے اور احناف کے مابین اس پر کوئی اختلاف نہ رہا۔ کیونکہ احناف کے نزدیک بڑے حوض میں نجاست

گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر فقہ جعفریہ کے اس مسئلہ پر اعتراض ہے تو احناف بھی بچ نہیں سکیں گے۔ اس شبہ کا ازالہ ہم یوں کرتے ہیں۔ کہ

۱۔ کُر کا معنی منکا اگر ہم اپنی طرف سے کرتے تو اس سے پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے۔ یہ معنی ہم نے فروع کافی کے حوالہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ثابت کیا ہے۔ اس لیے اس معنی پر اعتراض دراصل امام صاحب پر اعتراض ہے۔

۲۔ جو احناف کے ہاں حوض کی نجاست یا طہارت کا مسئلہ ہے۔ اس سے فقہ جعفریہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ اس طرح کہ من لایحضرہ الفقیہ کے حوالہ سے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ یہ حوض تقریباً سوا دو فٹ چوڑا، لمبا اور گہرا ہے۔ اس طول و عرض کے حوض میں جانور پیشاب کریں۔ کتا اس میں گھس کر پانی پیئے۔ یا کوئی جنبی غسل کرے۔ تو ذرا بتلائیے۔ کہ یہ باتیں تو عقل تسلیم کرتی ہے۔ کہ اتنے پانی میں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ اس سے غسل کرتے وقت وہ پانی سارے کا سارا حرکت میں نہ آئے۔ اس کے خلاف احناف کے نزدیک مذکورہ مسئلہ ایسے حوض کے بارے میں ہے۔ جس کی ایک طرف کو اگر حرکت دی جائے تو دوسرے کنارے کا پانی حرکت میں نہ آئے۔ اور بعض علماء نے اس حوض کی لمبائی چوڑائی بھی بیان کی ہے۔

الھدایۃ مع الدرایۃ

وَبَعْضُهُمْ قَدَّرُوْا بِالْمَسَاحَةِ عَشْرٌ فِيْ عَشْرٍ بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ تَوْسِعَةً لِلْاَمْرِ

عَلَى النَّاسِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ

(الہدایہ مع الدرایہ جلد اول کتاب الطہارت
ص ۳۶ مطبوعہ کلام کمپنی کراچی)

ترجمہ:

بعض علماء نے اس حوض کی پیمائش ذکر کی۔ وہ یہ کہ کپڑے کے ناپنے کے دس گز چوڑا اور اتنا ہی لمبا ہو۔ اور یہ پیمائش اس لیے ذکر کی گئی۔ کہ اس میں لوگوں کے لیے وسعت اور سہولت ہے۔ اور فتوٰی بھی اسی پر ہے۔

وہ دردہ حوض میں نجاست گرنے سے اس طرف بیٹھ کر وضو کرنے کی اجازت دی گئی۔ جو نجاست گرنے کے مقابلہ میں ہے۔ یہ نہیں کہ جہاں نجاست گری وہیں سے وضو کر لو۔ اس کی وجہ بیان فرمائی۔ کہ نجاست گرنے سے پانی یں وہ گھل مل جاتی ہے۔ جس طرح پانی کو حرکت دی جائے تو پانی اس حرکت کو اپنے مجاور پانی کی طرف دھکیلتا ہے۔ جب اس حوض کی ایک طرف کے پانی کو کوئی شخص ہاتھ سے حرکت دے۔ اگر وہ حرکت دوسرے کنارے پر موجود پانی کو متحرک کر دے۔ تو ایسے حوض سے وضو اور طہارت وغیرہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح حرکت ایک طرف سے دوسری طرف چلی گئی۔ اسی طرح نجاست بھی اتنے پانی میں ایک طرف گر کر دوسری طرف اثر انداز ہو جائے گی۔ اور اگر دوسرا کنارہ حرکت نہیں کرتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حرکت راستہ میں ہی کہیں ختم ہو گئی ہے۔ اسی طرح اتنے بڑے حوض میں ایک طرف گرنے والی نجاست دوسری طرف کے پانی پر اثر انداز نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے وضو کرنا جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ پیمائش کے اعتبار سے ایسا حوض ۱۵ فٹ چوڑا

اور ۱۵ فٹ لمبا ہوگا۔ یعنی اس کا مجموعی رقبہ ۲۲۱ مربع فٹ ہوا۔ لیکن شیعوں کا حوض جو سوا دو فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا ہے۔ وہ ۵ مربع فٹ بھی نہیں بنتا۔ اتنے چھوٹے سے حوض میں اگر کتا وغیرہ گھس جائے۔ تو کوئی کنارہ نظر ہی نہیں آئے گا۔ کہ جہاں سے وضو کیا جائے۔ اب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ وہیں سے چلو بھرو۔ اور کلی کرو۔ ناک میں ڈالو۔ چہرہ دھوؤ۔ بس پھر ایسی طہارت ہوگی۔ کہ اس کی مثال طہارت کسی نے نہ دیکھی اور نہ سنی ہوگی۔ اور اس پانی سے کلی کرکے جو زبان و دہن کو پاکیزگی ملے گی اس سے مؤذن "علیؑ ولیُّ اللہ خلیفۃ رسول اللہ بلافصل" ایسے الفاظ ادا کرے گا۔ تو پھر کب موقع ملے گا۔ اور پھر دوران نماز ایسے پاک پانی کی خوشبو سے (جس میں چوپائے پیشاب کریں) جب خود نمازی کو تسکین حاصل ہوگی۔ تو اسے دوسروں تک پھیلانے کے لیے بار بار ہاتھوں کا پنکھا اگر نہیں چلائے گا۔ تو پھر کب ایسا وقت نصیب ہوگا۔ ہاہم قربان جائیں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی دور بینی اور حکمت پر کہ انہوں نے اپنے نام نہاد محبت کے دعویداروں کا پیشاب سے منہ دھلوایا۔ اور یہ لوگ اسے طہارت سمجھتے رہے۔

پاخانہ کا بھرا ہوا ٹوکرا اگر کنوئیں میں گر جائے تو کنواں پاک ہی رہتا ہے

الاستبصار

عَنْ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ أَخِيهِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ بِئْرِ مَاءٍ وَقَعَ فِيهَا زَنْبِيلٌ مِنْ عَذِرَةٍ يَابِسَةٍ أَوْ رَطْبَةٍ أَوْ زَنْبِيلٌ مِنْ سِرْقِينٍ أَيَصْلُحُ الْوُضُوءُ مِنْهَا فَقَالَ لَا بَأْسَ۔

(۱۔ استبصار جلد ۱ ص ۴۲)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ:

موسیٰ بن جعفر کے بھائی علی بن جعفر کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے بھائی سے پوچھا۔ کہ اگر کنوئیں کے پانی میں پاخانے کا ایک ٹوکرا گر پڑے وہ پاخانہ چاہے سوکھا ہو یا تازہ۔ یا گوبر کا ایک بھرا ٹوکرا گر پڑے۔ تو

کیا اس پانی سے وضو کرنا درست ہے؟ فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (یعنی وہ پاک ہے۔ اس لیے اس سے وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)

تہذیب الاحکام

عن ابی بصیر قال قلت لا بی عبد اللہ علیہ السلام انا نسافر فربما بلینا بالغدیر من المطر یکون الی جانب القریۃ فیکون فیہ العذرۃ و یبول فیہ الصبی و تبول فیہ الدابۃ و تروث فقال ان عرض فی قلبك منہ شئی فقل ھکذا یعنی اخرج الماء بیدك ثم توضأ فان الدین لیس بمضیق فان اللہ عزوجل یقول رما جعل علیکم فی الدین من حرج۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد اول ص ۴۱۷ فی المیاہ الخ)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۴۲)

(۳۔ الاستبصار جلد ۱ ص ۲۲)

ترجمہ:

ابو بصیر کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا ہم دوران سفر بعض دفعہ بارانی تالاب کے پانی سے وضو کرنا چاہتے ہیں جو بستی کے ایک طرف واقع ہوتا ہے۔ اس میں پاخانہ پڑا ہوتا ہے بچے پیشاب کرتے ہیں۔ چارپائے بھی پیشاب کرنے کے علاوہ

اس میں گوبر ڈالتے ہیں۔ تو کیا ان تالابوں سے ہم طہارت کر لیا کریں فرمایا۔ اگر تمہارے دل میں یہ سب کچھ دیکھ کر کوئی خیال آئے (یعنی پانی ناپاک ہونے کا) تو پھر اس طرح کر لیا کرو۔ یعنی ہاتھ میں اس تالاب کا پانی لے کر وضو کر لیا کرو۔ کیونکہ دین میں تنگی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ہم تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہے۔"

مسئلہ ۳:

اگر کنوئیں میں خون و شراب یا خنزیر گر پڑے تو بیس ڈول نکالنے سے پانی پاک ہو جاتا ہے

تہذیب الاحکام

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِئْرٌ قَطَرَ فِیْهَا قَطْرَةُ دَمٍ اَوْ خَمْرٍ قَالَ الدَّمُ وَالْخَمْرُ وَالْمَیْتَةُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ فِیْ ذَالِكَ كُلِّهٖ وَاحِدٌ یُنْزَحُ مِنْهُ عِشْرُوْنَ دَلْوًا۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد اول ص ۲۴۱)
(۲۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۳۲)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس

کنوئیں کے پانی کے بارے میں پوچھا جس میں خون یا شراب کا ایک قطرہ گر گیا ہو۔ فرمانے لگے۔ خون، شراب، مردار اور خنزیر کا گوشت ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اور وہ یہ کہ بیس ڈول نکالنے پر وہ پانی پاک ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۴

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے ڈول سے نکالا گیا پانی پاک ہے

من لا یحضرہ الفقیہ

وَسُئِلَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ جِلْدِ الْخِنْزِيرِ يُجْعَلُ دَلْوًا يُسْتَقَىٰ بِهِ الْمَاءُ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۹ فی المیاہ الخ)

(۲۔ فروع کافی جلد سوم ص ۷ کتاب الطہارت)

(۳۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۲۵ ابواب المیاہ)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ اگر خنزیر کی

کھال کا ڈول بنا کر اس سے پانی نکالا جائے۔ تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ زَرَارَةَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ جِلْدِ الْخِنْزِيْرِ يُجْعَلُ دَلْوًا يُسْتَسْقٰى بِهِ الْمَاءُ قَالَ لَا بَأْسَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۲۹
(ابواب الماء۔)
(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۹

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے ڈول سے پانی نکالنے کے متعلق پوچھا۔ تو فرمانے لگے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔

تبصرہ:

اللہ رب العزت نے "انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر" فرما کر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام فرما دیا۔ کیونکہ یہ نجس ہیں۔ خنزیر کے نجس عین ہونے کی وجہ سے اس کے جسم کا کوئی حصّہ یا عضو پاک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے حرام و نجس فرمائے۔ اور فقہ جعفریہ والے اس کے چمڑے سے بنے ڈول میں پانی نکال کر پانی کو پاک و صاف قرار دیں

اور پانی بھی وہ کہ جس میں چوپائے پیشاب کریں گوبر کریں، اگاؤں کے بچے پیشاب
کریں۔ اس میں شراب وخون کے قطرے گرے ہوں۔ ایسے پانی کو اگر پاک
کرنا ہے۔ تو خنزیر کی کھال کا ڈول بناؤ۔ اور بیس ڈول نکال لو۔ بس پانی پاک
ہو گیا۔ یہ تو کنوئیں کا حکم ہے۔ جبکہ گاؤں کے متصل بارانی تالاب کے نجس اور
ناپاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چاہے اس میں مندرجہ بالا نجاسات
کی بھرمار ہو۔ یہاں یہ خیال آسکتا ہے۔ کہ پانی کی مقدار ان نجاسات سے زیادہ
ہو گی۔ تو اس لیے اُسے پاک ہی قرار دیا گیا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ
اگر پانی اور پیشاب برابر مقدار میں ہوں۔ اور وہ مل جائیں۔ تو پھر بھی پانی پاک
ہی رہے گا۔

جیسا کہ اہل تشیع کی مشہور کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں مذکور ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ

وَلَوْ مِيزَابَيْنِ سَالَا مِيزَابُ بَوْلٍ وَمِيزَابُ مَاءٍ فَاخْتَلَطَا ثُمَّ اَصَابَ ثَوْبَكَ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ بَأْسٌ۔

(جلد اول صفحہ نمبر ۷)

ترجمہ:

"اگر ایک پرنالے سے پیشاب اور دوسرے سے پانی گر رہا ہو۔ اور وہ دونوں مل جائیں۔ پھر یہ ملا ہوا پیشاب اور پانی تیرے کپڑے پر پڑ جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ یعنی کپڑا پاک ہی رہے گا"

مختصر یہ کہ اہل تشیع کے ہاں اول تو پانی ناپاک و نجس ہوتا ہی نہیں

اور اگر ہو بھی جائے تو دس بیس ڈول (اور وہ بھی خنزیر کی کھال کے بنے ہوئے) نکال دینے پر پانی پاک ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں پلیدی اور نجاست کا صرف نام ہی ہے۔ اور اس کا وجود ناپید ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

مسئلہ ۵:

جس پانی سے استنجاء کیا گیا وہ استعمال شدہ پانی بھی پاک ہے

تحریر الوسیلہ

اَلْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ فِی الْوُضُوْءِ لَا اِشْکَالَ فِیْ کَوْنِهٖ طَاهِرًا وَمُطَهِّرًا لِلْحَدَثِ وَالْخُبْثِ کَمَا لَا اِشْکَالَ فِیْ کَوْنِ الْمُسْتَعْمَلِ فِیْ رَفْعِ الْحَدَثِ الْاَکْبَرِ طَاهِرًا وَمُطَهِّرًا لِلْخُبْثِ بَلِ الْاَقْوٰی کَوْنُهٗ مُطَهِّرًا لِلْحَدَثِ اَیْضًا۔

مسئلہ ۲۵:

مَاءُ الْاِسْتِنْجَاءِ سَوَاءٌ کَانَ مِنَ الْبَوْلِ

اَوِ الْغَائِطِ۔

(تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۱۴ فی
احکام المیاہ تصنیف روح اللہ الموسوی
الخمینی الداعی انقلاب اسلامیہ ایران)

ترجمہ:

مسئلہ ۲۴ وضو کے لیے استعمال شدہ پانی کے پاک ہونے
اور پاک کرنے والا ہونے پر کوئی اشکال نہیں
ہے۔ یہ بے وضوئیت کو بھی دُور کر سکتا ہے۔ اور نجاست کو بھی۔
یہ اسی طرح اشکال سے خالی ہے جس طرح غسل جنابت (حدث اکبر)
کے لیے استعمال شدہ پانی سے جنبی آدمی وضو کر سکتا ہے۔ بلکہ بے وضو
آدمی کا اس سے وضو کرنا تو زیادہ آسان اور قوی ہے مسئلہ ۲۵ پیشاب
یا پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد جس پانی سے استنجاء کیا گیا۔
(وہ استعمال شدہ پانی بھی پاک ہے۔ اس سے غسلِ جنابت
اور وضو ہو سکتا ہے)

مسئلہ ۶۴:

استنجاء میں استعمال شدہ پانی اگر کپڑے پر گر پڑے۔ تو کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔

وسائل الشیعہ

محمد بن النعمان قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَاَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ فَیَقَعُ ثَوْبِیْ فِیْ ذَالِکَ الْمَاءِ الَّذِیْ اِسْتَنْجَیْتُ بِہٖ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِہٖ

الحدیث:

عَنِ الْاَحْوَلِ اَنَّہٗ سَاَلَ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ علیہ السلام الرَّجُلَ یَسْتَنْجِیْ فَیَقَعُ ثَوْبُہٗ فِی الْمَاءِ الَّذِیْ اِسْتَنْجٰی بِہٖ فَقَالَ لَا بَأْسَ فَسَکَتَ فَقَالَ اَوْ تَدْرِیْ لِمَ قَالَ لَا بَأْسَ بِہٖ؟ قَالَ قُلْتُ لَا وَاللّٰہِ فَقَالَ اِنَّ الْمَاءَ اَکْثَرُ مِنَ الْقَذَرِ۔

(وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۶۱/ ابواب الماء۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

محمد بن نعمان کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ میں پاخانہ کرکے فارغ ہوا پھر میں نے پانی سے استنجاء کیا اس استنجاء میں استعمال شدہ پانی میں میرا کپڑا گر پڑا۔ (اور گیلا ہو گیا) تو کپڑا پاک رہا؟) فرمانے لگے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔

الحدیث۔

احول کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ایک آدمی استنجاء کرتا ہے۔ پھر استنجاء کے لیے استعمال شدہ پانی میں اس کا کپڑا گر پڑتا ہے۔ (اور وہ اس سے تر ہو جاتا ہے کیا وہ پاک ہے؟) فرمایا۔ کوئی حرج نہیں (یعنی وہ بدستور پاک ہی ہے۔) پھر کچھ دیر خاموش ہو گئے۔ اور پھر فرمانے لگے۔ کیا تو جانتا ہے۔ کہ اس میں حرج کیوں نہیں (یعنی وہ ناپاک کیوں نہ ہوا؟) میں نے عرض کیا۔ خدا کی قسم! مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ پس فرمایا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ پانی مقدار میں اس گندگی سے زیادہ ہے جو اُس میں استنجاء کرتے وقت مل گئی۔

وسائل الشیعہ

اَسْتَنْجِی ثُمَّ یَقَعُ ثَوْبِیْ فِیْہِ وَ اَنَا جُنُبٌ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِہٖ۔

(وسائل الشیعہ جلد اول
ص ۱۶۱)

ترجمہ:

میں نے استنجاء کیا۔ اور میں حالت جنابت میں تھا۔ پھر استنجاء کے لیے استعمال شدہ پانی میں میرا کپڑا گر گیا۔ (تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (وہ کپڑا پاک ہے۔)

تبصرہ:

پیشاب، یا خانہ کے بعد (مذکورہ حوالہ جات میں) استنجاء کرنے والے کے متعلق یہ موجود نہیں کہ اس نے پانی سے استنجاء کرنے سے قبل پتھر یا ڈھیلہ وغیرہ استعمال کیا تھا۔ ایسی حالت میں جب پاخانہ کے بعد بغیر ڈھیلے استعمال کیے اگر کوئی شخص پانی سے استنجاء کرتا ہے۔ تو اوّلاً وہ تب کرے گا۔ جب استنجاء کے بعد اس کا جسم پاک نہ ہوتا ہو۔ ورنہ اگر مخرج بالکل صاف ہے۔ تو پھر استنجاء کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس صورت میں استنجاء کرنے والے کے پانی میں پاخانہ کی کافی مقدار نظر آئے گی۔ اس مقدار کے ہوتے ہوئے اس پانی کو پاک کہنے کی دلیل یہ تھی۔ کہ پانی کی مقدار چونکہ زیادہ ہے۔ اس لیے وُہ پاخانہ اس کی طہارت کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ طہارت ہی نہیں بلکہ وہ پانی پاک بھی ہے۔ اور پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح جنبی آدمی نے غسل جنابت کرنے سے قبل اپنے آلہ تناسل کو پانی سے دھویا۔ تو اس پانی میں منی کے اثرات یقیناً ہوں گے۔ لیکن پانی کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ آپ حضرات خیال فرمائیں۔ کہ اگر ان مذکورہ صورتوں میں پانی پہلے کی طرح طاہر اور مطہر رہتا ہے۔ تو پھر اس کے نجس اور

ناپاک ہونے کی صورت کونسی ہوگی؟ یہی نا کہ پانی کی مقدار کم ہو جائے اور پاخانہ منی یا پیشاب کی مقدار زیادہ ہو جائے۔ اس سے ہٹ کر کسی صورت میں پانی کی طہارت اور طہوریت میں فرق نہیں پڑتا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور ادھر نجاست ملا پانی منہ پر ڈالو۔ پاخانہ اور پیشاب والا پانی کلی کے لیے استعمال کرو۔ اس پانی میں بھیگے ہوئے کپڑے کو پہن کر نماز پڑھو۔ سب جائز ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ ۷

تھوک سے استنجاء جائز ہے

من لا یحضرہ الفقیہ

سَأَلَ حَنَّانُ بْنُ سَدِيْرٍ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنِّيْ رُبَمَا بُلْتُ فَلَا اَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ وَيَشْتَدُّ ذَالِكَ عَلَيَّ فَقَالَ اِذَا بُلْتَ تَمَسَّحْتَ فَامْسَحْ ذَكَرَكَ بِرِيْقِكَ فَاِنْ وَجَدْتَ شَيْئًا فَقُلْ هٰذَا مِنْ ذَالِكَ۔

(۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص ۴۱ جلد اول　۲۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۲۰ کتاب الطہارت)

ترجمہ:

اور حنان بن سدیر نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ میں بعض دفعہ پیشاب کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد استنجاء کے لیے پانی پر مجھے قدرت نہیں۔ اور یہ بات مجھے سخت ناگوار گزرتی ہے فرمایا۔ جب پیشاب سے فارغ ہو جائے تو اپنے ذکر پر تھوک مَل دیا کر۔ پھر اگر کوئی چیز تو پائے۔ تو کہنا یہ اس سے ہے۔

لمحہ فکریہ

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے پانی نہ ملنے یا اس پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں مٹی کو اس کے قائم مقام کر دیا ہے۔ جیسا کہ حدث اصغر اور اکبر کے لیے پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں مٹی طہارت کا کام دیتی ہے۔ لیکن قربان جائیں فقہ جعفریہ کے طریقہ ہائے طہارت پر کہ اگر کسی شیعہ کو پیشاب کرنے کے بعد پانی میسر نہ آئے۔ تو وہ تھوک سے استنجاء کرے۔ نامعلوم مٹی کی جگہ تھوک کس مصلحت کی بنا پر لیا گیا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ تھوک سے استنجاء ایک دفعہ لعابِ دہن انگلی سے لگا کر ذکر پر ملنے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے حصول کے لیے کئی بار انگلی کبھی اُدھر اور کبھی اِدھر لگانی پڑے گی۔ اسی لیے فرمایا گیا۔ اگر دوسری تیسری مرتبہ منہ میں انگلی ڈالتے وقت کچھ تھوک کے علاوہ ذائقہ دار چیز کا احساس ہو۔ تو مومنو! فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس دل کو سمجھاؤ کہ یہ کچھ اور نہیں بلکہ تھوک ہی ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر اس طرح استنجاء جلدی کرنا چاہتے ہو۔ تاکہ بعد میں وضو کر کے تکبیر تحریمہ میں شامل ہو سکو۔ تو پھر ایک انگلی کی بجائے ہتھیلی پر تھوک جمع کر کے ایک ہی دفعہ

استنجاء کرو۔ اور اگر گڑبڑ ہو جائے۔ تو عقیدہ صحیح رکھنا۔ اور یہی سمجھنا کہ تھوک ہی تھوک ہے۔ پھر اسی ہتھیلی کو سینہ پر ملنے سے نور علی نور ہو کر ٹھیکری رکھو۔ اور اس پر ماتھا ٹیک دو۔ عقل کے اندھوں کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ پیشاب کے قطرہ یا اس کی تری کے ساتھ جب لعابِ دہن مل جائے گا۔ تو وہ پھیل کر اور مزید حصہ گندا کر دے گا۔ لیکن مومنوں کو اس سے کیا اُن کے نزدیک اگر پیشاب ٹخنوں تک بہہ نکلے۔ تو بھی جسم پاک ہی رہتا ہے۔ امام جعفر صادق سے ہی صاحب استبصار نے آخر یہ روایت ذکر کی ہے۔

الاستبصار

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الرَّجُلِ یَبُوْلُ قَالَ یَنْتُرُہٗ ثَلَاثًا ثُمَّ اِنْ سَالَ حَتّٰی یَبْلُغَ السَّاقَ فَلَا یُبَالِ۔

(الاستبصار جلد اوّل ص ۴۹)

توجمہ:

یعنی پیشاب کرنے کے بعد تین دفعہ آلۂ تناسل کو جھٹک دو۔ پھر اس کے بعد اگر پیشاب بہتا ہوا پنڈلی تک تر کر جائے۔ تو پرواہ نہ کرنا۔

بات واضح ہے۔ کہ جب سو دو فٹ پانی میں آدمی پیشاب کریں۔ کتے گدھے اور دیگر جانور بول و براز ڈالیں۔ شراب و خون اس میں گر پڑے خنزیر اس میں گھس جائے۔ تو بھی وہ پاک ہی رہتا ہے۔ لہٰذا اگر تھوک لگا کر پیشاب اور تھوک کی آمیزش سے تری میں اضافہ ہو جائے تو اسے ناپاک

کون کہے گا۔ اور اس سے تعجب خیز بات یہ ہے۔ کہ ان کی فقہ میں استنجاء کے لیے کوئی لوٹا بھر پانی کی بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ کسی شاگرد کے سوال کے جواب میں امام صاحب کا فرمان تو اس سے کہیں کم پانی سے طہارت کا فائدہ دیتا ہے۔ صاحب استبصار ہی لکھتا ہے۔

استبصار

سَأَلْتُهُ كَمْ يَجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ مِنَ الْبَوْلِ قَالَ مِثْلاً مَاعَلَى الْحَشْفَةِ۔

(الاستبصار، جلد ا)

ترجمہ:

میں نے امام جعفر سے پوچھا۔ کہ پیشاب کے بعد استنجاء کے لیے کتنا پانی کافی ہوگا۔ فرمایا۔ اس قدر کہ جو آلۂ تناسل کی سپاری کو تر کر سکے

حضرات! طہارت کے یہ مسائل جنہیں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر کے بیان کیا گیا ہے۔ قطعًا آپ کے ارشادات نہیں۔ بلکہ یہ ابو بصیر اور زرارہ وغیرہ کی من گھڑت روایات ہیں۔ جب ان لوگوں نے عورت کے ساتھ وطی فی الدبر اور متعہ ایسی ملعون حرکتوں کو سند جواز عطا کر دی۔ تو تھوک سے استنجاء کرنا ان کے لیے کون سی مشکل بات تھی۔

بہر حال حضرات ائمہ اہل بیت ان واہی تباہی روایتوں سے مبرّا ہیں۔ اور نحوست و نجاست سے آلودہ ایسے مسائل سے ان کی تعلیمات کوسوں دور رہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مسئلہ ۸:

گدھے اور خچر کا بول اور لید ناپاک نہیں ہیں

المبسوط

وَمَا يُكْرَهُ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهِ وَرَوْثِهِ مِثْلُ الْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ۔

(المبسوط ص ۳۶ کتاب الطہارت، مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

جن چوپایوں کا گوشت مکروہ ہے۔ ان کا پیشاب اور لید پاک ہے جیسا کہ خچر اور گدھا۔

مسئلہ ۹:

قے، زرد پانی اور کچلو بھی پاک ہیں

المبسوط:

وَالْقَيْئُ لَيْسَ بِنَجِسٍ وَفِيْ اَصْحَابِنَا مَنْ يَقُوْلُ

هُوَ نَجِسٌ وَالصَّدِيْدُ وَالْقَيْحُ حُكْمُهُمَا حُكْمُ الْقَيِّ سَوَاءٌ۔

(المبسوط ص ۲۸)

ترجمہ:

قے نجس نہیں ہے۔ ہمارے کچھ اصحاب اس کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔ (لیکن یہ درست نہیں ہے) اور زرد پانی اور پیلو دونوں کا حکم قے کی طرح ہے۔ یعنی یہ دونوں بھی نجس نہیں بلکہ پاک ہیں۔

لمحہ فکریہ

قارئین کرام! جس مذہب میں گدھے اور خچر کا پیشاب بھی پاک ہو۔ اور پیلو وغیرہ بھی نجاست کا حکم نہ رکھتی ہوں۔ اس مذہب میں تو ہر طرف طہارت ہی طہارت ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ فقہ جعفری میں نجاست پلیدی اور گندگی برائے نام ہی ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ نمبر ۱۰

ودی اور مذی پاک ہیں

المبسوط:

وَالْمَذْيُ وَالْوَدْيُ طَاهِرَانِ لَا يَجِبُ إِزَالَتُهُمَا فَإِنْ أَزَالَهُمَا أَفْضَلَ۔

(المبسوط ص ۳۸ کتاب الطہارت)

ترجمہ:

مذی اور ودی دونوں پاک ہیں۔ اگر کپڑے یا جسم پر لگ جائیں۔ تو اس کا دھونا اور انہیں دور کرنا کوئی ضروری نہیں ہاں اگر کسی نے دھوکر انہیں زائل کر دیا۔ تو افضل اور بہتر کیا۔

مسئلہ نمبر ۱۱:

دوران نماز اگر مذی یا ودی نکل کر ایڑیوں تک بہہ جائے۔ تو اس سے نہ نماز ٹوٹی نہ وضو گیا۔

المبسوط:

عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِنْ سَالَ مِنْ ذَكَرِكَ شَيْءٌ مِنْ مَذْيٍ أَوْ وَدْيٍ وَأَنْتَ

فِی الصَّلٰوۃِ فَلَا تَغْسِلْہُ وَلَا تَقْطَعِ الصَّلٰوۃَ وَلَا تَنْقُضْ لَہُ الْوُضُوْءَ وَاِنْ بَلَغَ عَقِبَیْکَ فَاِنَّمَا ذٰلِکَ بِمَنْزِلَۃِ النُّخَامَۃِ وَکُلُّ شَیْءٍ یَخْرُجُ مِنْکَ بَعْدَ الْوُضُوْءِ فَاِنَّہٗ مِنَ الْحَبَائِلِ اَوْ مِنَ الْبَوَاسِیْرِ وَلَیْسَ بِشَیْءٍ فَلَا تَغْسِلْہُ مِنْ ثَوْبِکَ اِلَّا اَنْ تَقْذِرَہٗ۔

(۱۔ فروع کافی جلد سوم ص ۳۹ کتاب الطہارت)

(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اوّل ص)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر عالتِ نماز میں پیشاب کے مقام سے کوئی شے از قسم مذی و ودی نکلے تو نہ دھو اور نہ نماز قطع کرو۔ اس سے وضو باطل نہ ہوگا۔ اور اگر تمہارے ٹخنوں تک پہنچے۔ تو بمنزلہ رینٹھ یا بلغم کے ہے۔ اور ہر وہ چیز جو بعد وضو خارج ہو وہ یا از عضو تناسل کی رطوبت ہے یا بواسیر ہے۔ وہ کچھ نہیں اسے نہ دھوؤ۔ اپنے لباس سے مگر جبکہ نجاست ہو۔

(الشافی ترجمہ کافی جلد اول ص ۴۳ باب مذی و ودی)

لمحہ فکریہ:

مذی اور ودی کی تعریف جو فروع کافی کے مذکورہ حوالہ پر حاشیہ پر لکھی ہوئی

ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ دونوں رطوبتیں عضو تناسل سے خارج ہوتی ہیں۔ مذی وہ رطوبت ہے۔ جو مرد اور عورت کے باہم ملاعبت (چھیڑ چھاڑ) کرنے کے وقت عضو مخصوص سے خارج ہوتی ہے۔ اور پیشاب کے بعد جو رطوبت عضو مخصوص سے نکلے۔ ودی کہلاتی ہے۔

گویا مذی عورت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ پر نکلتی ہے۔ اور ودی پیشاب کے بعد۔ اب دوران نماز ان دونوں رطوبتوں کا نکلنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز بھی پڑھ رہا ہو اور عورت کے ساتھ ملاعبت بھی کر رہا ہو۔ اور دوسری صورت میں نماز میں پیشاب کر دے اور پھر اس کے بعد ودی کی صورت میں رطوبت خارج ہو تو اس کیفیت سے بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نہ نماز ٹوٹتی ہے۔ نہ وضو جاتا ہے۔ اور نہ ہی ان رطوبتوں پر نجاست کا حکم لگانا درست ہے۔ اگر دوران نماز عورت سے چھیڑ چھاڑ کرنے اور بول و براز سے کرنے سے نہ نماز ٹوٹے نہ وضو جائے تو پھر وارے نیارے ہو گئے۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ بخدا! امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ایسے مسائل ہرگز نہیں بیان کر سکتے۔ یہ بکواسات اور واہیات ابو بصیر اور زرارہ اینڈ کلینی کی اختراع ہیں۔ اسی لیے ہم بارہا کہہ چکے ہیں۔ کہ "فقہ جعفریہ" امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی روایات اور ارشادات کے مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ان لوگوں کی من گھڑت باتوں کی پٹاری ہے۔ جن پر دونوں ائمہ نے لعنت بھیجی اور ان کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ نمبر ۱۲

جنابت کے غسل کے لیے استعمال شدہ پانی پاک ہے

المبسوط

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ اَحَدُهُمَا مَا اُسْتُعْمِلَ فِي الْوُضُوْءِ وَفِي الْاِغْتِسَالِ الْمَسْنُوْنَةِ فَاَمَّا هٰذَا حُكْمُهُ يَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهُ فِيْ رَفْعِ الْحَدَثِ وَالْاٰخَرُ مَا اُسْتُعْمِلَ فِيْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ فَلَا يَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهُ فِيْ رَفْعِ الْحَدَثِ وَاِنْ كَانَ طَاهِرًا فَاِنْ بَلَغَ ذٰلِكَ كُرًّا زَالَ حُكْمُ الْمَنْعِ مِنْ رَفْعِ الْحَدَثِ بِهٖ لِاَنَّهٗ قَدْ بَلَغَ حَدًّا لَا يَحْتَمِلُ النَّجَاسَةَ وَاِنْ كَانَ طَاهِرًا غَيْرَ مُطَهِّرٍ يَجُوْزُ شُرْبُهٗ وَاِزَالَةُ النَّجَاسَةِ بِهٖ لِاَنَّهٗ مَاءٌ مُطْلَقٌ۔

(المبسوط جلد اول ص ۱۱/ اقسام الماء المستعمل فی الحدث مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

استعمال شدہ پانی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو وضو اور غسل مسنونہ کے لیے استعمال کیا گیا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذریعہ حدث دور ہو سکتی ہے۔ (یعنی وضو اور فرضی غسل ہو جائے گا) دوسری قسم وہ کہ جس سے غسل جنابت اور غسل حیض کیا گیا ہو۔ اس کا حدث دور کرنے کے لیے استعمال جائز نہیں۔ اگرچہ یہ پانی پاک ہے اور اگر یہی دوسرا پانی کر (جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یعنی سوا دو فٹ مربع پانی کے ایک مٹکے) کے برابر ہو۔ تو پھر ناجائز کا حکم ختم ہو جائے گا۔ (یعنی اس سے حدث دور کرنا جائز ہو جائے گا) کیونکہ اب یہ پانی اس مقدار تک پہنچ گیا ہے۔ جو نجس اور گندہ ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور اگر کر سے کم مقدار ہے۔ تو یہ پاک ضرور ہے۔ لیکن اس سے کوئی ناپاک چیز پاک نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کا پینا درست اور اس سے نجاست دور کرنا بھی جائز رہے۔ کیونکہ یہ بہرحال پانی تو ہے۔

تبصرہ

ابو جعفر محمد بن حسن طوسی وہ مجتہد اور محسن شیعیت ہے۔ جس نے صحاح اربعہ کی تصنیف کا کام سرانجام دیا۔ یہ حضرت اس پانی کو پینے کے قابل بتا رہا ہے۔ جس سے حیض والی عورت نے فرضی غسل کیا۔ یا غسل جنابت کیا گیا ہو صرف یہ شرط لگائی۔ کہ وہ ایک مٹکے کے برابر ہونا چاہیئے۔ پھر اس کو کوئی گندگی گندہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ

کر چکے ہیں۔ اور اگر مشکے سے کم ہے۔ تو اس کا پینا پھر بھی جائز ہے۔ سچ ہے کہ گندی ذہنیت اسی قسم کے مسائل گھڑتی ہے۔ حضرات ائمہ اہل بیت یعنی صاحبان طہارت کب ایسے مسائل بیان کر سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ اور اس قسم کے نجاست سے بھرے مسائل انہی راویوں نے گھڑے ہیں۔ جن پر امام صاحب نے پھٹکار بھیجی ہے۔ اور جن کی کاوشوں کو "فقہ جعفریہ" کا نام دے دیا گیا۔ ایسے مسائل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ یا ان کے والد گرامی امام باقر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا ان حضرات کی توہین سے کم نہیں ہے۔ آخر ان ملعونوں سے یہ توقع کب ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے اوپر لعنت بھیجنے والے امام کو عوام کے سامنے اچھے مسائل کے ساتھ متعارف کرائیں۔ اور ان کی عزت بنائیں۔ اس طرح کے دقیانوسی مسائل امام صاحب کی طرف منسوب کر کے دراصل یہ اقرار کیا جا رہا ہے۔ کہ امام صاحب کا ان پر لعنت بھیجنا حق تھا۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار)

مسئلہ نمبر ۱۳

ہوا خارج ہونے سے اس وقت وضو جاتا ہے جب اس کی آواز پیدا ہو یا اس کی بو ناک میں چڑھے

فروع کافی

عَلِیُّ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اِبْنِ اَبِیْ عُمَیْرٍ عَنْ
مُعَاوِیَةَ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ
السَّلَامُ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفُخُ فِیْ دُبُرِ الْاِنْسَانِ
حَتّٰی یُخَیَّلُ اِلَیْهِ اَنَّهٗ قَدْ خَرَجَ مِنْهُ رِیْحٌ
فَلَا یَنْقُضُ الْوُضُوْءَ اِلَّا رِیْحٌ تَسْمَعُهَا اَوْ تَجِدُ

رِیْحَھَا۔

(۱۔فروع کافی جلد سوم ص۳۶ کتاب الطہارت)
(۲۔وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۷۵،
ابواب نواقض الوضوء)
(۳۔من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول صفحہ نمبر ۳۷)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا شیطان آدمی کی دُبر میں پھونکتا ہے۔ پھر آدمی کو خیال آتا ہے۔ کہ اس کی ہوا نکل گئی۔ تو سنو! وضو اس ہوا کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔ جس کی آواز تم سنو یا اس کی بُو محسوس کرو۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ زُرَارَۃَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ علیہ السلام قَالَ لَا یُوْجِبُ الْوُضُوْءَ اِلَّا مِنْ غَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ ضَرْطَۃٍ تَسْمَعُ صَوْتَھَا اَوْ فَسْوَۃٍ تَجِدُ رِیْحَھَا۔

(وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۷۵/۱ ابواب
نواقض الوضوء)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زرارہ روایت کرتا ہے۔ کہ امام صاحب نے فرمایا۔ وضو صرف پیشاب اور پاخانے یا اس ہوا کے نکلنے سے جاتا ہے جس کی تو آواز سنے یا اس پھسکی سے کہ جس کی تجھے بُو آئے

٭

الفقہ علی المذاہب الخمسہ:

قَالَ الْاِمَامِیَّۃُ لَا تَنْقُضُ الْوُضُوْءَ اِلَّا اِذَا خَرَجَتْ مُتَلَطِّخَۃً بِالْعَذِرَۃِ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص۳۰)

ترجمہ:

امامیہ کہتے ہیں۔ کہ ہوا خارج ہونے سے وضو اس وقت جاتا ہے جب اس کے ساتھ کچھ پاخانہ ملا ہوا ہو۔

تبصرہ:

"فقہ جعفریہ" نے اپنے ماننے والوں کے لیے کیا کیا رعایتیں عطا کیں! اور ان کی طہارت اور پاکیزگی کو قائم رکھنے کی کس قدر محنت کی ہے۔ جسم سے خون پیپ وغیرہ سے نکلنے سے ان کی طہارت قائم دائم رہتی ہے۔ صرف بول اور پاخانہ سے ان کا وضو ختم ہوتا ہے۔ رہی ہوا تو اس میں اتنی ہمت کہاں کہ حیدر کرار کے "نام نہاد محبتوں" کا وضو توڑ سکے۔ ہاں اگر خوب زور سے نکلے۔ اور آس پاس تک دھماکہ سنائی دے۔ تو پھر گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ یا بھری محفل مجلس کو اس کی بو ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دے۔ یا پھر جب آئے تو اپنے ساتھ تھوڑا سا پاخانہ بھی لیتی آئے جس سے مقام مخصوص پر پڑا کپڑا "معطر" ہو جائے۔ تو ان صورتوں میں چونکہ کچھ لوگ اس کے نکلنے کے گواہ بن جائیں گے۔ اس لیے اب ڈھٹائی سے کام نہ چلے گا۔

رہا یہ معاملہ کہ ان تین کیفیات کے علاوہ نکلنے والی ہوا معدہ سے آنے والی ہوا نہیں۔ بلکہ وہ شیطان کی پھونکنی سے نکلی۔ جو "اندھے کنوئیں" پر بیٹھا پھونکیں مارتا ہے۔ سو اس کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ پھونکیں مارنے والا جانے اور

اسے وہاں بٹھانے والے جانیں۔ ہم تو اس قدر جانتے ہیں۔ کہ ہوا کا خروج یا اخراج معدہ میں جمع شدہ نجاراتِ ہیں۔ جنہیں زیادہ ہونے کی صورت میں آدمی قصداً نکالتا ہے۔ خوب موج ہے۔ کہ جب تک مذکورہ تین شرائط نہ پائی جائیں کسی شیعہ کا ہوا خارج ہونے سے وضو نہ جائے گا۔ ذرا غور فرمائیں۔ کہ ہوا کے ساتھ پاخانہ کا نکلنا بہت نادر ہے۔

لیکن پہلی دو شرائط اپنے بس میں ہوتی ہیں۔ ہوا کے نکلنے کے وقت مقعد کو کسی طرح ڈھیلا کر دیا جائے۔ تو آواز پیدا نہ ہوگی۔ اور اگر تھوڑی تھوڑی نکالے تو بُو پیدا ہونے کا خطرہ بھی ٹل گیا۔

اس لیے اہل تشیع کو یہ مجرّب نسخہ ضرور آزمانا چاہیئے۔ تاکہ بار بار وضو جاتے رہنے کا خطرہ ٹل جائے۔ اور یہی سمجھا جائے۔ کہ شیطان کی حرکت ہے۔ جس سے وضو قائم ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب مشکا کے برابر پانی کو کوئی گندگی ناپاک نہیں کرسکتی۔ حیض و جنابت کے غسل میں استعمال ہونے والا پانی دو جام شیریں، ہے۔ اور گدھے وغیرہ کا بول و براز طاہر ہے۔ تو یہ بیچاری ہوا وضو کا کیا بگاڑ سکے گی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

قابلِ توجہ!

ایک طرف وہ فقہ جعفریہ" میں گدھے اور خچر کا بول پاک ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر مذی اور ودی کی طہارت کا قول بھی موجود ہے۔ لیکن دوسری طرف اہل سنت کے ساتھ بغض و عداوت کا نظارہ دیکھیں۔ تو آپ کو نظر آئے گا۔ کہ خنزیر کے جھوٹے سے بڑھ کر سنی کا جھوٹا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ:

وَلَا يَجُوْزُ الْوُضُوْءُ بِسُؤْرِ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْمُشْرِكِ وَكُلِّ مَنْ خَالَفَ الْإِسْلَامَ وَاَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ سُؤْرُ النَّاصِبِ۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸
فی المیاہ الخ)

ترجمہ:

یہودی، عیسائی، حرامی اور مشرک کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح ہر اس شخص کے جھوٹے سے جو مخالف اسلام ہو۔ اور ان تمام سے زیادہ ناپاک سُنّی کا جھوٹا ہے۔

الروضۃ البہیۃ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِيَّاكَ اَنْ تَغْتَسِلَ مِنْ غُسَالَةِ الْحَمَّامِ وَفِيْهَا تَجْتَمِعُ غُسَالَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَالْمَجُوْسِيِّ وَالنَّاصِبِ لَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَهُوَ شَرُّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا اَنْجَسَ مِنَ الْكَلْبِ وَاِنَّ النَّاصِبَ لَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَنْجَسُ مِنْهُ

(الروضۃ البہیۃ جلد پنجم ص ۲۴۳ کتاب النکاح
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابویعفور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ کہ امام صاحب نے فرمایا۔ دیکھو تمہیں حمام کے غسالہ سے غسل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں یہودی، عیسائی، مجوسی کا غسالہ ہوتا ہے۔ اور اس میں سُنی کا بھی غسالہ ہوتا ہے۔ جو ان تمام سے زیادہ شریر ہے اللہ تعالیٰ نے کُتے سے بڑھ کر کوئی مخلوق ناپاک اور نجس پیدا نہیں کی لیکن سنی اس سے بھی بڑھ کر نجس ہے۔

جامع الاخبار:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ نُوْحًا اَدْخَلَ فِیْ سَفِیْنَۃٍ اَلْکَلْبَ وَالْخِنْزِیْرَ وَ لَمْ یَدْخُلْ فِیْھَا وَلَدَ الزِّنَا وَ النَّاصِبُ اَشَدُّ مِنْ وَلَدِ الزِّنَا۔

(جامع الاخبار ص ۱۸۵ فصل ۱۲۷ فی
النصب)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں کتے اور خنزیر کو تو سوار کر لیا لیکن حرامی کو اس میں داخل

نہ کیا۔ اور سنی تو حرامی سے بھی بڑھ کر ہے۔

اللمعۃ الدمشقیہ

اَلْکُفْوُ مُعْتَبَرَۃٌ فِی النِّکَاحِ فَلَا یَجُوْزُ لِلْمُسْلِمَۃِ مُطْلَقًا التَّزْوِیْجُ بِالْکَافِرِ وَھُوَ مَوْضِعُ وِفَاقٍ وَلَا یَجُوْزُ لِلنَّاصِبِ التَّزْوِیْجُ بِالْمُؤْمِنَۃِ لِاَنَّ النَّاصِبِیَّ اَشَرُّ مِنَ الْیَھُوْدِیْ وَالنَّصْرَانِیْ عَلٰی مَا رُوِیَ فِیْ اَخْبَارِ اَھْلِ الْبَیْتِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَکَذَا الْعَکْسُ سَوَآءٌ اَیِ الدَّائِمُ اَوِ الْمُتْعَۃُ۔

(اللمعۃ الدمشقیہ جلد پنجم ص ۲۲۴-۲۲۵)

ترجمہ:

نکاح میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان عورت کا کافر سے مطلقاً نکاح جائز نہیں ہے۔ اور یہ بالاتفاق مسئلہ ہے۔ اور کسی سُنّی کو شیعہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ "سنی"، یہودی اور عیسائی سے بھی بڑھ کر شریر ہے۔ جیسا کہ حضرات اہل بیت کی روایات میں ہے۔ اور اس کا عکس بھی جائز نہیں۔ (یعنی کوئی شیعہ عورت سنی سے نکاح نہیں کر سکتی) چاہے یہ نکاح وقتی (متعہ) ہو یا دائمی۔

انوار نعمانیہ:

اَلثَّانِیْ فِیْ جَوَازِ قَتْلِھِمْ وَاسْتِبَاحَۃِ اَمْوَالِھِمْ

قَدْ عَرَفْتَ اَنَّ اَكْثَرَ الْاَصْحَابِ ذَكَرُوْا لِلنَّاصِبِيْ
ذٰلِكَ الْمَعْنَى الْخَاصَ فِيْ بَابِ الطَّهَارَاتِ وَالنَّجَاسَةِ
وَحُكْمُهٗ عِنْدَهُمْ كَالْكَافِرِ الْحَرْبِيْ فِيْ اَكْثَرِ
الْاَحْكَامِ وَاَمَّا عَلٰى مَا ذَكَرْنَاهُ لَهٗ مِنَ التَّفْسِيْرِ فَيَكُوْنُ
حُكْمًا شَامِلًا كَمَا عَرَفْتَ رَوَى الصَّدُوْقُ طَابَ ثَرَاهُ
فِي الْعِلَلِ مُسْنِدًا اِلٰى دَاوٗدَ بْنِ فَرْقَدٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا تَقُوْلُ فِيْ قَتْلِ النَّاصِبِ قَالَ حَلَالُ الدَّمِ لٰكِنِّيْ اَتَّقِيْ
عَلَيْكَ فَاِنْ قَدَرْتَ اَنْ تَقْلِبَ عَلَيْهِ حَائِطًا اَوْ تُغْرِقَهٗ
فِيْ مَآءٍ لِكَيْ لَا يُشْهَدُ بِهٖ عَلَيْكَ فَافْعَلْ فَقُلْتُ فَمَا تَرٰى
فِيْ مَالِهٖ قَالَ خُذْ مَا قَدَرْتَ وَرَوٰى شَيْخُ
الطَّائِفَةِ فِيْ بَابِ الْخُمُسِ وَالْغَنَائِمِ مِنْ كِتَابِ
التَّهْذِيْبِ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ عَنْ مَوْلٰنَا الصَّادِقِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ قَالَ خُذْ مَالَ النَّاصِبِ حَيْثُ مَا وَجَدْتَ
وَابْعَثْ اِلَيْنَا بِالْخُمُسِ ـــــ وَفِي الرِّوَايَاتِ
اَنَّ عَلِيَّ بْنَ يَقْطِيْنَ وَهُوَ وَزِيْرُ الرَّشِيْدِ قَدِ اجْتَمَعَ
فِيْ حَبْسِهٖ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُخَالِفِيْنَ وَكَانَ مِنْ خَوَاصِ
الشِّيْعَةِ فَاَمَرَ غِلْمَانَهٗ وَهَدَمُوْا سَقْفَ الْمَحْبِسِ
عَلَى الْمَحْبُوْسِيْنَ فَمَاتُوْا كُلُّهُمْ وَكَانُوْا خَمْسَ
مِائَةِ رَجُلٍ تَقْرِيْبًا فَاَرَادَ الْخَلَاصَ مِنْ تَبِعَاتِ
دِمَائِهِمْ فَاَرْسَلَ اِلَى الْاِمَامِ مَوْلٰنَا الْكَاظِمِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَتَبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَيْهِ جَوَابَ كِتَابِهٖ بِاَنَّكَ

لَوْ كُنْتَ تَقَدَّمْتَ اِلَيَّ قَبْلَ قَتْلِهِمْ لَمَا كَانَ عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ دِمَآئِهِمْ وَحَيْثُ اَنَّكَ لَمْ تَتَقَدَّمْ اِلَيَّ فَكَفِّرْ عَنْ كُلِّ رَجُلٍ قَتَلْتَهٗ مِنْهُمْ بِتَيْسٍ وَالتَّيْسُ خَيْرٌ مِنْهُ فَانْظُرْ اِلٰى هٰذِهِ الدِّيَةِ الْجَزِيْلَةِ الَّتِيْ لَا تُعَادِلُ دِيَةَ اَخِيْهِمُ الْاَصْغَرِ وَهُوَ كَلْبُ الصَّيْدِ فَاِنَّ دِيَتَهٗ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا وَلَا دِيَةَ اَخِيْهِمُ الْاَكْبَرِ وَهُوَ الْيَهُوْدِيُّ اَوِ الْمَجُوْسِيُّ فَاِنَّهَا ثَمَانُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَحَالُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

(۱۔انوار نعمانیہ جلد دوم ص ۲۰۷۔۲۰۸
تذکرہ ظلمۃ فی احوال الصوفیہ)
(۲۔مال لوٹ کر خمس نکالنے کا حکم تحریر
تحریرالوسیلہ جلد ۱ ص ۳۲۵)

ترجمہ:

دوسرا امر (یعنی ناصبی کا حکم کیا ہے؟) تو ان کے قتل کرنے اور ان کے اموال کو لوٹنے کا جواز تو معلوم کر چکا ہے۔ اور تجھے یہ بھی علم ہے کہ اکثر اصحاب نے ناصبی کا وہ خاص معنی باب طہارت و نجاست میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کا حکم ان کے نزدیک حربی کافر کا سا ہے لیکن وہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اس کے مطابق ناصبی حکمی طور پر حربی کافروں میں شامل ہو جائے گا جیسا کہ تو جان چکا ہے علل میں شیخ الصدوق نے ذکر کیا ہے جس کا اسناد داؤد بن فرقد کی طرف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضؓ کو ناصبی کے قتل کے متعلق پوچھا۔ تو فرمانے لگے۔ اس کا خون (گرانا) حلال ہے لیکن میں تجھ پر خوف کھاتا ہوں۔ اگر تو اس پر دیوار گرا

سکے یا اسے پانی میں ڈبو دے (تو یہ ضرور کر) تاکہ تیرے خلاف کوئی شہادت نہ قائم ہو سکے۔ پھر میں نے امام صاحب سے پوچھا۔ ناصبی کا مال لوٹنے کا حکم کیا ہے؟ فرمایا۔ جتنا بس چلتا ہے اتنا چھین لے۔ شیخ الطائفہ نے خمس اور غنیمت کے باب میں اپنی کتاب التہذیب میں ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ناصبی کا مال جہاں سے ملے قابو کرے اور ہماری طرف اس کا پانچواں حصہ بھیج دے۔ روایات میں ہے۔ کہ علی بن یقطین وزیر نے اپنی جیل میں اپنے مخالفین کی ایک جماعت کو قید کر لیا۔ یہ وزیر کٹر شیعہ تھا۔ اس نے اپنے غلاموں کو ان قیدیوں پر قید خانے کی چھت گرا دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے یہی کیا۔ اس طرح پانچ سو کے قریب وہ قیدی مر گئے۔ ان کے ورثاء نے مرنے والوں کے خون کا مطالبہ کیا۔ وزیر مذکور نے ایک خط امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ امام نے اس کا جواب یہ دیا۔ اگر تو ان لوگوں کے قتل کرنے سے پہلے مجھ سے مشورۃً پوچھ لیتا۔ تو پھر ان کے خون کے سلسلہ میں تجھ پر کوئی جرمانہ نہ پڑتا۔ اب جبکہ تو نے مجھے پیشگی اطلاع نہ دی اس لیے ان میں ہر ایک کے خون کا کفارہ ادا کر۔ اور وہ ایک کے بدلے میں ایک بکرا ہے۔ اور بکرا بھی ان سے بہتر ہے۔ تم غور کرو۔ کہ ان ناصبیوں کی دیت ان کے چھوٹے بھائی یعنی شکاری کتے سے بھی کم مقرر ہوئی۔ کیونکہ اس کی دیت بیس درہم ہے۔ اور ان کی دیت ان کے بڑے بھائی کی دیت کے برابر بھی نہیں۔ ان کا بڑا بھائی یہودی یا مجوسی ہے۔ ان کی دیت آٹھ درہم ہے۔ یہ تو دنیا میں ان کے

خون کا بدلہ ہوا۔ اور آخرت میں تو ان کی حالت بہت ذلیل اور رسوا ہوگی۔

فروعِ کافی:

عَنْ عَامِرِ بْنِ السَّمْطِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ مَاتَ فَخَرَجَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمَا یَمْشِیْ مَعَهٗ فَلَقِیَ مَوْلًی لَهٗ فَقَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَیْنَ تَذْهَبُ یَا فُلَانُ؟ قَالَ فَقَالَ لَهٗ مَوْلَاهُ اَفِرُّ مِنْ جَنَازَةِ هٰذَا الْمُنَافِقِ اَنْ اُصَلِّیَ عَلَیْهَا فَقَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اُنْظُرْ اَنْ تَقُوْمَ عَلٰی یَمِیْنِیْ فَمَا تَسْمَعُنِیْ اَقُوْلُ فَقُلْ مِثْلَهٗ فَلَمَّا اَنْ كَبَّرَ عَلَیْهِ وَلِیُّهٗ قَالَ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا عَبْدَكَ اَلْفَ لَعْنَةٍ مُّؤْتَلِفَةٍ غَیْرِ مُخْتَلِفَةٍ اَللّٰهُمَّ اَخْزِ عَبْدَكَ فِیْ عِبَادِكَ وَبِلَادِكَ وَاَصْلِهٖ حَرَّ نَارِكَ وَاَذِقْهُ اَشَدَّ عَذَابِكَ۔

(فروعِ کافی جلد سوم ص ۱۸۹ کتاب الجنائز
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عامر بن السمط بیان کرتا ہے۔ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ ایک منافق کے جنازے کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستہ میں آپ کو ایک غلام ملا۔ امام نے پوچھا۔ تو کدھر جا رہا ہے۔ کہنے لگا میں اس منافق کے

جنازے سے بھاگ رہا ہوں۔ یہ سن کر امام صاحب نے اُسے فرمایا اس کے جنازے سے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلو اور میرے ساتھ میری دائیں طرف کھڑے ہو کر اس کی نماز جنازہ پڑھنا۔ پھر جو میں پڑھوں گا۔ اُسے سن کر تم بھی وہی کہنا۔ جب میت کے ولی نے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ اکبر کہا۔ اور پھر بولے۔ اے اللہ! اس میت پر ہزار لعنت بھیج۔ اور وہ بھی ایک ایک کر کے نہیں بلکہ اکٹھی ہزار لعنتیں بھیج۔ اے اللہ! اس کو ذلیل و رسوا کر اپنے بندوں میں اور اپنے شہروں میں۔ اسے دوزخ کی آگ میں پہنچا اور اپنا سخت عذاب چکھا۔

حوالہ جات مذکورہ سے صراحۃً ثابت شدہ امور کی فہرست

۱۔ یہودی، عیسائی اور مشرک کے جھوٹے پانی سے سُنّی کا جھوٹا زیادہ گندا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سے زیادہ نجس کتا پیدا کیا۔ لیکن سنی کی نجاست اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

۳۔ سنی کو رشتہ دینا اور اس سے رشتہ لینا ائمہ اہل بیت کے حکم سے ناجائز اور حرام ہے۔

۴۔ ولد الزنا یعنی حرامی اگرچہ کتے اور خنزیر سے زیادہ بُرا ہے۔ لیکن سُنّی اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

۵۔ سنی کی نماز جنازہ میں شریک شیعہ دعائے مغفرت کی بجائے اس پر

لعنتیں بھیجتے ہیں۔

۶۔ اس کا قتل کرنا جائز اور اس کا مال و اسباب لوٹنا مباح ہے۔ اس کے لوٹے ہوئے مال کا پانچواں حصہ (خمس) بھی نکالا جائے گا۔

۷۔ شکاری کتا سنی کا چھوٹا بھائی اور یہودی و عیسائی اس کا بڑا بھائی ہے۔

۸۔ شکاری کتے کی دیت بیس درہم، مجوسی اور یہودی کی آٹھ درہم لیکن سنی کی دیت صرف ایک بکرا اور وہ بھی زیادہ ہے۔

۹۔ دُنیا میں اگرچہ سنی ذلیل ہے۔ لیکن قیامت کو اس کی ذلت دیدنی ہو گی۔

سنیو! آنکھیں کھولو:

امورِ مذکورہ ہم نے کتب شیعہ سے حوالہ جات کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک امر دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ اور ان میں ہر ایک سے اہل تشیع کی ہم اہل سنت کے ساتھ عداوت اور دشمنی واضح ہوتی ہے۔ یہودی، عیسائی، مجوسی ان کو ہم سے اچھے لگتے ہیں۔ کتے کی نجاست انہیں قبول لیکن سنی کا وجود اس سے بدتر، حرامی اچھا لیکن سنی بُرا، سنی کا قتل جائز اور مال لوٹنا غنیمت اور دنیا و آخرت میں ذلیل، نہ اس سے رشتہ لو نہ اس کو رشتہ دو۔ ان حالات میں کون سنی ان یہودی النسل (عبداللہ بن سبا یہودی کی معنوی اولاد) لوگوں کے لیے دِل میں محبت و الفت کے جذبات رکھتا ہو گا لیکن یہ بات بھی یاد رہے۔ کہ یہ سب خرافات ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہیں۔ حضرات ائمہ اہل بیت ان سے مبرا ہیں۔ آپ دیکھیں۔ کہ اگر سنی ایسے ہی ہیں۔ تو پھر اہل سنت کے امام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عقد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لختِ جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کیوں دیں؟ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے عقد میں دیں۔ ان بے ہودہ روایات میں ایک وہ بھی ہے۔ جو امام حسین کے ایک منافق کے جنازے میں شامل ہو کر اس کے لیے مغفرت کی بجائے لعنت بھیجنے کا واقعہ بیان کرتی ہے۔

قارئین کرام! امام حسین رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کا یہ حکم یاد نہ تھا۔ لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔ ان منافقین میں سے کسی کی ہمیشہ کے لیے نماز جنازہ ادا نہ کرنا اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ گویا اہل تشیع امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا تو اس حکم سے بے خبر ثابت کر رہے ہیں۔ یا پھر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا نافرمان۔ اور پھر یہ بھی کہا جا رہا ہے۔ کہ آپ نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی بجائے لعنت بھیجی تھی۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ آپ نے یہ بطور تقیہ کیا۔ ذرا سوچو۔ جس امام عالی مقام نے اپنی اور اپنے بہتر ساتھیوں کی شہادت قبول کر لی۔ لیکن تقیہ نہ کیا۔ اس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور جہالت کا ثبوت دیا۔ معاذ اللہ۔ حاشا و کلا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت اس بہتان سے پاک ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ "فقہ جعفریہ" امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ کی روایات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ایسے شاگردوں کا مجموعہ ہے۔ جو امام صاحب کے ہاں راندہ تھے۔ اور ان پر ائمہ نے خدا کی پھٹکار کی دعا کی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

مذکورہ چند حوالہ جات جن میں ناصبی کو نجس، بدترین مخلوق اور ذلیل و خوار کہا گیا۔ ہم نے اس کا ترجمہ "سنی" کیا ہے۔ شائد قارئین کرام اسے ناانصافی سمجھیں اس لیے چلتے چلتے ہم اس لفظ کا مصداق کتب شیعہ سے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ بات واضح ہو جائے کہ اہل تشیع اپنے ہاں ناصبی کسے کہتے ہیں۔

انوار نعمانیہ

فَالَّذِیْ ذَهَبَ اِلَيْهِ اَئِمَّةُ الْاَصْحَابِ هُوَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٖ مَنْ نَصَبَ الْعَدَاوَةَ لِاٰلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ تَظَاهَرَ بِبُغْضِهِمْ کَمَا هُوَ الْمَوْجُوْدُ فِی الْخَوَارِجِ وَبَعْضِ مَاوَرَآءِ النَّهْرِ وَرَتَّبُوا الْاَحْکَامَ فِیْ بَابِ الطَّهَارَةِ وَ النَّجَاسَةِ وَالْکُفْرِ وَالْاِیْمَانِ وَجَوَازِ النِّکَاحِ وَعَدَمِهٖ عَلَی النَّاصِبِیْ بِهٰذَا الْمَعْنٰی۔

وَقَدْ تَفَطَّنَ شَیْخُنَا الشَّهِیْدُ الثَّانِیْ قَدَّسَ اللّٰهُ رُوْحَهٗ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰی غَرَائِبِ الْاَخْبَارِ فَذَهَبَ اِلٰی اَنَّ

هُوَ الَّذِیْ نَصَبَ الْعَدَاوَةَ لِشِیْعَتِهٖ اَهْلِ الْبَیْتِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَتَظَاهَرَ بِالْمَدْ فُوْعِ فِیْهِمْ كَمَا هُوَحَالُ اَكْثَرِ الْمُخَالِفِیْنَ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الْاَعْصَارِ فِیْ كُلِّ الْاَمْصَارِ وَعَلٰی هٰذَا فَلَا یَخْرُجُ مِنَ النَّصَبِ سِوَی الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنْهُمْ وَالْمُقَلِّدِیْنَ وَالْبُلْهِ وَالنِّسَآءِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَهٰذَا الْمَعْنٰی هُوَ الْاَوْلٰی وَیَدُلُّ عَلَیْهِ مَا رَوَاهُ الصَّدُوْقُ

قدس الله رُوْحَهٗ فِیْ كِتَابِ عِلَلِ الشَّرَائِعِ بِاَسْنَادٍ مُعْتَبَرٍ عَنِ الصَّادِقِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لَیْسَ النَّاصِبُ مَنْ نَصَبَ لَنَا اَهْلَ الْبَیْتِ لِاَنَّكَ لَا تَجِدُ رَجُلًا یَّقُوْلُ اَنَا اُبْغِضُ مُحَمَّدًا وَاٰلَ مُحَمَّدٍ وَلٰكِنَّ النَّاصِبَ مَنْ نَّصَبَ لَكُمْ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّكُمْ تَتَوَلَّوْنَا وَاَنَّكُمْ مِنْ شِیْعَتِنَا وَفِیْ مَعْنَاهُ اَخْبَارٌ كَثِیْرَةٌ

وَقَدْ رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَلَامَةَ النَّوَاصِبِ تَقْدِیْمُ غَیْرِ عَلِیٍّ عَلَیْهِ وَهٰذِهٖ خَاصَّةٌ شَامِلَةٌ لَا خَاصَّةٌ وَیُمْكِنُ اِرْجَاعُهَا اَیْضًا اِلَی الْاَوَّلِ بِاَنْ تَكُوْنَ الْمُرَادُ تَقْدِیْمَ غَیْرِهٖ عَلَیْهِ عَلٰی وَجْهِ الْاِعْتِقَادِ وَالْجَزْمِ لِیَخْرُجَ الْمُقَلِّدُوْنَ وَالْمُسْتَضْعَفُوْنَ فَاِنَّ تَقْدِیْمَهُمْ غَیْرَهٗ عَلَیْهِ اِنَّمَا نَشَأَ مِنْ تَقْلِیْدِ عُلَمَآئِهِمْ وَاٰبَائِهِمْ وَاَسْلَافِهِمْ وَاِلَّا فَلَیْسَ لَهُمْ اِلَی الْاِطِّلَاعِ وَالْجَزْمِ بِهٰذَا سَبِیْلٌ۔

وَیُؤَیِّدُ هٰذَا الْمَعْنٰی اَنَّ الْاَئِمَّةَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَخَوَاصَّهُمْ

اَطْلَقُوْا لَفْظَ النَّاصِبِيْ عَلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَمْثَالِهٖ مَعَ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ لَمْ يَكُنْ مِمَّنْ نَصَبَ الْعَدَاوَةَ لِاَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بَلْ كَانَ لَهٗ اِنْقِطَاعٌ اِلَيْهِمْ وَكَانَ يَظْهَرُ لَهُمُ التَّوَدُّدَ نَعَمْ كَانَ يُخَالِفُ اٰرَائَهُمْ وَيَقُوْلُ قَالَ عَلِيٌّ وَاَنَا اَقُوْلُ وَمِنْ هٰذَا يَقْوِيْ قَوْلُ السَّيِّدِ الْمُرْتَضٰى وَابْنُ اِدْرِيْس قدس الله روحهما وَبَعْضِ مَشَائِخِنَا الْمُعَاصِرِيْنَ بِنَجَاسَةِ الْمُخَالِفِيْنَ كُلِّهِمْ نَظَرًا اِلٰى اِطْلَاقِ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ عَلَيْهِمْ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَتَنَا وَلَهُمْ هٰذَا اللَّفْظُ حَيْثُ يُطْلَقُ وَ لَا شَكَّ قَدْ تَحَقَّقْتَ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ نَوَاصِبُ بِهٰذَا الْمَعْنٰى ۔

(انوار نعمانیہ جلد دوم ص ۳۰۶ - تذکرہ
فی احوال الصوفیہ والنواصب
مطبوعہ تبریز طبع جدید)

ترجمہ:

ہمارے اکثر اصحاب کے مذہب کے مطابق ناصبی وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک سے عداوت رکھتا ہو۔ اور اُن سے بغض ظاہر کرتا ہو۔ جیسا کہ یہ بات خارجیوں میں پائی جاتی ہے اور کچھ لوگ ماوراء النہر کے رہنے والے بھی ایسے ہیں۔ اور جو احکامات طہارت و نجاست، کفر و ایمان اور نکاح کے جواز و عدم جواز کے لکھے گئے ہیں۔ وہ اس معنی کے ناصبی کے متعلق ہیں۔

شہید ثانی کو جسے غرائب اخبار پر اطلاع کی سمجھ عطا ہوئی ہے اس

کا مذہب یہ ہے۔ کہ ناصبی ہر وہ شخص ہے۔ جو آل بیت کے شیعوں سے عداوت رکھتا ہے۔ اور ان سے بغض کا اظہار کرتا ہے۔ جیسا کہ موجودہ دور میں ہمارے اکثر مخالفین کا یہ وصف ہے۔ اور تمام شہروں میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں۔" اگر ناصبی کی یہ تعریف مانی جائے تو پھر ناصبی کی اس تعریف سے وہی لوگ بچ سکیں گے۔ جو مقلدین، مستضعفین بے وقوف یا عورتیں ہیں۔ لیکن یہ معنی ہے بہت بہتر۔ اس معنی پر شیخ صدوق کی وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ جو اس نے اپنی کتاب علل الشرائع میں اسناد معتبرہ کے ساتھ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ناصبی وہ نہیں جو ہم اہلبیت کے ساتھ دشمنی کا اظہار کرتا ہو۔ کیونکہ تمہیں ایک شخص بھی ڈھونڈے سے ایسا نہ ملے گا۔ جو یہ کہتا ہو میں محمد اور آل محمد سے بغض و عداوت رکھتا ہوں۔ اس لیے ناصبی وہ ہے جو (اسے شیعیان علی) تمہارا دشمن ہو۔ کیونکہ اُسے علم ہے۔ کہ تم ہم اہل بیت سے دوستی رکھتے ہو۔ اور تم ہمارے شیعہ بھی ہو۔ (لہٰذا تمہیں اچھا نہ سمجھنے والا ناصبی ہے۔) اور اس پر بہت سی روایات بھی موجود ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ ناصبی کی علامت یہ ہے کہ وہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ پر دوسروں کو افضلیت دیتا ہو گا۔ اور آپ نے ناصبی کی جو یہ خاصیت اور علامت بیان فرمائی۔ یہ علامت کسی خاص طبقہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو بھی اس صفت سے موصوف ہو گا۔ وہ ناصبی ہو گا۔ اس روایت کو بھی ہم پہلے معنی کی طرف اس طرح لوٹا سکتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر کسی دوسرے کو فضیلت دینے والے کو ناصبی کہا۔ تو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ آدمی یہ عقیدہ رکھتا ہو۔ اور اُسے یقین ہو۔ کہ کوئی دوسرا شخص حضرت علی المرتضیٰ سے افضل ہے۔ اس مفہوم اور تاویل کی وجہ سے مقلدین اور متضعفین نکل جائیں گے۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ فلاں شخص حضرت علی المرتضیٰ سے افضل ہے۔ تو ان کا یہ کہنا اپنے علماء کی تقلید کی بنا پر ہوگا۔ اور اپنے آباؤ اجداد یا بزرگوں سے سننے پر ہوگا۔ ورنہ اس یقین اور عقیدہ پر اطلاع پانے کا اُن کے ہاں کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔

ناصبی کے اس معنی کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت اور ان کے مخصوص ساتھیوں نے امام ابوحنیفہ وغیرہ پر ناصبی کا اطلاق کیا ہے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ جو اہل بیت سے عداوت و بغض رکھتے ہوں۔ بلکہ امام ابوحنیفہ تو ایسے لوگوں سے دور رہتے رہے۔ اور خود آپ اہل بیت کے ساتھ محبت اور مودّت کا اظہار کرتے رہے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ ابوحنیفہ کچھ رائے اور قیاس میں اہل بیت کی مخالفت کرتے رہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ یُوں فرماتے ہیں اور میں یُوں کہتا ہوں۔ اس بات کو دیکھ کر سید مرتضیٰ اور ابن ادریس اور ان کے بعض ہم عصر مشائخ کے اس قول کی تقویت ہوتی ہے۔ کہ وہ اہل تشیع کے ہر مخالف کو نجس کہتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہ دیکھا۔ کہ ان مخالفین کے لیے کتاب و سنت میں مطلقاً کفر اور شرک کے الفاظ آئے ہیں۔ لہٰذا

جب کفر و شرک کا لفظ مطلقاً بولا جائے۔ تو ان سب کو وُہ شامل ہوتا ہے
اس لیے کہ ابھی تو تحقیق کر چکا ہے۔ کہ ان مخالفین میں اکثریت ناصبی لوگوں کی
تھی۔ جو اسی معنی کے اعتبار سے ہیں۔

خلاصہ:

ناصبی کا اطلاق تین معانی پر ہے۔

۱۔ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت رکھنے والا۔

۲۔ آل رسول کے شیعوں کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے والا۔ (نعمت اللہ جزائری کے نزدیک یہ معنی پہلے سے زیادہ اچھا ہے)

۳۔ جو حضرت علی المرتضیٰ پر کسی دوسرے کو افضلیت دے۔ (اسی معنی کے پیش نظر امام ابو حنیفہ ناصبی ہیں۔

لمحہ فکریہ:

"ناصبی" کا پہلا معنی یعنی جو شخص آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت رکھے۔ ایسے آدمی کے متعلق امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا ناصبی تو کوئی بھی نہیں نظر آئے گا۔ اس لیے اب ناصبی دو آخری تعریف والے رہ گئے یعنی اہل تشیع سے بغض و عداوت رکھنے والے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر دوسرے کو افضلیت دینے والے (اور یہ ہر دور میں بکثرت رہے ہیں۔ اور آج بھی موجود ہیں۔)
قارئین کرام! آپ پر یہ بات بخوبی عیاں ہو گئی ہو گی۔ کہ اہل تشیع سے عداوت اور بغض کن لوگوں کو ہے؟ صاف بات ہے۔ انہی لوگوں کو کہ جن سے ان کو عداوت اور بغض ہے۔ یعنی اہل سنت و جماعت اور اسی مفہوم کی تائید تفسیر

معنی بھی کرتا ہے۔ کیونکہ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ حضرات انبیائے کرام کے بعد سب سے افضل شخصیت صدیق اکبر پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی اور چوتھے مرتبہ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ سنیوں کو ان سے بغض و عداوت کیوں ہے؟ سو اس بارے میں عرض یہ ہے۔ کہ اہل تشیع جب حضرات شیخین اور سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کے بارے میں لعنت بھیجتے ہیں۔ اور انہیں خارج از اسلام کہتے ہیں۔ بلکہ ماسوائے چار پانچ صحابہ کرام کے بقیہ تمام کو معاذ اللہ مرتد قرار دیتے ہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و گستاخی کے مرتکب ہیں تو پھر کونسا سنی ان سے محبت کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع اپنی کتب میں جس کو "ناصبی" کہتے اور لکھتے ہیں۔ اس سے مراد "اہل سنت و جماعت" ہی ہیں۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں۔ کہ جن کے مذہب میں سنی کا وہ مقام ہے۔ جو گزشتہ حوالہ جات میں "ناصبی" کہہ کر بیان کیا گیا۔ ان سے سنیوں کی رشتہ داری کیا معنی رکھتی ہے؟

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارْ)

فصل

شرمگاہ کے ستر و پردہ کے کچھ مسائل

مرد اور عورت کو اپنی شرمگاہ کا ستر اور پردہ کرنا اہم امر ہے۔ اور سخت مجبوری کے علاوہ اس کا کھلا رکھنا یا کسی کو دکھانا جائز نہیں ہے۔ فقہ حنفی میں اسی ضمن میں ایک مسئلہ موجود ہے۔ کہ اگر کسی شخص کو استنجاء کی ضرورت ہے۔ لیکن ایسا مقام میسر نہیں جہاں کوئی نہ دیکھے۔ بلکہ لوگوں کے سامنے ہی استنجاء کر سکتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ لوگوں کے درمیان بیٹھ کر استنجاء کرے۔ اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بغیر استنجاء کے نماز پڑھے۔ اس کی اس حالت میں نماز ہو جائے گی کیونکہ استنجاء کرنا اگرچہ طہارت کا ایک طریقہ ہے۔ لیکن سنت ہے۔ اور بے پردہ ہونا حرام۔ لہذا اپنا پردہ قائم رکھے۔ لیکن "فقہ جعفریہ" میں اول تو پردہ کسی عضو کا ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اس پر عمل کرنا بڑا آسان ہے۔ صرف پیشاب اور پاخانہ کرنے کے دو عضو پردہ کے ماتحت ہیں۔ بقیہ کسی عضو کا پردہ فرض نہیں۔ اور ان

دونوں میں سے اوّل الذکر پر اگر ہاتھ رکھ لیا جائے تو پردہ ہوگیا۔ اور مؤخر الذکر خود بخود سرین کے دو حصوں میں چھپا ہوا ہے۔ اس پر ہاتھ رکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔
حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ ۱۷:

"ران" کا پردہ نہیں

من لا یحضرہ الفقیہ

وَقَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْفَخِذُ لَيْسَ مِنَ الْعَوْرَةِ۔

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۶۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ران پردہ کیے جانے والے اعضاء میں شامل نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۲:

پردہ صرف قبل اور دبر کا ہے۔ اور ان میں سے صرف قبل کا پردہ کرنا پڑتا ہے دوسرا خود بخود پردہ میں ہے

فروع الکافی

عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الْمَاضِی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ الْعَوْرَۃُ عَوْرَتَانِ اَلْقُبُلُ وَالدُّبُرُ فَاَمَّا الدُّبُرُ مَسْتُوْرٌ بِالْاِلْیَتَیْنِ فَاِذَا سَتَرْتَ الْقَضِیْبَ وَالْبَیْضَتَیْنِ فَقَدْ سَتَرْتَ الْعَوْرَۃَ وَقَالَ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی وَاَمَّا الدُّبُرُ فَقَدْ سَتَرَتْہُ الْاِلْیَتَانِ وَاَمَّا الْقُبُلُ فَاسْتُرْہُ بِیَدِکَ۔

(۱۔ فروع کافی جلد ۶ ص ۵۰۱ کتاب الزی والتجمل)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۳۶۵ کتاب الطہارۃ باب حد العورۃ الخ)

ترجمہ:
ابوالحسن کہتے ہیں۔ کہ قابلِ پردہ دو عضو ہیں۔ قبل اور دبر۔ ان میں سے

دُبر تو چوتڑوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ (لہٰذا اس کے پردہ کی کوئی ضرورت نہیں) پھر جب تو نے آلہ تناسل اور دو گولیوں کا پردہ کر لیا تو تُو نے اپنی شرمگاہ ڈھانپ لی۔ ایک اور روایت میں ہے۔ کہ دُبر کو تو دونوں چوتڑوں نے چھپا لیا ہے۔ اب اگر تُو نے قبل (ذکر وغیرہ) کا صرف پردہ کرنا ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے پردہ کرے۔

صرف قبل پر پردہ کافی ہے اور اتنا ہی پردہ امام جعفر صادق نے کیا

وسائل الشیعہ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَكِيْمٍ قَالَ الْمِيْثَمِيُّ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا قَالَ رَاَيْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْ مَنْ رَاٰهُ مُتَجَرِّدًا وَعَلٰى عَوْرَتِهٖ ثَوْبٌ فَقَالَ اِنَّ الْفَخِذَ لَيْسَ مِنَ الْعَوْرَةِ۔

(وسائل الشیعہ ص ۳۶۴ کتاب الطہارت ابواب آداب الحمام۔

ترجمہ:

الیثمی کہتا ہے۔ مجھے پتہ نہیں۔ بگریہ کریں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو ننگا دیکھا۔ یا اس شخص کو دیکھا کہ جس نے امام صاحب کو برہنہ دیکھا تھا۔ صرف ان کی مخصوص شرمگاہ پر کپڑا تھا۔ اور ران وغیرہ ننگے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو! ران اُن اعضاء میں شامل نہیں جن کا پردہ لازم ہے۔

مسئلہ ۴

قبل اور دبر کا پردہ ہاتھ رکھنے سے ہو جاتا ہے چاہے اپنا ہاتھ ہو یا اپنی بیوی کا

تحریر الوسیلہ

وَالْعَوْرَةُ فِي الْمَرْاَةِ هٰهُنَا الْقُبُلُ وَالدُّبُرُ۔ وَفِي الرَّجُلِ هُمَا مَعَ الْبَيْضَتَيْنِ وَلَيْسَ مِنْهُمَا الْفَخِذَانِ وَلَا الْاِلْيَتَانِ وَلَا الْعَانَةُ وَلَا الْعِجَانُ نَعَمْ فِي الشَّعْرِ النَّابِتِ اَطْرَافَ الْعَوْرَةِ الْاَحْوَطُ الْاِجْتِنَابُ الْاِجْتِنَابُ نَاظِرًا وَمَنْظُوْرًا وَيُسْتَحَبُّ سَتْرُ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَكْفِي السَّتْرُ بِكُلِّ مَا يَسْتُرُ وَلَوْ بِيَدِهٖ اَوْ

يَدِ زَوْجَتِهِ مَثَلًا ۔

(تحریر الوسیلہ ص ۱۵۰ جلد اول فصل فی احکام التخلی مطبوعہ تہران، طبع جدید)

ترجمہ:

عورت کو جن اعضاء کا پردہ کرنا چاہیئے وہ دو ہیں۔ ایک قبل اور دوسرا دُبر۔ اور مرد کے لیے ان دونوں کے علاوہ دونوں گولیاں بھی پردہ ہیں۔ ان دونوں اعضاء کے علاوہ ران، چوتڑ، زیرِ ناف جگہ پردہ میں شامل نہیں ہیں۔ ہاں وہ بال جو شرمگاہ کے ارد گرد اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں احتیاط یہی ہے۔ کہ دیکھنے اور دکھانے والا اسے نہ دیکھیں۔ (اگرچہ اعضاء پردہ میں شامل نہیں) اور ناف کا پردہ کرنا اور گھٹنے کا پردہ کرنا بہتر ہے۔ اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کا پردہ مستحب ہی ہے۔ جن اعضاء کا پردہ (قبل اور دُبر) ضروری ہے۔ وہ ان پر اپنا ہاتھ یا اپنی بیوی کا ہاتھ رکھنے سے پورا ہو جاتا ہے۔

نوٹ:

تحریر الوسیلہ انقلاب ایران کے رہنما اور اہل تشیع امام وقت روح اللہ الخمینی کی تصنیف ہے۔ جس کا احترام و عظمت ہر شیعہ پر لازم ہے۔

تبصرہ:

قارئین کرام! اعضائے پردہ کے بارے میں آپ نے حوالہ جات ملاحظہ

کیے۔ اوّل تو اہل تشیع کے نزدیک پردہ صرف دو عضو کا ہے۔ اور وہ بھی ایک خود بخود پردے میں ہے۔ اس لیے اُسے چھپانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اور دوسرا آلہ تناسل ہے کہ جس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا جائے یا اپنی بیوی کا پردہ ہو گیا۔ اگر پردہ کا فلسفہ اور سبب ضرورت دیکھا جائے۔ تو یہی بات سامنے آتی ہے۔ کہ پردہ اس لیے ضروری ہے۔ کہ اس سے ضروری حیاء قائم رہے۔ اور خواہشاتِ نفسانیہ کے بھڑکنے اور انگیخت کا مسئلہ نہ بنے۔ ران، ناف کا زیریں حصّہ، دونوں چوتڑ اور آلہ تناسل کے دائیں بائیں یہ سب وہ عضو ہیں۔ جو منبع شہوت ہیں۔ پھر عورت کا سینہ بھی ان کے نزدیک پردہ کا عضو نہیں گویا ان کے نزدیک شہوت اور خواہشات نفسانیہ کے اُبھرنے کے تمام مواقع کھلے چھوڑ دیے گئے۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر کہیئے۔ کون عقل مند یہ گوارا کرے گا۔ کہ اس کی بیٹی بیوی، ماں، بہن وغیرہ۔ صرف قبل پر ہاتھ رکھ باہر نہ سہی گھر میں ہی پھرے؟ فقہ جعفریہ کی علت غائیہ ہی نفس پرستی اور متعہ کے مواقع پیدا کرنا ہے۔ یہی ایک ممتاز عبادت ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے دنیا میں زنا کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ بلکہ زنا کا نام متعہ بن جائے گا۔ پردے کے ان احکام میں کس قدر بے حیائی ہے۔ یہاں تک لکھا ہے۔ کہ یہودی مرد عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بس اس قدر سمجھنا چاہیئے جیسا کہ کوئی گائے بھینس کی پیشاب کی جگہ دیکھ رہا ہے۔ ان کے مذہب میں بے حیائی بالکل کھلی چھٹی ہے۔ حاشا وکلا ائمہ اہل بیت پردہ کے اعضاء کے بارے میں یہ کچھ کہیں۔ اور پھر خود بھی ایسا ہی کریں۔ یہ سب ان پر بہتان ہیں۔ پچھلے حوالہ جات میں آپ نے آلۂ تناسل پر ہاتھ رکھنے سے پردہ ہو جانا پڑھا۔ لیجئے امام جعفر صادق نے اہل تشیع کے بقول اُس پر چونا لگا کر پردہ کا کام کیا تھا۔

٭

مسئلہ ۵

شرمگاہ پر چونا لیپ دیا جائے تو پردہ ہو جاتا ہے

من لا یحضرہ الفقیہ:

وَكَانَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَطْلِي فِي الْحَمَّامِ فَإِذَا بَلَغَ مَوْضِعَ الْعَوْرَةِ قَالَ لِلَّذِي يُطْلِي تَنَحَّ ثُمَّ يَطْلِي هُوَ ذَالِكَ الْمَوْضِعَ وَمَنْ اَطْلَى فَلَا بَأْسَ اَنْ يُلْقِيَ السِّتْرَ عَنْهُ لِاَنَّ النُّوْرَةَ سِتْرٌ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ ص ۳۷۸ کتاب الطہارۃ جلد اول)

(۲۔ فروع کافی جلد ششم ص ۵۰۲ کتاب الزی والتجمل)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ حمام میں چونے کا لیپ کیا کرتے تھے پھر جب ستر کی جگہ پہنچتے۔ تو اس شخص سے فرماتے جو آپ کا چونا لیپ کرنے والا ہوتا۔ ایک طرف ہو جاؤ۔ پھر خود اس مخصوص جگہ پر لیپ کر لیتے۔

اور فرماتے ۔ کہ جو شخص چونے کا لیپ کرانا چاہے۔ تو اسے شرمگاہ سے کپڑا اتار دینا چاہیئے۔ کیونکہ چونا بھی پردہ کا کام دیتا ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّافِقِيِّ فِيْ حَدِيْثٍ اَنَّهٗ دَخَلَ حَمَّامًا بِالْمَدِيْنَةِ فَاَخْبَرَهٗ صَاحِبُ الْحَمَّامِ اَنَّ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَدْخُلُهٗ فَيَبْدَاُ يَنْطَلِيْ عَانَتَهٗ وَمَا يَلِيْهَا ثُمَّ يَلُفُّ اِزَارَهٗ عَلٰى اَطْرَافِ اِحْلِيْلِهٖ وَيَدْعُوْنِيْ فَاُطْلِيْ سَائِرَ بَدَنِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ يَوْمًا مِّنَ الْاَيَّامِ اِنَّ الَّذِيْ تَكْرَهُ اَنْ اَرَاهُ قَدْ رَاَيْتُهٗ قَالَ كَلَّا اِنَّ النُّوْرَةَ سُتْرَةٌ سَتَرَةٌ :

(۱۔ وسائل الشیعہ صفحہ نمبر ۳۷۸ کتاب الطہارت)

(۲۔ فروع کافی جلد ۶ ص ۴۹۷ کتاب الزی والتجمل)

ترجمہ:

عبداللہ الرافقی کہتا ہے۔ کہ میں مدینہ منورہ کے ایک حمام میں گیا۔ مجھے حمام کے مالک نے بتلایا۔ کہ امام باقر رضی اللہ عنہ بھی یہاں آیا کرتے ہیں۔ آپ سب سے پہلے اپنی ناف کے نیچے والے بالوں وغیرہ پر چونے کا لیپ کرتے۔ پھر ایک کپڑا اپنے آلہ تناسل پر لپیٹ کر مجھے بلاتے۔ میں ان کے بقیہ جسم پر لیپ کرتا۔ ایک دن میں نے عرض کیا

وہ خاص عضو کہ جس کو آپ مجھے دکھانا پسند نہیں فرماتے۔ میں نے تو اُسے یقیناً دیکھ لیا ہے۔ فرمانے لگے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چونے نے اُس کو چھپا رکھا ہے۔ اور چونا بھی پردہ کا کام دے دیتا ہے۔

وسائل الشیعہ

اِنَّ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِيْزَرٍ قَالَ فَدَخَلَ ذَاتَ يَوْمٍ الْحَمَّامَ فَتَنَوَّرَ فَلَمَّا اَطْبَقَتِ النُّوْرَةُ عَلٰى بَدَنِهٖ اَلْقَى الْمِيْزَرَ فَقَالَ لَهٗ مَوْلًى لَهٗ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنَّكَ لَتُوْصِيْنَا بِالْمِيْزَرِ وَلُزُوْمِهٖ وَلَقَدْ اَلْقَيْتَهٗ عَلٰى نَفْسِكَ فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ النُّوْرَةَ قَدْ اَطْبَقَتِ الْعَوْرَةَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ ص ۳۷۸ کتاب الطہارۃ جلد اول)

(۲۔ فروع کافی جلد ششم صفحہ نمبر ۵۰۲ کتاب الزی والتجمل)

ترجمہ:

امام باقر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو۔ راوی کہتا ہے۔ کہ ایک دن امام باقر رضی اللہ عنہ حمام میں تشریف لے گئے۔ اور چونا لگایا

تو اپنا تہبند اتار پھینکا۔ یہ دیکھ کر ان کے ایک غلام نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ قربان! آپ ہمیں تہبند کے بارے میں وصیت فرماتے ہیں۔ اور اس کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں۔ اور خود آپ نے اپنے جسم سے اتار پھینکا ہے؟ فرمایا تمہیں پتہ نہیں۔ کہ چونا نے شرمگاہ کو ڈھانپ لیا ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ حَنَّانِ بْنِ سَدِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ فِيْ حَدِيْثٍ اَنَّهٗ دَخَلَ فَاِذَا فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَ مَعَهٗ ابْنُهٗ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَوَاهُ الصَّدُوْقُ بِاَسْنَادِهٖ عَنْ حَنَّانِ بْنِ سَدِيْرٍ ثُمَّ قَالَ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ اِطْلَاقٌ لِلْاِمَامِ اَنْ يَّدْخِلَ وَلَدَهٗ مَعَهُ الْحَمَّامَ دُوْنَ مَنْ لَيْسَ بِاِمَامٍ لِاَنَّ الْاِمَامَ مَعْصُوْمٌ فِيْ صِغَرِهٖ وَ كِبَرِهٖ لَا يَقَعُ مِنْهُ النَّظَرُ اِلَى الْعَوْرَةِ فِيْ حَمَّامٍ وَ لَا فِيْ غَيْرِهٖ۔

(وسائل الشیعہ جلد اول صفحہ نمبر ۳۸۰
کتاب الطھارۃ باب اجزاء ستر العورت
بالنورۃ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:
حنان بن سدیر اپنے والد سے روایت کرتا ہے۔ کہ جب میں حمام میں

داخل ہوا۔ تو میں نے اچانک دیکھا۔ کہ حمام میں امام زین العابدین اور ان کے فرزند امام باقر رضی اللہ عنہما موجود ہیں۔ صدوق نے اپنی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا۔ پھر لکھا۔ کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وقت کو اس امر کی اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے ساتھ حمام میں اپنے بچے کو لے جائے۔ لیکن کوئی دوسرا اندر نہیں جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام چھوٹی عمر اور بڑی عمر دونوں میں معصوم ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ حمام یا کسی اور جگہ شرمگاہ کی طرف دیکھے گا۔

لمحہ فکریہ

قارئین کرام! اہل تشیع کی معتبر کتابوں سے ہم نے چند حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ جن میں ان کے ہاں پردہ اور اس کے اعضاء کی تصریح ملتی ہے۔ پردہ ان کے ہاں برائے نام ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر اعضائے پردہ پر چونا لگا ہو یا اپنا ہاتھ رکھا ہو یا اپنی بیوی کا ہاتھ رکھا ہو۔ تو پردہ کی آیات و احادیث پر عمل ہو گیا۔ ایسے میں اگر کسی کی نظر پڑ جائے۔ تو نہ دیکھنے والا گناہ گار اور نہ دکھانے والا بے شرم! ابھی امام جعفر صادق اور ان کے والد گرامی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ انہوں نے صرف عضو مخصوص پر چونا لگا کر پردہ کر لیا تھا۔ ان کے دیگر جسم کے حصوں پر چونا لگانے والا حقیقت بیان کر رہا ہے۔ کہ جس کا پردہ کیا جا رہا ہے۔ اور جسے دیکھنے سے احتراز کی خاطر کچھ وقت کے لیے مجھے باہر بھیج دیا گیا۔ وہ تو مجھے نظر آ رہا ہے لیکن امام صاحب پھر بھی بضد ہیں۔ کہ بے وقوف! بکتے ہو۔ کچھ اور نظر آیا ہو گا۔ اس پر تو چونا لگا ہوا ہے۔ اور وہ پردے میں چھپا بیٹھا ہے۔ بے چارہ چپ ہو گیا۔ اور اپنا کام انجام دیتا رہا۔ خدا لگتی کہیئے۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت رضی

کے پردے کا یہ عالم تھا۔ کہ صرف آلۂ تناسل کا پردہ کرنا ضروری فرماتے رہے۔ اور دُبر کا اگرچہ پردہ ہے لیکن اس کا خود بخود بندوبست کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ اعضاء کا کوئی پردہ نہیں۔ حاشا وکلا۔ یہ شرم وحیاء کے پیکر اس قدر بے حیائی کی تعلیم ہرگز نہیں دے سکتے۔ یہ روایات واحادیث دراصل زرارہ اور ابوبصیر ایسے خناس لوگوں کی اختراع ہیں۔ جو اپنے دور میں ائمہ کے مبغوض وملعون تھے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں۔ کہ "فقہ جعفریہ" امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کے ارشادات کا نام نہیں ہے۔ پردہ کے ان مسائل پر عمل پیرا ہو کر اگر کوئی "مومن بھائی" زوجۂ خود کے ہمراہ بازار میں خرید وفروخت کے لیے جائے۔ یعنی بیوی نے اپنے خاوند کے آلۂ تناسل کو اپنا ہاتھ رکھ کر پردے میں کر لیا ہو۔ اور خاوند نے بیوی کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر اُسے نظروں سے اوجھل کر لیا ہو۔ بقیہ اعضاء کا چونکہ پردہ نہیں اس لیے سرتا پا ننگے ہو کر ذرا اِدھر اُدھر گھومیں پھریں۔ اگر لوگ اس عجیب کیفیت میں سربازار دونوں میاں بیوی کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جائیں۔ اور پوچھ بیٹھیں۔ یہ کیا ہے؟ تو انہیں صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ ہم "فقہ جعفریہ" کے پیرو ہیں۔ اور مسائل پردہ پر عمل کر رہے ہیں۔ اس پر وہ مجمع "فقہ جعفریہ" کی داد دے گا۔ اور اس کی تشہیر کا بہترین موقع مل جائے گا۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ)

فقہ جعفریہ میں وضو اور غسل کے چند مسائل

مسئلہ ۱

عورت کی دُبر میں وطی کرنے سے نہ اس کا روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی اس پر غسل کا وجوب۔

وسائل الشیعہ

عن الحلبی قَالَ سُئِلَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ علیہ السلام عَنِ الرَّجُلِ یُصِیْبُ الْمَرْاَۃَ فِیْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ اَعَلَیْھَا الْغُسْلُ اِنْ ھُوَ اَنْزَلَ وَلَمْ تُنْزِلْ ھِیَ؟ قَالَ لَیْسَ عَلَیْھَا الْغُسْلُ وَاِنْ لَمْ یُنْزِلْ ھُوَ فَلَیْسَ عَلَیْہِ الْغُسْلُ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد اوّل ص ۴۸۱)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد اوّل ص ۱۲۹)

(۳۔ استبصار جلد ۱ ص ۱۱۲ مطبوعات تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حلبی بیان کرتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایسے مرد کے بارے میں پوچھا گیا جو عورت کی شرمگاہ کے علاوہ کسی اور جگہ (دُبر میں) خواہش نفس پوری کرتا ہے۔ کیا اس پر غسل لازم ہو گا۔ اگر مرد کو انزال ہو جائے۔ اور عورت کو انزال نہ ہو؟ فرمایا۔ اس عورت پر غسل لازم نہیں۔ اور اگر مرد کو بھی انزال نہ ہوا ہو تو اس پر بھی غسل واجب نہیں ہے۔

وسائل الشیعہ:

عن احمد بن محمد عن بعض الکوفیین یرفعہ الی ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یاتی المرأۃ فی دبرھا وھی صائمۃ قال لا ینقض صومھا ولیس علیھا غسل۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱
ص ۴۸۱ / ابواب الجنابۃ۔

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کچھ کوفی لوگ یہ حدیث مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔ کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ اس کی دُبر میں خواہش نفس پوری کرتا ہے۔ اور عورت مذکورہ حالتِ روزہ میں ہو تو۔ اس عورت کا نہ روزہ ٹوٹتا ہے۔ اور نہ اس پر غسل لازم آتا ہے۔

المبسوط:

فَاَمَّا اِذَا اَدْخَلَ ذَكَرَهٗ فِيْ دُبُرِ الْمَرْاَةِ اَوِ الْغُلَامِ فَلِاَ صْحَابِنَا فِيْهِ رِوَايَتَانِ اِحْدَاهُمَا يَجِبُ الْغُسْلُ عَلَيْهِمَا وَالثَّانِيَةُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِمَا فَاِنْ اَنْزَلَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ بِمَكَانِ الْاِنْزَالِ فَاَمَّا اِذَا دَخَلَ ذَكَرَهٗ فِيْ فَرْجِ بَهِيْمَةٍ اَوْ حَيَوَانٍ اٰخَرَ فَلَا نَصَّ فِيْهِ فَيَنْبَغِيْ اَنْ تَكُوْنَ الْمَذْهَبُ اِلَّا يَتَعَلَّقَ بِهِ الْغُسْلُ لِعَدَمِ الدَّلِيْلِ الشَّرْعِيِّ عَلَيْهِ وَالْاَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ۔

(المبسوط جلد اص ۲۷ کتاب الطہارت
فصل فی ذکر غسل الجنابۃ الخ)

ترجمہ:

جب کوئی مرد اپنا آلۂ تناسل عورت یا لڑکے کی دُبر میں داخل کرتا ہے تو ہمارے اصحاب سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں پہلی یہ کہ ان دونوں پر غسل واجب ہے۔ اور دوسری یہ کہ ان میں سے کسی پر بھی واجب نہیں ہے۔ پھر اگر ان میں سے کسی کو انزال ہو گیا۔ تو اس انزال کی وجہ سے اس پر غسل لازم ہو گا۔ اور اگر کسی نے بے زبان چوپائے یا کسی اور حیوان کی شرمگاہ میں آلۂ تناسل داخل کیا۔ تو اس بارے میں کوئی دو ٹوک مسئلہ نہیں ہے۔ پس ہمارا مذہب یہ

ہونا چاہیئے کہ اس طریقہ پر غسل لازم نہ ہو۔ کیونکہ غسل کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ اور اصل یہ ہے۔ کہ دلیل شرعی کے بغیر ہر شخص کو بری الذمہ قرار دیا جائے۔

تبصرہ:

"فقہ جعفریہ"، اپنے ماننے والوں کی بڑی ہمدرد ہے۔ اور بہت سے آڑے اوقات میں کام آتی ہے۔ دیکھئے ناموسم ہو سردی کا، خواہش نفس ہر زوروں پر اور پانی گرم کرنے یا ملنے کی توقع بھی نہ ہو۔ تو ایسے میں "ہم خرما و ہم ثواب"، کے مصداق اپنی زوجہ محترمہ سے اُلٹا ہو نے کو کہیں۔ اور اگر بہانہ بنائے کہ میں روزہ سے ہوں۔ تو پہلے سے "وسائل الشیعہ"، کا نسخہ ہاتھ میں تھام لیں۔ فوراً امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی حدیث پڑھ کر سنائیں۔ اور اس سے کہیں۔ کہ اے خوش بخت! امام کی نافرمان ہو کر جہنم میں جانا چاہتی ہو۔ پس وہ تعارض چھوڑ دے گی۔ اور پھر تم اس پر وار کرنے کے لیے کپڑے اتار پھینکو اور زیر قان کر اس پر حملہ آور ہو جاؤ۔ جب سب کچھ کر کے فارغ ہو جاؤ۔ تو نہ غسل نہ روزہ ٹوٹنے کا خطرہ۔ بتلائیے کتنی مہربان ہے آپ پر فقہ جعفریہ۔ اور اگر کسی وقت بیوی بے چاری ہاتھ نہ لگے۔ تو بے زبان چار ٹانگوں والی مخلوق اس آڑے وقت میں "مشکل کشائی"، کر دے گی۔ اس کے بعد "بری الذمہ" ہونے کی سند تمہارے پاس ہے ہی۔ قارئین کرام! یہ مسائل اور امام باقر جعفر صادق رضی کی شخصیات؟ کیا کوئی صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ مسائل ان ائمہ اہل بیت کے فرمودات میں سے ہیں۔ جن پر طہارت ناز کرتی ہے۔ ہمیں پھر یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان پاکیزہ شخصیات کو بدنام کرنے کی ایک گھناؤنی یہودی سازش ہے۔ اللہ تعالیٰ حق پہچاننے اور اُسے قبول کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ آمین

مسئلہ ۲

اُڑنے والے تمام جانوروں کی بیٹ پاک ہے
نیز حلال جانوروں اور چوپایوں کا گوبر و پیشاب پاک ہے

الفقہ علی المذاہب الخمسہ

وَقَالَ الْاِمَامِيَّةُ فُضَلَاتُ الطُّيُوْرِ الْمَاكُوْلَةِ كُلِّهَا وَغَيْرِ الْمَاكُوْلَةِ طَاهِرٌ وَكَذَا كُلُّ حَيَوَانٍ لَيْسَ لَهٗ دَمٌ سَائِلٌ مَاكُوْلًا كَانَ اَوْ غَيْرَ مَاكُوْلٍ اَمَّا مَا لَهٗ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فَاِنْ كَانَ مَاكُوْلًا كَالْاِبِلِ وَالْغَنَمِ فَفُضْلَتُهٗ طَاهِرَةٌ وَاِنْ كَانَ غَيْرَ مَاكُوْلِ اللَّحْمِ كَالذِّئْبِ وَالسَّبُعِ فَنَجِسَةٌ وَكُلُّ مَا يَشُكُّ بِاَنَّهٗ مَاكُوْلٌ اَوْ غَيْرَ مَاكُوْلٍ فَفُضْلَتُهٗ طَاهِرَةٌ وَقَالَ الْحَنَفِيَّةُ فُضَلَاتُ

الْحَيَوَانِ غَيْرِ الطَّائِرِ كَالْإِبِلِ وَالْغَنَمِ نَجِسَةٌ أَمَّا الطَّائِرُ فَإِنْ كَانَ يَذْرُقُ الْهَوَاءَ كَالْحَمَامِ وَالْعُصْفُورِ فَطَاهِرٌ وَإِنْ كَانَ يَذْرُقُ فِي الْاَرْضِ كَالدَّجَاجِ وَالْإِوَزِّ فَنَجِسَةٌ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ صفحہ ۲۵
مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

اہل تشیع کہتے ہیں۔ کہ تمام پرندوں کی بیٹ چاہے وہ حلال ہوں یا حرام، پاک ہے۔ اسی طرح ہر وُہ ذی روح کہ جس میں بہنے والا خون نہیں وہ بھی چاہے حلال ہو چاہے حرام اس کی بیٹ پاک ہے لیکن جن میں بہنے والا خون ہے۔ پھر اگر اُن کا گوشت کھایا جاتا ہے یعنی وہ حلال ہیں۔ جیسا کہ اونٹ، بکریاں بھیڑیں وغیرہ تو ان کا بول وبراز پاک ہے۔ اور ہر وُہ جانور جس میں بہنے والا خون ہو۔ اور اُس کے بارے میں حلال وحرام ہونے کا شک ہو۔ تو اس کے فضلات طاہر ہیں۔ احناف کا مسلک یہ ہے۔ کہ پرندوں کو چھوڑ کر دوسرے حیوانات کا بول وبراز نجس ہے۔ بہر حال پرندے اگر ہوا میں اڑتے اڑتے بیٹ کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ کبوتر اور چڑیا تو ان کی بیٹ طاہر ہے۔ اور اگر زمین پر بیٹھ کر یا چل کر بیٹ کرتے ہوں جیسا کہ مرغ اور بطخ تو ان کی بیٹ نجس ہے۔

☆

مسئلہ ۳

سجدۂ تلاوت کے لیے وضو کی ضرورت نہیں ہے۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ:

سُجُوْدُ التِّلَاوَۃِ وَ الشُّکْرِ تَجِبُ لَھُمَا الطَّھَارَۃُ عِنْدَ الْاَرْبَعِ وَ یَسْتَحِبُّ عِنْدَ الْاِمَامِیَّۃِ

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص ۳۲)

ترجمہ:

سجدۂ تلاوت اور شکر ادا کرنے کے لیے باوضو ہونا چاروں ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔ لیکن شیعوں کے نزدیک بہتر ہے۔

لمحہ فکریہ:

قارئین کرام! سجدۂ تلاوت ایک مقصود عبادت ہے۔ اس کے ذریعہ

آدمی اللہ کے حضور انتہائی عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ اسی لیے اس کے لیے طہارت کا ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن فقہ جعفریہ میں اس کے لیے طہارت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں۔ کہ آیت سجدہ پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ جب پڑھنے والا آیات سجدہ میں سے کسی کی تلاوت کرتا ہے۔ تو اس پر اس کی ادائیگی لازمی ہو جاتی ہے۔ اور فوراً کرے گا۔ تو اس سے پہلے تلاوت کر رہا ہوگا۔ اب اگر سجدہ تلاوت کے لیے طہارت کی شرط نہ لگائی جائے۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ سجدہ تلاوت بغیر وضو جائز ہے۔ حالانکہ سجدہ تلاوت مخصوص عبادت ہے جو بغیر وضو ادا نہیں ہو سکتی۔

فقہ جعفریہ میں حالتِ پاخانہ میں آیۃ الکرسی پڑھنا جائز ہے

المبسوط:

وَلَا يُقْرَءُ الْقُرْاٰنُ عَلٰى حَالِ الْغَائِطِ اِلَّا اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ۔

(المبسوط جلد ۱ کتاب الطہارت ص ۱۸)

ترجمہ:

پاخانہ کرتے وقت آیۃ الکرسی کے سوا قرآن کی تلاوت نہ کی جائے۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَقْطِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فِي الْحَمَّامِ وَاَنْكِحُ فِيْهِ؟ قَالَ لَا بَاْسَ۔

(وسائل الشیعہ ص ۲۴۷ کتاب الطہارت)

ترجمہ:

علی بن یقطین کہتا ہے۔ میں نے امام ابوالحسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا میں حمام میں قرآن پڑھ سکتا ہوں۔ اور نکاح کر سکتا ہوں؟ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔

تبصرہ:

مذکورہ دو حوالہ جات سے معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع کے نزدیک تلاوت قرآن کے لیے نہ تو جگہ کا صاف ستھرا اور پاک ہونا ضروری ہے۔ اور نہ ہی تلاوت کرنے والے کا پاک ہونا اور کپڑے پہنے ہوئے ہونا ضروری ہے "المبسوط" میں آیۃ الکرسی کو چھوڑ کر پاخانہ کرنے کی حالت میں بقیہ قرآن کریم میں سے کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس فرق کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ آیت الکرسی اس قرآن میں نہ ہو۔ جو امام قائم غار میں لیے بیٹھے ہیں۔ اور یہ صرف حضرت عثمان غنی کے جمع کردہ قرآن ہی کی مخصوص آیت ہو۔ ورنہ آیت الکرسی قرآن کریم کی ایک مستقل آیت ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو باقی قرآن کریم کا ہے۔ آپ غور فرمائیں۔ پاخانہ اور غسل کرتے وقت آدمی بے پردہ ہوتا ہے۔ اور فرشتے (کراماً کاتبین) بھی اس سے وقتی طور پر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں کوئی وظیفہ یا آیت قرآنیہ کی تلاوت کی اجازت دے کر "فقہ جعفریہ" نے تمغۂ جراءت حاصل نہیں کیا۔؟ ایک طرف یہ بے حیائی اور دوسری طرف امام ائمہ اہل بیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نظر سے گزرتا ہے۔ کہ "علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔" تو سخت حیرانی ہوتی ہے۔ کہ یہ نام نہاد محبان علی قرآن کریم کو حمام میں پڑھنے کی اجازت دے رہے ہیں حقیقت یہ ہے۔

کہ ایسی باتیں اور ایسی رعائتیں ائمہ اہل بیت ہرگز نہیں دے سکتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب روایات ان کے دشمنوں کی ایجاد ہیں۔ اور بدنام امام کو کیا جا رہا ہے۔ اسی پر ظالموں نے بس نہ کی۔ بلکہ دو چار قدم اور چھلانگ لگائی۔ اور رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ملاحظہ ہو۔

وسائل الشیعہ

عَنْ زُرَارَةَ وَمُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ اَلْحَائِضُ وَالْجُنُبُ یَقْرَءُ شَیْئًا؟ قَالَ نَعَمْ مَا شَاءَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ کتاب الطہارت جلد اول ص ۲۲۰)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد اول ص ۱۲۹ تذکرہ حکم الجنابت الخ)

ترجمہ:

زرارہ اور محمد بن مسلم دونوں امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ سے حیض والی عورت اور جنبی شخص کے بارے میں پوچھا گیا۔ کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں۔ جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

وسائل الشیعہ

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِی الْحَلَبِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَاَلْتُہٗ

اَتَقْرَءُ النُّفَسَاءُ وَالْحَائِضُ وَالْجُنُبُ وَالرَّجُلُ يَتَغَوَّطُ الْقُرْاٰنَ ؟ قَالَ يَقْرَؤُنَ مَا شَاءُوْا۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۲۲۱
ابواب احکام الخلوۃ)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد اول ص ۱۲۸)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جب عبید اللہ بن علی حلبی نے پوچھا کہ کیا حیض و نفاس والی عورتیں، جنبی اور ٹٹی کرنے والا ان حالات میں ہوتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں؟ فرمایا جو چاہیں پڑھیں۔ (کوئی منع نہیں ہے۔)

تہذیب الاحکام

عن الفضیل بن یسار عن ابی جعفر علیہ السلام قَالَ لَا بَأْسَ اَنْ تَتْلُوَ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ الْقُرْاٰنَ۔

(تہذیب الاحکام جلد اول ص ۱۲۸
تذکرہ حکم الجنابۃ وصفۃ
الطہارۃ منہا مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

فضیل بن یسار کہتا ہے۔ کہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حیض و نفاس والی عورت اور جنبی آدمی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تبصرہ:

ان حوالہ جات سے حیض و نفاس اور جنابت کی حالت میں جو چاہیں قرآن کریم پڑھیں کھلی چھٹی مل گئی ہے۔ گزشتہ حوالہ میں پاخانہ کرنے کی حالت میں صرف آیۃ الکرسی کا ذکر تھا۔ "وسائل الشیعہ" میں بات واضح کردی گئی۔ کہ صرف آیۃ الکرسی ہی نہیں۔ بلکہ پورے قرآن میں سے جو مرضی ہو پڑھنا جائز ہے حیض ایسی بیماری ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بوجہ عدم طہارت عورت پر نماز معاف کردی روزہ معطل کردیا۔ اور اسی طرح نفاس بھی پلیدی کا دور ہے۔ اور جنابت بھی از روئے قرآن ناپاکی ہے۔ یعنی جسم انسانی (مرد ہو یا عورت) کی ناپاکی کی جو بھی صورت ہو سکتی ہے۔ اور بے پردگی کی جو بھی صورت بن سکتی ہے۔ ان تمام میں اہل تشیع کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ کوئی بھی عقلمند ان مسائل کو دیکھ کر یہی کہہ سکتا ہے کہ ان حالات و اوقات میں تلاوت کرنے والا دراصل قرآن کریم کی توہین کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اہل تشیع کو شاید یہ دکھ ہے۔ کہ

یہ قرآن جس کے ان حالات میں پڑھنے کی بات ہو رہی ہے۔ وہ قرآن نہیں۔ جو اصلی اور غیر محرف ہے۔ اس تحریف شدہ نامکمل قرآن کو پڑھنے سے کیا خرابی ہو سکتی ہے۔ جبکہ یہ قرآن ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ بہانہ محض بہانہ ہے کیونکہ ان حوالہ جات میں کہیں بھی "محرف قرآن" کو ان حالات میں پڑھنے کی بات نہیں۔ (اگرچہ موجودہ قرآن ہی کو واقعی محرف مانتے کہتے اور لکھتے ہیں) لہٰذا معلوم ہوا کہ ان مسائل کے ذریعہ اہل تشیع نے قرآن کریم کی سخت توہین کی ہے۔ اور پھر کمال ڈھٹائی سے ان باتوں کا انتساب امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی طرف کردیا ہے۔ حالانکہ یہ ائمہ اہل بیت ان بکواسات سے مبرا اور منزہ ہیں۔

ہم پھر کہتے ہیں۔ کہ ایسی بے حیا روایات ان بے حیاؤں کی اختراع ہیں۔ جن پر ان اماموں نے پھٹکار کی ہے۔ لہٰذا "فقہ جعفریہ" ان ائمہ کی نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کی ایجاد ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ)

خون اور پیپ وغیرہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ

اَلْخَارِجُ مِنَ الْبَدَنِ غَیْرِ السَّبِیْلَیْنِ کَالدَّمِ وَالْقَیْحِ لَا یَنْقُضُ الْوُضُوْءَ عِنْدَ الْاِمَامِیَّۃِ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص۲۲)

ترجمہ:

سبیلین (دبر اور ذکر) کے سوا جسم سے کوئی چیز نکلے۔ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ خون پیپ وغیرہ۔ یہ اہل تشیع کا مسلک ہے۔

لمحہ فکریہ:

خون اور پیپ کے متعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ائمہ اہل بیت

اور ائمہ اہل سنت سے یہ منقول ہے۔ کہ جب یہ دونوں جسم سے نکل کر بہہ نکلیں تو ان سے وضو جاتا رہتا ہے۔ لیکن "فقہ جعفریہ" میں ان کو ناقض وضو شمار نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت کچھ اور فرماتے ہیں۔ اور فقہ جعفریہ کچھ اور کہتی ہے ہے۔ ہم مندرجہ ذیل حوالہ جات سے اپنے دعوے پر دلیل پیش کرتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

الہدایہ

اَلنَّاقِضَۃُ لِلْوُضُوْءِ کُلُّ مَا یَخْرُجُ مِنَ السَّبِیْلَیْنِ وَالدَّمُ وَالْقَیْحُ اِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَا اِلٰی مَوْضِعٍ یَلْحِقُہٗ حُکْمُ التَّطْہِیْرِ وَالْقَیُّ مِلْءُ الْفَمِ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْوُضُوْءُ مِنْ کُلِّ دَمٍ سَائِلٍ وَقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ قَاءَ اَوْ رَعَفَ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّأْ وَلْیَبْنِ عَلٰی صَلٰوتِہٖ مَا لَمْ یَتَکَلَّمْ۔

(ہدایہ اوّلین فصل فی نواقض الوضوء ص ۸
مطبوعہ قرآن کمپنی کراچی)

ترجمہ:

ہر وہ چیز جو سبیلین سے نکلے وضوء کو توڑ دیتی ہے۔ اور خون و پیپ جب جسم سے نکل کر ایسی جگہ کی طرف پھیل جائیں جسے پاک رہنے کا حکم (کسی نہ کسی صورت میں) دیا جاتا ہے۔ یہ بھی وضوء کو توڑ دیتے ہیں۔ اور منہ بھر کر قے بھی ناقض وضوء ہے۔ دلیل یہ ہے۔ کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر بہنے والے خون سے (جب وہ جسم سے نکل کر بہہ نکلے) وضو کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (جب کوئی شخص طہارت والی عبادت کرنا چاہیئے) اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے قے کی یا اس کی دوران نماز نکسیر پھوٹ گئی۔ تو وہ نماز وہیں چھوڑ کر وضو کرنے چلا جائے۔ اور واپس آکر پہلی نماز سے (آگے) رہی ہوئی نماز شروع کر دے جبکہ اس دوران اس نے گفتگو نہ کی ہو۔

وسائل الشیعہ

عن ابی عبیدۃ الخزاعن ابی عبد اللہ علیہ السلام قَالَ الرُّعَافُ وَالْقَیُٔ وَالتَّخْلِیْلُ یَسِیْلُ الدَّمُ اِذَا اسْتَکْرَہْتَ شَیْئًا یَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَاِنْ لَمْ تَسْتَکْرِھْهُ لَمْ یَنْقُضِ الْوُضُوْءَ۔

(وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۸۷

کتاب الطہارت)

ترجمہ:

ابو عبیدہ خزا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ نکسیر، قے اور دانتوں کا خلال کہ جس سے خون نکل آئے ان میں سے کسی کو اگر تو اچھا نہ سمجھے تو وہ وضو توڑ دے گی۔ اور اگر تجھے کراہت نہ آئے۔ تو پھر وضو نہیں ٹوٹے گا۔

لمحہ فکریہ:

"ہدایہ" کی عبارت میں اہل سنت کا مسلک بیان ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث صاحب ہدایہ نے بطور دلیل پیش کیں۔ اسی طرح وسائل الشیعہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بھی خون اور قے کے متعلق یہی فرمایا۔ کہ ناقض وضو ہیں۔ اب "فقہ جعفریہ" کی دورنگی کا کیا بنے گا؟ ایک جگہ ان دونوں کو غیر ناقض وضو اور دوسری جگہ ناقض وضو کہا گیا ہے۔ وسائل الشیعہ میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا صریح قول ہے۔ جو ان دونوں کو غیر ناقض بتاتا ہے۔ اس لیے اگر "فقہ جعفریہ" امام جعفر صادق کے اقوال و ارشادات کا مجموعہ ہوتی۔ تو اس میں یہ دورنگی نظر نہ آتی۔ اس لیے یہ نام کے اعتبار سے تو ان کی طرف منسوب ہے۔ لیکن مسائل اِس کے کسی اور نے گھڑ کر درج کیے ہیں۔

ایک فریب اور اس کا ازالہ:

اہل تشیع کے سامنے جب وسائل الشیعہ کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔

وسائل الشیعہ:

اَقُوْلُ حَمَلَهَا الشَّیْخُ عَلَی التَّقِیَّةِ لِمُوَافَقَتِهَا لِلْعَامَّةِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱ ص ۱۸۷
کتاب الطہارت)

ترجمہ:

یعنی یہ روایت تقیہ پر محمول ہے۔ تاکہ اس طرح عام (سنیوں) لوگوں سے موافقت ہو سکے۔

اس فریب کا جواب یہ ہے۔ کہ اسے تقیہ پر محمول کرنا "جھوٹ" ہے۔ اور جھوٹ بولنے والے کے بارے میں "منتہی الآمال" کی عبارت کے مطابق یہ فتویٰ ہے۔ کہ اس نے حقیقی ماں سے ستر مرتبہ زنا کیا۔ بلکہ یہ گناہ کم اور جھوٹ کا زیادہ ہے۔ جھوٹ اس لیے کہ اگر روایتِ مذکورہ کو یُوں کہا جائے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ بات تقیہ کے طور پر یعنی ڈرتے ہوئے کہی تھی۔ تو پھر دین کے احکام کی صحت اور عدمِ صحت کا کون سا طریقہ باقی رہ جائے گا۔ امام صاحب دین کا مسئلہ بتانے میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ حالانکہ اہل تشیع کے نزدیک امام صاحب کا مقام و مرتبہ نبی سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ انبیاء بھی معصوم اور ائمہ اہل بیت بھی معصوم! پھر جھوٹ بولنا کیا عصمت کو باقی رہنے دے گا۔ نہج البلاغہ ص ۲۲۲ خطبہ نمبر ۴۷ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وصیت اور وہ حکم جو آپ نے حسنین کریمین کو دیا تھا۔ ان ظالموں کو اس کا بھی پاس نہ رہا۔ آپ نے فرمایا تھا "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہرگز نہ چھوڑنا اگر ایسا کرو گے تو شریر لوگ تم پر مسلط کر دیے جائیں گے۔ پھر تم دعا مانگو گے لیکن وہ قبول نہ ہو گی۔" یہ حکم اور وصیت حسنین کریمین کے ذریعہ تمام ائمہ اہل بیت کے لیے ہے۔ اب اس کے ہوتے ہوئے یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ایک غلط کام کو جائز کہہ کر پیش کریں۔ اور محض سنیوں کی موافقت کی وجہ سے قرآن و سنت اور اپنے دادا جان کے حکم کی قطعی پرواہ نہ کریں۔ ادھر جب امام جعفر صادق کے زمانہ کی طرف ہم نظر دوڑاتے ہیں۔ تو اہل تشیع ہی اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ ان کے زمانہ میں "تقیہ" کو اٹھا کر پھینک دیا گیا تھا۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس خول سے نکل کر شیعہ مسلک کی ترویج و تعلیم میں مشغول ہو گیا تھا۔ ایسے دور میں امام جعفر پر "تقیہ باز" ثابت کرنے کو ان کی محبت کا حق ادا کیا جا رہا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ پر "تقیہ" کا فتوی بھی ایک افتراء ہے۔ جس طرح "فقہ جعفریہ" پوری کی پوری بطور افتراء امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ اس لیے خون جاری اور منہ بھر کر قے سے وضو کا ٹوٹنا متفق علیہ ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ

تھوک اور ایک دو قطروں سے استنجاء ہو سکتا ہے

تہذیب الاحکام

عن نشیط بن صالح عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قَالَ سَأَلْتُهُ كَمْ يُجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ مِنَ الْبَوْلِ؟ فَقَالَ بِمِثْلَيْهِ مَا عَلَى الْحَشَفَةِ مِنَ الْبَلَلِ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد اول
ص ۳۵ باب فی الاحداث)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد اوّل
صفحہ ۲۴۲)

ترجمہ:

نشیط بن صالح کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی

سے پوچھا۔ پیشاب کرنے کے بعد استنجاء کرنے کے لیے کتنا پانی کافی ہوگا؟ فرمایا آنا جتنا ذکر کے سرے (سپاری) پر پیشاب لگا ہے۔

تبصرہ:

پیشاب کرتے وقت چونکہ ذکر کے سوارخ سے پیشاب سیدھا باہر گرتا ہے نکلتے اور ختم ہوتے وقت ایک آدھ قطرہ ذکر کے سوارخ پر پھیل جائے۔ تو ممکن ہے اب اگر استنجاء کرنا ہے۔ تو پانی کی اتنی ہی مقدار کافی ہے یعنی اگر تھوڑا سا تھوک ہاتھ پر ڈال کر آلۂ تناسل پر لگا دیا گیا۔ یا ایک آدھ آنسو یا پانی کا قطرہ اس پر لگا دیا گیا۔ تو "مومن بھائی" کا استنجاء ہو گیا۔ نہ معلوم یہ استنجا کس طرح ہو گیا۔ ایک آدھ قطرہ پانی کا ملا۔ تو ان دونوں سے مزید جگہ ناپاک ہونے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ عقل کے اندھوں کو یہ بھی نہ پتہ چل سکا۔ کہ اس طرح تو ناپاکی بڑھ جائے گی۔ لیکن اس سے انہیں کیا نقصان؟ خالص پیشاب کے قطرے اگر پنڈلی تک پہنچ جائیں تو بھی طہارت ہی طہارت ہے۔ یہ رعائت آپ کو کسی اور فقہ میں نہ ملے گی۔

الاستبصار:

عن ابن البختری عن ابی عبد الله السلام فی الرّجل یَبُوْلُ قَالَ یَنْتُرُهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ اِنْ سَالَ حَتّٰی یَبْلُغَ السَّاقَ فَلَا یُبَالِیْ۔

(الاستبصار جلد اول ص ۴۹
باب مقدار ما یجزی من الماء
فی الاستنجاء الخ)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ابن بختری روایت کرتا ہے۔ کہ پیشاب کرنے والے آدمی کے بارے میں امام صاحب نے فرمایا۔ پیشاب کے بعد اُسے تین مرتبہ نچوڑ لے۔ پھر اگر اس کے بعد پیشاب اس کی پنڈلی تک کو سیراب کر دے۔ تو کوئی پرواہ نہ کرے۔ (یعنی اس سے جسم کی طہارت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

تبصرہ:

روایت بالا میں آپ نے دیکھا۔ کہ پیشاب کے بعد بہنے والے قطرے اگر پنڈلی تک پہنچ جائیں۔ تو اندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ اگر اتنی رعائت ہے۔ تو پھر پہلے "ارشاد" کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ یعنی استنجاء کے لیے اتنا ہی پانی کافی ہے۔ جتنا پیشاب آلہ تناسل پر لگا ہے۔ کیونکہ آلہ تناسل پر لگنے والا پیشاب بہرحال اس سے کم ہوگا۔ جو وہاں سے چلا اور پنڈلی تک سیراب کرتا آیا۔ اس قدر سیرابی والا پیشاب معاف ہے اور استنجاء کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو ایک قطرہ پانی کی کیا ضرورت رہے گی۔

اپنے گھر کی خبر لیجئے!

اس دور کے ایک شیعی "حجۃ الاسلام" غلام حسین نجفی نے اپنی تصنیف "حقیقت فقہ حنفیہ" ص ۸۵ پر لکھا ہے۔ "اگر حنفی احباب استبراء کے لیے آلہ تناسل آخر ہر روز کھینچتے رہیں۔ تو پھر کسی طلاء کے استعمال کی ضرورت نہیں ہے۔ امام اعظم کی برکت سے آلہ تناسل آخر عمر تک گھوڑے کے آلہ تناسل کے برابر ہو جائے گا۔"

احناف پر مذاق اڑانا صرف اس وجہ سے کہ ان کے ہاں پیشاب کے بعد تین دفعہ استبراء کرنا تاکہ ذکر کی سوراخ میں اٹکے ہوئے قطراتِ بول نکل آئیں۔ اگر درست ہے۔ تو پھر یہی عبارت ہو بہو صرف دو جگہ الفاظ تبدیل کر کے اسے بھی یوں پڑھا جائے گا۔
اگر شیعہ احباب.........امام جعفر صادق کی برکت سے.........
کیونکہ تین دفعہ اہل تشیع کو امام جعفر صادق رضی نے بھی نچوڑنے کا حکم دیا ہے۔
اس کا مزید ار جواب ہم دوسری جگہ ذکر کر چکے ہیں۔ قارئین کرام وہاں پڑھ کر حقیقت حال سے بخوبی واقف ہو جائیں گے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

وضوء سے متعلقہ چند مباحث

وضو میں پاؤں کا مسح نہیں دھونا ہے

چند فروعی مسائل میں اہل تشیع کے مغالطے اور ان کے جوابات

شیعوں کا مغالطہ:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔

(پ٦ ع٦)

ترجمہ:

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اور مسح کرو۔ اپنے سروں کا اور دھوؤ اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک۔

استدلال :

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے وضو کے چار فرائض کا ذکر فرمایا۔ لیکن جس انداز سے بیان کیا گیا۔ وہ دو مختلف انداز ہیں۔ ایک حکم "دھونے کا" ہے۔ اور دوسرا "مسح کرنے" کا ہے۔ دھونے کے حکم کے تحت دو اعضاء ذکر کیے۔ ۱۔ منہ۔ ۲۔ ہاتھ کہنیوں تک۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان دو اعضاء کے دھونے کا حکم ہے۔ دوسرا حکم مسح کرنے کا تو اس کے تحت بھی دو ہی اعضاء ذکر کیے۔ ۱۔ سر۔ ۲۔ پاؤں۔ جس سے صاف مطلب یہ ہے۔ کہ سر اور پاؤں کو دھونے کا نہیں بلکہ ان پر مسح کرنے کا حکم ہے اگر مسح کے تحت ذکر ہونے والے دوسرے عضو یعنی پاؤں کے دھونے کا حکم ہوتا تو پھر اس کا ذکر یہاں مسح کے تحت نہ ہوتا۔ بلکہ دھونے والے اعضاء میں مذکور ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قرآن پاک میں مذکور ترتیب پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کیا جائے۔ ورنہ ترتیب میں تحریف لازم آئے گی۔ لہٰذا اہل سنت جو پاؤں کو وضو کرتے وقت مسح کی بجائے دھوتے ہیں۔ یہ ترتیب قرآنی اور ترکیب نحوی دونوں کے خلاف ہے۔ اس لیے ترتیب کی رعایت اور قانون نحوی کی صحت اس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ پاؤں پر مسح کیا جائے۔ اور یہی اہل تشیع کا معمول ہے۔

جواب اوّل

آیت مذکورہ کو جب ہم نے اس قرآن مجید میں دیکھا۔ جو شیعوں نے چھاپا۔ اُس کا ترجمہ کیا۔ تو ایک شیعی مترجم کے ترجمہ سے خود اس کی وضاحت ہو جائے گی۔ کہ کیا تھا اور کیا بن گیا؟

کسی شیعی مطبع میں طبع شدہ قرآن پاک کے اس مقام وآیت میں مذکور لفظ "اَرْجُلَكُمْ"، حرف لام مفتوح کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ اور اسی حرکت کے ساتھ قرأت مشہورہ بھی آئی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ کیا گیا۔ "اور دھوؤ اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک" تو اس سے بات خود بخود واضح ہو گئی۔ کہ پاؤں کے دھونے کا ہی حکم ہے۔ اگر یہ حکم نہ تھا۔ تو ترجمہ ایسا کیوں کیا گیا؟

اگر اس لفظ کے "ولام"، پر فتحہ پڑھی جائے۔ اور اس کا عطف "بِرُؤُسِكُمْ"، پر ڈالا جائے۔ تو اس صورت میں نحوی ترکیب کیا ہو گی؟ اس کا آسان اور سیدھا سا جواب یہی ہے۔ کہ اس عطف کی صورت میں "اَرْجُلِكُمْ"، (یعنی راء کی کسرہ کے ساتھ) پڑھا جائے گا۔ کیونکہ علم نحو کا مسلّمہ ضابطہ ہے۔ کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک جیسا ہوتا ہے۔ تو جب خود اہل تشیع کے چھپے ہوئے قرآن پاک میں "اَرْجُلَكُمْ"، لام مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر کہ اس لفظ کا عطف "برؤسکم"، پر نہیں۔ بلکہ "وجوھکم"، پر ہے جو فعل "فاغسلوا"

کا معمول (مفعول بہ) ہے۔ یہی روایت مشہورہ بھی ہے۔ اور اسی کو اہل تشیع نے بھی اختیار کیا۔

قرآن کریم میں مسح کی حدبندی کہیں نہیں کی گئی۔ تو اس آیت میں کیوں

جواب دوم

قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی اللہ رب العزت نے "مسح" کا ذکر فرمایا۔ اس کی حد کہیں بھی لفظ "الیٰ" کے ساتھ مذکور نہیں۔ ایک دو مقامات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدًا طیبًا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم۔

(پ۵-ع-۳)

ترجمہ:
پھر تمہیں پانی میسر نہ آئے۔ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ سو اپنے چہروں اور بازوؤں کا مسح کرو۔

۲۔

فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدًا طیبًا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ

(پ۶ ع۶)

ترجمہ: پھر تمہیں پانی میسر نہ آئے۔ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ سو اپنے چہروں اور

بازوؤں کا اُس سے مسح کرو۔

ان دو عدد مذکورہ آیات قرآنیہ کے انداز بیان سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں مسح کا ذکر فرمایا۔ وہاں لفظ "والیٰ" کے ساتھ اس کی حد بندی نہیں فرمائی لیکن اس کے برخلاف جہاں لفظ "غسل" مذکور فرمایا۔ تو وہاں ان اشیاء (اعضاء) کو ان کے دھونے کا ذکر ہے۔ ان میں ابہام کے پیش نظر وضاحت کی خاطر حد بندی فرمائی اور لفظ "والیٰ" کا ذکر فرمایا۔ اس انداز بیان سے بھی معلوم ہوا۔ کہ پاؤں کا شرعی دھونے کا حکم ہے۔ نہ کہ مسح کرنے کا۔

وضاحت

"وُجُوْهَكُمْ" کا مفرد "وَجْهٌ" ہے۔ جس کا معنی "چہرہ" ہے۔ یعنی ٹھوڑی سے اوپر سر کے بالوں تک اور دونوں کانوں کی لو کے درمیان کا حصہ ہے۔ اس لفظ کے مصداق میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اسی ابہام کے نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی لفظ "الیٰ" سے اس کی تحدید (انتہائے غایت) نہیں بیان فرمائی لیکن اس کے خلاف "ایدیکم اور ارجلکم" میں یَدٌ اور رِجْلٌ اپنے مصداق کے اعتبار سے ابہام رکھتے ہیں۔ لفظ "یَدٌ" کا اطلاق ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کندھے تک اور لفظ "رِجْلٌ" پاؤں کے تلوے سے گھٹنے تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔ اس ابہام کے دور کرنے کے لیے دونوں جگہ لفظ "الیٰ" سے ان دونوں اعضاء کی تحدید کی گئی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ارجلکم الی الکعبین فرما کر اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ پاؤں کے دھونے کا حکم تلووں سے ٹخنے تک ہے۔ اس قرآنی استعمال نے یہ بات واضح کر دی۔ کہ اگر پاؤں کے دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنے کا

حکم ہوتا۔ تو لفظ "اِلیٰ" سے اس کی تحدید نہ ہوتی۔ جب کہ تیمم میں اللہ تعالیٰ نے "ایدیکم" کو "اِلیٰ" سے مقید نہ فرما کر یہ بھی بتلا دیا۔ کہ مسح اور تیمم میں "اِلیٰ" سے مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آئیے! خود اہل تشیع کی کتب سے اس کی تائید و توثیق ملاحظہ کریں۔ اہل تشیع کی ایک معتبر اور متداول تفسیر "مجمع البیان" میں علامہ طبرسی یوں رقمطراز ہے۔

ہر دور میں وضو کے اندر پاؤں دھونے پر ہی علماء کا اتفاق رہا ہے اور پاؤں خشک رہنے پر بارشاد نبی علیہ السلام عذاب جہنم ہے

مجمع البیان:

وَ اَمَّا الْقِرَآءَةُ بِالنَّصْبِ فَقَالُوْا فِيْهِ اَنَّهٗ مَعْطُوْفٌ عَلٰى اَيْدِيْكُمْ لِاَنَّا رَاَيْنَا فُقَهَآءَ الْاَمْصَارِ عَمِلُوْا عَلَى الْغَسْلِ دُوْنَ الْمَسْحِ وَلِمَا رُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَاٰى قَوْمًا تَوَضَّئُوْا وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ فَقَالَ وَيْلٌ لِّلْعَوَاقِبِ

مِنَ النَّارِ ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد دوم جزء سوم
ص ۱۶۵ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

(لفظ ارجلکم کی) نصب کے ساتھ قرأت کے بارے میں مفسرین کرام نے فرمایا۔ کہ اس صورت میں اس کا عطف ”وایدیکم“ پر ہوگا۔ (جس کی وجہ سے وہ فاغسلوا“ امر کا مفعول بہ بنے گا۔) اور ہاتھوں کی طرح پاؤں کے بھی دھونے کا حکم ہوگا نہ کہ مسح کرنے کا) کیونکہ ہر دور کے فقہاء کرام کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ (اس آیت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے) پاؤں کو دھوتے ہیں۔ مسح نہیں کرتے۔ اور دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو وضو کرتے دیکھا۔ اور وضو کرتے وقت پاؤں کی ایڑیاں نہ دھلنے کی وجہ سے سفید سی نظر آرہی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”وایسی ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے تباہی اور ہلاکت ہے۔“

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے وضو کرتے وقت بوجہ ایڑیوں کے خشک رہنے پر وعید شدید فرمائی۔ اس میں تو صرف ایڑیاں خشک رہی تھیں۔ پاؤں کا باقی حصہ ان لوگوں نے دھویا تھا۔ جس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا۔ کہ پاؤں کے دھوتے میں احتیاط سے کام نہ لینے والوں کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ لیکن جو لوگ پاؤں کو سرے سے دھوتے ہی نہیں۔ بلکہ مسح کرتے ہیں ان کے متعلق آپ خود قیاس کریں۔ کہ کیا انجام ہوگا؟ اور ان کا یہ فعل کس قدر باعث

باعث اجتناب و نفرت ہے؟

مغالطہ نمبر ۲:

"تیمم" وضو کا نائب ہے۔ یعنی جب کسی وجہ سے وضو نہ ہو سکے۔ تو پھر طہارت کے حصول کے لیے تیمم کرنے کا حکم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اصل (وضو) میں ہاتھ اور منہ دھوئے جاتے ہیں۔ اور سر کا مسح کیا جاتا ہے۔ ان تینوں امور پر سب کا اتفاق ہے۔ اب نائب (تیمم) کو لیجئے۔ چونکہ وہ خود مسح ہے۔ لہذا جو اصل (وضو) میں مسح کے ذریعہ فرض ادا ہوتا تھا۔ وہ نائب (تیمم) میں ساقط ہو گیا۔ لہذا تیمم میں سر کا مسح کرنا ساقط ہو گیا۔ اس کے علاوہ وہ دونوں عضو کہ جن کے دھونے کا بالاتفاق حکم تھا۔ اب تیمم میں ان پر مسح کرنا فرض قرار دیا گیا۔ لہذا ان دونوں حقیقتوں کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔ کہ اگر وضو میں پاؤں دھونے کا ہی حکم ہوتا۔ تو تیمم کے وقت ان پر مسح کرنے کا حکم ہوتا۔ جس طرح کہ باقی دو اعضاء کے اوپر مسح کرنے کا حکم ہے۔ کہ جنہیں وضو میں دھونے کا کہا گیا تھا۔ تیمم میں پاؤں پر مسح کا حکم نہ ہونا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ دوران وضو پاؤں پر مسح کرنے کا حکم تھا۔ تبھی تو اس پر دوران تیمم مسح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

جواب:-

معترض نے جو یہ کہا۔ کہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے۔ ہم اس میں مزید وسعت کرتے ہیں۔ اور تیمم کو وضو کے علاوہ غسل کے بھی قائم مقام سمجھتے ہیں۔ اس پر بھی اہل سنت کی طرح اہل تشیع بھی متفق ہیں۔ یعنی اگر مکمل جسم ظاہری کی ناپاکی دور کرنا مقصود ہو لیکن ایسا ناپاک جسم والا پانی کے استعمال پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو۔ تو اس کے لیے بھی پاکیزگی

کے حصول کا طریقہ تیمم ہی ہے۔ اِس تیمم (جو کہ مکمل جسم ظاہری کی طہارت کے لیے کیا جائے۔) اور اُس تیمم (جو کہ صرف بے وضو شخص طہارت صغریٰ کے لیے کرے) میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا اس تنقیحات کے بعد ہم معترض سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ غسل جنابت وغیرہ میں جب کہ تمام اعضاء ظاہری کا دھونا فرض ہوتا ہے۔ تو اس کے قائم مقام تیمم میں تمام ظاہری جسم کا مسح کیوں فرض نہیں؟ حالانکہ تمہارے ضابطہ کے تحت ایسا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جو جواب تمہارا وہی جواب ہمارا ہے۔

بہر حال اس الزامی جواب سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی۔ کہ تیمم میں مسح کرنے کو دو غسل اعضاء، کے قائم مقام قرار دینا قیاس فاسد ہے۔

اہل تشیع کے وضو کی ترتیب

اہل تشیع کے ہاں وضو کی ترتیب یوں ہے۔ وہ پاؤں سے شروع کرنا۔ اور پھر دیگر اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا،، ان لوگوں کا صرف ترتیب وضو میں ہی قرآن و حدیث سے اختلاف نہیں۔ بلکہ اور بھی بہت سی باتیں ان کے ہاں اُلٹی ہیں قرآن و حدیث میں وضو کی ترتیب یوں ہے۔ وہ پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ کہنیوں تک پھر سر کا مسح اور آخر میں پاؤں دھونا۔ لیکن ان کی ترتیب میں پاؤں سب سے پہلے۔ مقام حیرت ہے۔ کہ ان لوگوں کو اللہ اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت سے آخر کیوں دشمنی ہے؟ جس چیز کا یہ حکم دیں۔ اُس کا یہ الٹ کریں گے جیسا اُن کا عمل ثابت اِن کا عمل اس کے خلاف۔ انہوں نے سفید لباس کو پسند فرمایا۔ اور پہننے کو کہا۔ یہ اس کے بالکل الٹ سیاہ لباس پسند کریں۔ اور اسی

فرعونی اور جہنمی لباس کو زیب تن کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ داڑھی بڑھاؤ۔ اور مونچھیں پست رکھو۔ ان کی داڑھی غائب اور مونچھیں اس طرح کہ کسی پگڈنڈی پر جنگلی گھاس اُگی ہو۔ بعینہٖ وضو میں بھی ان کا یہی طریقہ اور وطیرہ ہے۔ ہم اس بات کی تائید کے لیے انہی کی کتاب سے وضو کی وہ ترتیب پیش کرتے ہیں۔ جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اہل سُنّت کی ترتیب وضو نبی اور علی والی ترتیب ہے

الاستبصار:

عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اٰبَائِهٖ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ جَلَسْتُ اَتَوَضَّأُ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ حِيْنَ اِبْتَدَأْتُ فِي الْوُضُوْءِ فَقَالَ لِيْ تَمَضْمَضْ وَاسْتَنْشِقْ وَاسْتَنَّ ثُمَّ غَسَلْتُ ثَلَاثًا فَقَالَ قَدْ يُجْزِيْكَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَّتَانِ فَغَسَلْتُ ذِرَاعَيَّ وَمَسَحْتُ بِرَأْسِيْ مَرَّتَيْنِ فَقَالَ قَدْ يُجْزِيْكَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَّةُ وَغَسَلْتُ قَدَمَيَّ فَقَالَ لِيْ يَا عَلِيُّ خَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ لَا

تَخَلِّلُ بِالنَّارِ۔

(۱-الاستبصار جلد اول ص ۶۵-۶۶
باب وجوب المسح علی
الرجلین مطبوعہ تہران طبع جدید
(۲-تہذیب الاحکام جلد اول
ص ۹۲- فی صفۃ الوضوء
والفرض منہ الخ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت زید بن علی اپنے آباؤ اجداد رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں ایک دفعہ بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ ابھی میں نے وضو شروع ہی کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کلی کرو۔ اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کرو۔ پھر میں نے تین مرتبہ منہ دھویا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ دو دفعہ ہی کافی تھا۔ پھر میں نے اپنے دونوں بازو دھوئے۔ اور اپنے سر کا دو مرتبہ مسح کیا۔ آپ نے فرمایا ایک دفعہ ہی کافی تھا۔ پھر میں نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے علی! انگلیوں کے درمیان خلال۔ اللہ تمہیں آگ کے خلال سے بچائے گا۔

لمحہ فکریہ:

اہل تشیع کی کتب حدیث (صحاح اربعہ) میں سے ایک ایسی سند سے

جو اہل بیت کی ہے۔ ہم نے روایت بیان کرتے ہوئے خود ان کی زبانی وضو کا طریقہ ذکر کیا۔ یہ طریقہ اس شخصیت کے وضو کا ہے۔ جو تمام اہل بیت کے جد اعلیٰ اور خلیفۃ المسلمین امیر المومنین ہیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ اس وضو کا معائنہ فرمانے والے خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ غور فرمائیں۔ کہ وضو کرنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اس کی تائید و توثیق نبی آخر الزمان حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو۔ اس سے زیادہ صحیح اور معتبر کونسا وضو ہو سکتا ہے۔؟ یہ صحیح ترین اور کامل ترین وضو ترتیب اور کیفیت کے اعتبار سے وہی ہے۔ جس پر اہل سنت کاربند ہیں۔ آپ دیکھیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ نے وضو کی ابتدا کلی اور منہ میں پانی ڈالنے سے فرمائی۔ اور سب سے آخر پاؤں کو دھویا۔ اور پاؤں پر مسح نہ فرمایا۔ ابتدا ہاتھ دھونے سے اور انتہا پاؤں دھونے پر کس وضو کی ترتیب ہے؟ اہل سنت کے ہاں معمول وضو کی یا اہل تشیع کے ہاں معمول وضو کی؟ اس واضح طریقہ پر ترتیب وضو کے بعد اب اگر کوئی اس کے خلاف چلتا ہے۔ تو آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ ایسا کرنے والا "محب علی" اور "متبع نبی" کہلا سکتا ہے۔؟

یہ جو روایت ہم نے اہل تشیع کی معتبر کتاب سے نقل کی۔ اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل وضو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا معائنہ فرمانے والے ہیں۔ ایک اور روایت دیکھئے۔ کہ جس میں وضو فرمانے والے خود صاحب شرع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اس وضو کو دیکھنے کی سعادت حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کی ابتداء ہاتھ دھونے سے اور انتہا پاؤں دھونے پر کرتے تھے

امالی طوسی:

عَلٰی رِسْلِكَ حَتّٰى اَخْرُجَ اِلَیْكَ فَدَخَلَ عَلَیْهَا (اَیْ فَاطِمَةَ) فَقَامَتْ اِلَیْهِ وَاَخَذَتْ رِدَاءَهٗ وَنَزَعَتْ نَعْلَیْهِ وَاَتَتْهُ بِالْوُضُوْءِ فَوَضَّأَتْهُ بِیَدِهَا وَغَسَلَتْ رِجْلَیْهِ ثُمَّ قَعَدَتْ۔

(امالی الشیخ الطوسی جلد اول ص ۳۸
مطبوعہ قم ایران طبع جدید)

ترجمہ:

(سیدنا حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ جب بارگاہِ رسالت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کے لیے تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ٹھہرو! کہ میں فاطمہ سے مشورہ کرکے واپس آؤں۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خاتون جنت کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدہ دیکھتے ہی کھڑی ہوگئیں۔ اور آپ کی چادر مبارک ہاتھوں میں لے لی۔ آپ کے نعلین مبارک اتارے۔ اور اس کے بعد وضوء کے لیے پانی بھر کر برتن لے آئیں۔ پھر اپنے ہاتھوں سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ اور آپ کے پاؤں مبارک

دھوئے۔ پھر فراغت پا اٹھ کھڑی ہوگئیں۔

حدیث بالا سے معلوم ہوا۔ کہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ وضو کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس طریقہ میں انہیں یہی معلوم تھا۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے آخر میں پاؤں شریف دھویا کرتے تھے۔ تو سیدہ نے آپ کے پاؤں مبارک دھوئے۔ اور وہ بھی سب سے آخر میں تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف بھی یہی تھا۔ کہ آپ ابتداء (وضو کی) ہاتھوں کے دھونے سے اور انتہاء پاؤں پر فرماتے تھے۔ اور پاؤں کو آخر میں دھوتے تھے۔ نہ کہ مسح کرتے تھے۔ اور یہی طریقہ اہل سنت نے اپنایا ہے۔

مذکورہ تین روایات کے نقل میں خیانت کا اعتراض

اہل تشیع کی کتب سے جو روایات مذکور ہوئیں۔ ناقل نے ان میں خیانت سے کام لیا ہے۔ جس قدر الفاظ سے نقل کرنے والے کا مقصد پورا ہوتا تھا۔ وہ لکھ دیئے۔ لیکن جن الفاظ سے اس مقصد پر زد پڑتی تھی۔ وہ از روئے خیانت چھوڑ دیئے۔ الفاظ زائدہ یہ ہیں۔

فَهٰذَا الْخَبَرُ مُوَافِقٌ لِلْعَامَّةِ قَدْ وَرَدَ مَوْرِدَ التَّقِيَّةِ

ترجمہ:

یہ خبر چونکہ عوام (اہل سنت وجماعت) کے مذہب کے موافق ہے اس لیے یہ تقیہ پر محمول ہوگی۔

ان الفاظ سے معلوم ہوا۔ کہ ایسا عمل بطور تقیہ تھا۔ جو ہم پر حجت نہیں بن سکتا؟

جواب:

مثل مشہور ہے "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت بیان کرنے پر خیانت خود اہل تشیع نے کی۔ اور الزام ہم پر تھوپ دیا۔ فھذا الخبر موافق (الخ) تم خود ہی اس کے بارے میں بتلاؤ۔ کہ یہ حدیث مذکور کا حصہ ہے؟ یا کتاب کے مصنف "ملا طوسی" کا اضافہ ہے؟ یہ حقیقت ہے۔ کہ یہ الفاظ، الفاظ حدیث نہیں۔ بلکہ مصنف کا اپنا خیال و عقیدہ ہے۔ "ملا طوسی" کے خیال کو ائمہ اہل بیت کی روایت کا حصہ قرار دینا کتنی بڑی جسارت ہے۔ اور کتنی بھیانک خیانت ہے۔ جس کا ارتکاب تم نے کیا۔ اور الزام ہم پر دھر مارا۔؟
بلفرض محال اگر ان الفاظ کو حدیث کا حصہ ہی تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی تمہارا مقصد نکلتا نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی اس جملہ سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔ نقل کے خلاف اس لیے کہ ہم اس سے قبل تمہاری کتب سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وضو کے طریقہ کو ذکر کر چکے۔ اور عقل کے تسلیم نہ کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ خود کتب شیعہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں "و تقیہ" پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ مجمع البیان وغیرہ کتب کا حوالہ گزر چکا ہے۔ اس وضاحت کے بعد یہ کیونکر ممکن کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خاتونِ جنت نے جو وضو کرایا۔ وہ بھی تقیہ کے طور پر تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیکھتے دیکھتے جو وضو کیا۔ وہ بھی بطور تقیہ تھا۔؟
ایک اور بات غور طلب ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وضو

درست یا غلط ہونا اس کا دارومدار کس بات پر ہے؟ کیا اہل سنت کی مطابقت پر ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اتباع پر؟ ہر ذی عقل یہی کہے گا۔ کہ ان کے وضوء کی صحت اور عدم صحت کا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہے۔ تو اس حقیقت کے پیش نظر حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ وضوء کریں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کا معائنہ فرما رہے ہوں۔ اور یوں وہ وضو مکمل ہو تو اس وضوء کے صحیح اور درست ہونے میں کیا کوئی شک و شبہ باقی رہ سکتا ہے۔؟

رہی یہ بات کہ چونکہ روایات مذکورہ اہل سنت وجماعت کے طریقہ وضوء کی تائید کرتی ہیں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق ہیں۔ اس لیے قابل قبول نہیں۔ تو پھر ہم تمہارے اسی ضابطہ اور اصل کو تم پر لاگو کرتے ہوئے یہ کہیں گے۔ کہ اے اہل تشیع! تمہیں ہر اس بات وعمل میں مخالفت کرنی چاہیئے۔ جو اہل سنت کا معمول ہو۔ اگر وہ "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں۔ تو تمہیں اس کے خلاف کہنا چاہیئے اگر وہ "لا الہ الا اللہ" کہتے ہیں۔ تو تمہیں کچھ اور کہنا چاہیئے۔ اگر وہ اللہ کے دیئے میں سے حلال وطیب کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں۔ تو تمہیں وہ سب حرام کر لینے چاہئیں۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ تم ایسا نہ کرتے ہو۔ اور نہ کرنے پر تیار۔ ہاں کھاہے بنگاہے کڑوا سمجھ کر تھوک دینا اور میٹھا جان کر ہڑپ کر جانا تمہاری دیرینہ عادت ہے۔ اس بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟

اور نیچے اتر کر ہم یہ بھی تھوڑے سے وقت کے لیے تسلیم کیے لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ بطور تقیہ کیا گیا۔ لیکن ہم اس سلسلہ میں یہ ضرور پوچھنے کی جسارت کریں گے۔ کہ آخر تقیہ کا تمہارے ہاں معیار کیا ہے۔ کب اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی نہ کوئی تو اس کا موقع ومحل ہوتا ہوگا اور کسی نہ کسی سبب وعلت کی وجہ سے تم اس کے قائل ہو گئے ہو گے؟ ہمیں کم از کم یہی بتلا دیں۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی

وضو فرما رہے ہوں۔ اور انہیں دیکھنے والے صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا وہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہوں۔ اور انہیں وضو کرانے والی سیدہ خاتونِ جنت ہوں۔ کوئی تیسرا اجنبی یا بیگانہ وہاں نہ تھا۔ تو پھر ایسے میں کس کے ڈر سے حقیقت کو چھپا کر تقیہ پر عمل کیا جا رہا ہے؟

ہم اعلان کرتے ہیں۔ کہ اے ملتِ شیعہ! شیخ صدوق کے من گھڑت الفاظ کا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے عمل شریف سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ ہاں اگر تم میں سے کسی میں یہ ہمت ہے۔ کہ کوئی ایک صحیح روایت ایسی دکھا دے۔ کہ جس میں خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یا بابِ مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے وضو کے بارے میں یہ فرمایا ہو۔ کہ ہمارا یہ وضو بطور تقیہ تھا۔ لہٰذا غلط اور باطل ہے حقیقی وضو کی ترتیب یہ نہیں۔ بلکہ اور ہے۔ تو ایسے ہر ایک حوالہ پر دس ہزار روپے نقد وصول کریں۔

اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ مذکورہ روایات حقیقت پر مبنی ہیں۔ تقیہ کی بکواس شیخ طوسی وغیرہ کا اضافہ ہے۔ اس کا ائمہ اہل بیت کے ارشاد کے کوئی تعلق نہیں۔

اس حقیقت کے اظہار کے بعد بھی اگر کوئی نابلد اور حسد کا مارا یہی رٹ لگاتا پھرے۔ کہ یہ روایات بعینہٖ بکواس ہیں۔ تو پھر ہم تمہاری ہی کتاب سے اسی عمل کی حدیث ذکر کرتے ہیں۔ جو اس زیادتی سے محفوظ اور بکواس سے خالی ہے۔

٭

ارشاد امام جعفر اگر اہل سنت والی ترتیب وضوء میں غلطی ہو جائے تو غلطی دور کرنی چاہیے

تہذیب الاحکام۔ الاستبصار:

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنْ نَسِیْتَ فَغَسَلْتَ ذِرَاعَیْكَ قَبْلَ وَجْهِكَ فَاَعِدْ غَسْلَ وَجْهِكَ ثُمَّ اغْتَسِلْ ذِرَاعَیْكَ بَعْدَ الْوَجْهِ فَاِنْ بَدَاْتَ بِذِرَاعِكَ الْاَیْسَرِ فَاَعِدْ عَلَى الْاَیْمَنِ ثُمَّ اغْسِلِ الْیَسَارَ وَاِنْ نَسِیْتَ مَسَحَ رَاْسِكَ حَتّٰی تَغْتَسِلَ رِجْلَیْكِ فَامْسَحْ رَاْسَكَ ثُمَّ اغْسِلْ رِجْلَیْكَ۔

۱۔ تہذیب الاحکام جلد اول ص۹۹ فی صفۃ الوضوء الخ مطبوعہ تہران طبع جدید

۲۔ الاستبصار جلد اول ص ۷۴ فی وجوب الترتیب فی الاعضاء۔ مطبوعہ تہران طبع جدید۔

ترجمہ:

ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے راوی کہ امام موصوف نے فرمایا۔ اگر تو بھول کر منہ دھونے سے قبل (دضو میں) اپنے بازو دھوے۔ تو منہ کو دھو۔ پھر اس کے بعد بازوؤں کو دھو۔ پھر اگر از روئے نسیان دونوں بازوؤں میں سے تو بایاں بازو پہلے دھو بیٹھے۔ تو پھر بھی دایاں بازو دھو۔ اور اس کے بعد بایاں پھر سے دھو۔ اور اگر بھول سے سر کا مسح کرنے سے پہلے تو نے پاؤں دھو لیے۔ تو پہلے مسح کر۔ پھر پاؤں کو دوبارہ دھو۔

الحاصل:

اہل تشیع کی ان دو مستند کتب کی روایت سے واضح ہو گیا۔ کہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو کی ترتیب وہی ہے۔ جو اہل سنت وجماعت کے ہاں معمول ہے۔ بلکہ وہ تو اس ترتیب سے وضو کرنے کو لازم (فرض یا واجب) سمجھتے تھے اسی وجہ سے ابوبصیر کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ کہ اگر بھولے سے بھی ترتیب وضو میں نقص رونما ہو جائے۔ تو اسے فوراً درست کر لو۔ جیسا کہ روایت مذکورہ میں نسیانی طور پر چند بے ترتیبیوں کو بھی بیان فرمایا۔

اس روایت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو کے فرائض میں سے ایک "فرض دریاؤں دھونا" ہے۔ پاؤں پر مسح کرنا ان کا مسلک ومشرب نہیں ہے۔ دیکھا آپ نے کہ اگر وضو کی مذکور ترتیب اور پاؤں کا دھونا بطور تقیہ ہوتا۔

تو امام ترتیب کو لازم نہ فرماتے۔ اور پاؤں کو دھونے کی ہدایت نہ دیتے۔

تو معلوم ہوا کہ "ترتیبِ مذکور اور غسل رجلین" کو تقیہ پر محمول کرنا امام کا مسلک نہیں۔ بلکہ مصنف کی اپنی طرف سے من گھڑت زیادتی ہے۔ ورنہ اس روایت میں بھی وہ زیادتی موجود ہوتی۔

ایک اور مقام پر اس امر کی تصدیق موجود ہے۔ کہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وضو میں پاؤں کا دھونا مشروع جانتے تھے۔ نہ کہ ان پر مسح کرنا۔ ملاحظہ کرنا۔

تهذيب الاحكام:

عَنْ عَمَّارِ بْنِ مُوْسٰى عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّجُلِ يَتَوَضَّأُ الْوُضُوْءَ كُلَّهٗ اِلَّا رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَخُوْضُ الْمَاءَ بِهِمَا خَوْضًا قَالَ اَجْزَاَهٗ ذَالِكَ۔

(تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۶۶
باب صفۃ الوضوء الخ مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عمار بن موسیٰ نے ایسے شخص کے متعلق روایت کی۔ کہ جس نے وضو مکمل کیا۔ لیکن پاؤں نہ دھوئے پھر پانی میں دونوں پاؤں کو اس نے اچھی طرح ڈبویا۔ (پوچھا۔ کیا) اس طرح اس کا وضو مکمل ہو گیا۔ یا اس کو ابھی پاؤں دھونے کی ضرورت ہے؟ فرمایا۔ اس کا پاؤں کو پانی میں ڈبونا دھونے کا بدل بن گیا۔ (لہٰذا اب اس کو پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں رہی۔

اختتام:

حدیث مذکور بالا اور گزشتہ احادیث سے یہی ثابت ہوا۔ کہ حضرات ائمہ اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں وضوء کی ترتیب وہی تھی۔ جس پر اہل سنت عمل پیرا ہیں۔ اور فرائض وضوء میں ان کے نزدیک آخری فرض "پاؤں دھونا،، ہے مسح کرنا نہیں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ اور سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا بھی "ترتیب وضوء اور غسل رجلین،، وہی طریقہ تھا۔ جو ہم اہل سنت کو اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا۔ اہل تشیع کا وضوء (یعنی ترتیب وضوء اور پاؤں پر مسح کرنا) خود ساختہ ہے۔ قرآن واحادیث اور تعلیمات ومعمولات اہل بیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو وضوء کے معاملہ میں بھی ہم یہی کہیں گے۔ کہ اگر محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل بیت کرام کی سچی پکی دوستی چاہتے ہو۔ تو پھر ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دین ودنیا بھلی کردے گا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

"فقہ جعفریہ" میں سے پاکی پلیدی کے چند مسائل

تحریر الوسیلہ

اَلْمَنِیُّ مِنْ کُلِّ حَیَوَانٍ ذِیْ نَفْسٍ نَجِسٌ حَلَّ اَکْلُہٗ اَوْ حَرُمَ دُوْنَ غَیْرِ ذِیْ نَفْسٍ فَاِنَّہٗ مِنْہُ طَاھِرٌ۔

(تحریر الوسیلہ ص ۱۱۱ جلد اوّل)

ترجمہ:

ہر زندہ حیوان کی منی ناپاک ہے۔ خواہ اس کا گوشت کھانا جائز ہو یا حرام لیکن مرے ہوئے کی پاک ہے۔

توضیح:

بے جان (مُردہ) جانور کی منی کے پاک کرنے کی اہل تشیع کو ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ہوسکتا ہے۔ کہ اس کے کھانے سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہوں۔ اگر یہی ارادہ ہے۔ تو پھر یہ مہذب اور طاقت ور خوراک مبارک ہو۔ اور اگر طہارت کے معاملہ میں کہ اس کے کبھی کپڑے پر لگ جانے یا کسی پاک چیز میں گر جانے سے کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ یعنی اگر سالن، پانی، چائے، یا شربت میں یہ منی گر پڑے۔ اور اس کی طہارت قائم رہے گی۔ تو فقہ جعفریہ،، کی اس رعایت پر بھی اس کے ماننے والوں کو بہت بہت مبارک ہو۔ لیکن اس کے لیے کوئی نص تو

ہونی چاہیئے تھی۔

قے یعنی الٹی میں نکلا ہوا مواد پاک ہے۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ:

اَلْقَیُّ نَجَسٌ عِنْدَ الْاَرْبَعَةِ طَاهِرٌ عِنْدَ الْاِمَامِيَّةِ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص ۲۶ باب النجاسات)

مذی اور ودی بھی پاک ہے

كَمَا انْفَرَدَ الْاَرْبَعَةُ عَنِ الْاِمَامِيَّةِ بِنَجَاسَةِ الْقَيْءِ وَالْوَدْيِ وَالْمَذْيِ۔

(مذاہب خمسہ ص ۲۶)

ترجمہ:

چاروں فقہاء کرام کے بانیان اور فقہ جعفریہ کے پیروؤں میں جہاں اور بہت سی باتیں ممتاز ہیں۔ وہاں یہ بھی ہے۔ کہ قے، ودی اور مذی کو چاروں ائمہ نجس کہتے ہیں۔ اور "فقہ جعفریہ" والے انہیں طاہر قرار دیتے ہیں۔

پکی ہوئی ہنڈیا میں مرا ہوا چوہا ملے تو شوربا گرا دو۔ اور بوٹیوں کو کھا جاؤ

وسائل الشیعہ

عن السکونی عن جعفر عن ابیہ علیہما السلام
اِنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ سُئِلَ عَنْ قِدْرٍ طُبِخَتْ وَاِذَا
فِی الْقِدْرِ فَارَۃٌ قَالَ یُہْرَقُ مَرَقُہَا وَیُغْسَلُ اللَّحْمُ
وَیُؤْکَلُ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد اول ص ۱۵۰
کتاب الطہارت)
(فروع کافی جلد ۶ ص ۲۶۱)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ ایک ہانڈی پکائی گئی پکنے کے بعد اچانک اس میں چوہا نظر آیا۔ تو اب اس کا کیا کیا جائے؟ فرمایا اس میں پکا ہوا سالن گرا دیا جائے گا۔ اور گوشت کو دھو کر تناول کر لیا جائے گا۔

عَنْ سعید الاعرج قَالَ سَئَلْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام عَنِ الْفَارَةِ وَالْکَلْبِ یَقَعُ فِی السَّمَنِ وَالزَّیْتِ ثُمَّ یُخْرَجُ مِنْہُ حَیًّا؟ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِاَکْلِہٖ۔

(فروع کافی جلد ۶ ص ۲۶۱ باب الفارہ تموت فی الطعام الخ)

ترجمہ:

سعید اعرج کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰے عنہ سے پوچھا۔ اگر چوہا اور کُتّا گھی اور تیل میں گر پڑیں۔ پھر انہیں اس سے زندہ نکال لیا جائے۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یعنی وہ پاک ہے)

ہر حیوان بلکہ سؤر بھی جب تک زندہ ہے پاک ہے

المبسوط:

وَ قَالَ بَعْضُهُمْ اَلْحَيَوَانُ كُلُّهُ طَاهِرٌ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ وَ لَمْ يَسْتَثْنِ الْكَلْبَ وَ الْخِنْزِيْرَ قَالَ اِنَّمَا يَنْجُسُ الْخِنْزِيْرُ وَ الْكَلْبُ بِالْقَتْلِ وَ الْمَوْتِ۔

(المبسوط ج ۶ ص ۲۷۹ کتاب الاطعمۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

بعض شیعہ مجتہدین کا کہنا ہے۔ کہ تمام حیوان جب تک زندہ ہیں۔ پاک ہیں۔ ان بعض نے کتے اور خنزیر کو اس حکم سے خارج نہیں کیا اور کہا۔ کہ کتا اور خنزیر دو طرح نجس ہوتے ہیں۔ ایک قتل کرنے اور دوسرا مرنے سے۔

تبصرہ

خنزیر وہ حیوان ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ الخ

بے شک یقیناً مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا۔ اس حکم کے پیش نظر اس کو سب لوگوں نے نجس العین کہا۔ لیکن "فقہ جعفریہ،، میں اس کو زندہ رہے۔ تب بھی اور مر جائے تب بھی طاہر کہا گیا۔ المبسوط کے مذکورہ حوالہ میں اگرچہ موت یا قتل کی صورت میں اس کو نجس کہا گیا ہے۔ لیکن من لایحضرہ الفقیہ میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ کہ سور کی کھال کا ڈول اور اس کے بالوں کا رسہ بنا کر پانی نکالا جائے تو پانی پاک رہتا ہے۔ (یعنی ڈول کے ذریعہ نکالا ہوا پانی) اس لیے یہاں موت کی صورت میں نجاست کا قول اس اجتماعی قول کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ خنزیر بہر حال اہل تشیع کے نزدیک طاہر ہے۔ صحاح اربعہ میں سے دو یعنی الاستبصار اور تہذیب الاحکام کا مصنف یشخ طوسی کتے اور خنزیر کے زندہ ہونے کی صورت میں طہارت کا قائل ہے۔ اور اس کا قول "نصف فقہ جعفریہ،، کا وزن رکھتا ہے۔ ان مسائل کو دیکھ کر ہر ذی عقل اور صاحب علم سر پکڑ کر بیٹھ جائے گا۔ اور سوچے گا۔ کہ کیا امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما ہی اس قسم کے گھٹیا مسائل بیان فرما رہے ہیں؟ لیکن وہ دوسرے ہی لمحے یہ سمجھ جائے گا۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت کو ان مسائل کے ذریعہ بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُن کا دامن ان واہی تباہی باتوں سے پاک ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ان ملعونوں کے کرتوتوں کی بنا پر فرما دیا تھا کہ ہماری طرف سے کوئی حدیث اور روایت اس وقت تک تسلیم نہ کی جائے۔ جبتک وہ کتاب اللہ کے موافق نہ ہو۔ چونکہ ائمہ اہل بیت اسی موجود قرآن کو "کتاب اللہ،، کہتے تھے۔ اس لیے مذکورہ مسائل ان حضرات کے اقوال نہیں ہو سکتے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

منہ میں صرف پیشانی اور بازوؤں میں سے صرف ہاتھوں کا تیمم کافی ہے۔

تحفۃ العوام

دونوں ہتھیلیوں کو زمین یا مٹی پاک ومباح پر مارے اس طور سے کہ آخر نیت اور اوّل ہاتھ مارنا ایک ہو پھر دونوں ہتھیلیوں سے مسح پیشانی کا کرے جہاں سے بال شروع ہوتے ہیں ناک کے سر تک اور دونوں جانب کی بھنویں اور تمام پیشانی دونوں طرف مسح میں گھیرے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت دست کو بندِ دست سے انگلیوں کے سروں تک مسح کرے پھر داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت کو بھی مسح کرے۔ پھر دوسری ضرب مارے۔ اور اس ضرب سے دونوں ہاتھوں کی پشت کو مسح کرے پہلے دائیں ہاتھ کی پشت کو پھر بائیں ہاتھ کی پشت کو جس طرح ابھی ذکر ہوا۔ یہی ترکیب کربلائے معلی میں رائج ہے۔ بموجب فتوای جناب شیخ زین العابدین علیہ الرحمۃ کے۔

(تحفۃ العوام ص ۲۲ فصل فی بیان التیمم)

المبسوط

فَاِذَا اَرَادَ التَّيَمُّمَ وَضَعَ يَدَهُ مَعًا عَلَى الْاَرْضِ مُفْتَرِجًا اَصَابِعَهُ وَيَنْفُضُهُمَا وَيَمْسَحُ اِحْدٰهُمَا بِالْاُخْرٰى ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ مِنْ قُصَاصِ الشَّعْرِ الرَّاسِ اِلٰى طَرْفِ اَنْفِهِ ثُمَّ يَضَعُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُمْنٰى وَيَمْسَحُ بِهَا مِنَ الزَّنْدِ اِلٰى اَطْرَافِ الْاَصَابِعِ ثُمَّ يَضَعُ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى يَمْسَحُهَا مِنَ الزَّنْدِ اِلٰى اَطْرَافِ الْاَصَابِعِ مَرَّةً وَاحِدَةً هٰذَا اِذَا كَانَ يَتَيَمَّمُهُ بَدْلًا مِنَ الْوُضُوْءِ وَاِنْ كَانَ بَدْلًا مِنَ الْغُسْلِ ضَرَبَ ضَرْبَتَيْنِ اِحْدَاهُمَا لِلْوَجْهِ وَالْاُخْرٰى لِلْيَدَيْنِ وَالْكَيْفِيَّةُ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ۔

(۱۔ مبسوط جلداول ص ۳۳ فی کیفیۃ التیمم)
(۲۔ تحریر الوسیلہ جلداول ص ۵۰)

ترجمہ:

جب کوئی شخص تیمم کرنا چاہے۔ تو اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے زمین پر رکھے اور اُن کی انگلیاں کھلی ہوئی ہوں۔ ایک ہاتھ سے دوسرے کو ملے۔ پھر دونوں سے اپنا چہرہ بال اُگنے کی جگہ سے لے کر ناک تک ملے۔ پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر کلائی سے انگلیوں کے سروں تک ملے۔ پھر بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر کلائی سے انگلیوں تک ملے۔ اور یہ صرف ایک مرتبہ کرے۔ تیمم کا یہ طریقہ

وضوء کے بدلے میں ہے۔ اور اگر غسل کے بدلے کوئی تیمم کرنا چاہے۔ تو اسے ہاتھ دو مرتبہ زمین پر مارنے چاہئیں ایک مرتبہ مار کر چہرہ پر مسح کرے اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مسح کرے۔ اور طریقہ وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کر دیا ہے۔

تبصرہ

گزشتہ مسائل کی طرح تیمم میں بھی وہ فقہ جعفریہ نے رعایت اور سہولت کی حد کر دی ہے۔ اس بات کو سبھی جانتے ہیں۔ کہ تیمم اس وقت کیا جاتا ہے جب اصل یعنی پانی سے طہارت نہ ہو سکتی ہو۔ اسی لیے تیمم کو وضوء کا خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ باتفاق ائمہ ہے کہ جب یہ خلیفہ ہوا۔ تو پھر چہرے اور بازوؤں کا مسح کرتے وقت اسی قدر ضروری ہونا چاہیئے۔ جس قدر وضو کرتے وقت ان پر پانی بہانا لازم تھا۔ سب چہرہ پر پانی بہانا فرض ہے اس لیے پورے چہرہ کا تیمم کے وقت مسح کرنا لازم ہوا۔ اور اسی طرح کہنیوں کے دھونے کی جگہ تک کا مسح کرنا لازم ہوا لیکن فقہ جعفریہ میں چہرہ میں سے صرف بال اُگنے کی جگہ سے لے کر ناک تک کا مسح کرنا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بازوؤں میں کلائی سے انگلیوں تک کے حصہ پر تیمم کرنا لکھا گیا ہے۔ کیا تیمم جو کہ وضوء کا خلیفہ ہے۔ اس میں یہ رعایت حضرات ائمہ اہل بیت نے دی ہے؟ نہیں نہیں بلکہ یہ خود اہل تشیع کی گھر میں بنائی ہوئی شریعت ہے۔ تیمم کے بارے میں ائمہ اہل بیت کا مسلک یہ ہے۔

وسائل الشیعه

عن محمد بن مسلم قال سألت ابا عبد الله علیه السلام

عَنِ التَّيَمُّمِ فَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا وَجْهَهٗ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَ بِهَا مِرْفَقَهٗ اِلٰى اَطْرَافِ الْاَصَابِعِ وَاحِدَةٌ عَلٰى ظَهْرِهَا وَاحِدَةٌ عَلٰى بَطْنِهَا ثُمَّ مَسَحَ بِهَا بيمينه الارض ثم ضع بيمينه ثم قال هذا التيمم على ما كان فيه الغسل و في الوضوء الوجه واليدين الى المرفقين۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۹۷۹ باب وجوب الضربتین فی التیمم)

ترجمہ:

محمد بن مسلم کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے تیمم کے متعلق پوچھا۔ کہ کیسے کیا جاتا ہے۔ تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر اُن سے اپنا چہرہ ملا۔ پھر آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو زمین پر مارا اور اس سے دائیں ہاتھ کی کہنی سے انگلیوں تک کے حصہ کا مسح کیا۔ ایک مرتبہ ہاتھ کے ظاہری حصہ اور دوسری مرتبہ اندر کے حصہ کے ساتھ۔ پھر آپ نے اپنے دائیں ہاتھ (ہتھیلی) کو زمین پر مار کر بائیں ہاتھ کی کہنی سے انگلیوں تک کا مسح کیا۔ پھر فرمایا یہ تیمم اس شخص کے لیے ہے۔ جس پر غسل واجب تھا۔ اور وہ پانی سے نہ کر سکا۔ اور وضو کے لیے تیمم یہ ہے۔ کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک پر مسح کیا جائے۔

تنبیہ

وسائل الشیعہ کی مذکورہ روایت میں پورے چہرہ اور کہنیوں تک بازوؤں پر مسح کرنے کا طریقہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول و مروی ہے۔ لیکن گزشتہ دو حوالہ جات (تحفۃ العوام، المبسوط) میں جو طریقۂ تیمم مذکور ہوا۔ اُس میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ اور جیسا کہ ہم ابھی تحریر کر چکے ہیں۔ کہ تیمم دراصل وضوء کا خلیفہ ہے۔ اس لیے چہرہ اور بازو کا اسی قدر تیمم ہو گا جس قدر ان کا وضو میں دھونا فرض تھا۔ لیکن پچھلی دو روایات اس کے خلاف ہیں سو اسی لیے کچھ شیعہ علماء نے ان کی تردید کی۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

مذاہب خمسہ

كَمَا اخْتَلَفُوْا فِيْ مَعْنَى الصَّعِيْدِ اخْتَلَفُوْا اَيْضًا فِى الْمُرَادِ مِنَ الْوَجْهِ وَالْاَيْدِىْ فِى الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ فَقَالَ الْاَرْبَعَةُ وَابْنُ بَابَوَيْهِ مِنَ الْاِمَامِيَّةِ اَلْمُرَادُ مِنَ الْوَجْهِ جَمِيْعُ الْوَجْهِ وَ يَدْخُلُ فِيْهِ اللِّحْيَةُ وَمِنَ الْيَدَيْنِ الْكَفَّانِ وَالزَّنْدَانِ مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ وَعَلَيْهِ يَكُوْنُ الْحَدُّ فِى التَّيَمُّمِ هُوَ الْحَدُّ بِعَيْنِهٖ فِى الْوُضُوْءِ فَيَضْرِبُ ضَرْبَتَيْنِ اِحْدَاهُمَا يَمْسَحُ بِهَا تَمَامَ الْوَجْهِ وَالثَّانِيَةُ يَمْسَحُ بِهَا الْيَدَيْنِ مِنْ رُؤُسِ الْاَصَابِعِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ

(مذاہب خمسہ ص ۰۰ باب کیفیۃ التیمم مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

اہل سنت اور اہل تشیع میں جس طرح لفظ صعید کے مصداق میں اختلاف ہے۔ اسی طرح تیمم کے بارے میں آیت کریمہ کے اندر ذکر شدہ لفظ "وجہ" اور "ایدی" میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ چاروں ائمہ اہل سنت کہتے ہیں۔ اور اہل تشیع میں سے ابن بابویہ کا بھی یہی قول ہے۔ کہ "وجہ" سے مراد پورا چہرہ ہے اور اس میں جبڑے بھی داخل اور "یدین" سے مراد دونوں ہاتھ اُن کی کلائیاں بمعہ کہنیاں ہیں اس تحقیق کے مطابق تیمم کی حد اور مقدار بعینہٖ وضوء کی حد اور مقدار ہو گی۔ لہذا تیمم کرنے والا دو مرتبہ اپنے ہاتھوں (کی ہتھیلیوں) کو زمین پر مارے گا۔ ایک مرتبہ مار کر مکمل چہرہ کا مسح کرے گا۔ اور دوسری مرتبہ مار کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے لے کر کہنیوں تک پر مسح کرے گا۔

وسائل الشیعہ:

عن زرارة عن ابی جعفر علیہ السلام فی التیمم قَالَ تَضْرِبُ بِكَفَّيْكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُضُهُمَا وَ تَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَكَ وَ يَدَيْكَ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۹۷۷
کتاب الطہارت ابواب التیمم)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زرارہ روایت کرتا ہے۔ کہ تیمم کے

متعلق امام صاحب نے فرمایا۔ کہ تو اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار۔ پھر انہیں جھاڑ لے۔ اور ان دونوں سے اپنے چہرہ اور دونوں بازوؤں کا مسح کر

تبصرہ

احناف کا تیمم کے متعلق جو موقف ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ چہرہ اور بازو دونوں اعضاء کا اتنا مسح کرنا لازم ہے۔ جتنا وضوء کرتے وقت اُن کا دھونا فرض تھا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

ھدایۃ

اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِإِحْدَاهُمَا وَجْهَهُ وَبِالْأُخْرٰى يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ وَيَنْفُضُ يَدَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَتَنَاثَرُ التُّرَابُ كَيْلَا يَصِيْرُ مُثْلَةً وَلَا بُدَّ مِنَ الْإِسْتِيْعَابِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِقِيَامِهٖ مَقَامَ الْوُضُوْءِ

(ھدایہ اولین ص ۳۶ کتاب الطہارات باب التیمم)

ترجمہ:
تیمم دو دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ہاتھ مار کر

اپنا چہرہ اور دوسری مرتبہ اپنے دونوں بازو کہنیوں تک کا مسح کیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے۔ ہو تیمم کے لیے دو دفعہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے۔ ایک ضرب چہرہ کے لیے اور دوسری دونوں ہاتھوں (بازوؤں) کے لیے ہے۔ اور زمین پر ہاتھ مار کر ان کو جھاڑ لیا جائے تاکہ زیادہ لگی ہوئی مٹی جھڑ جائے۔ یہ اس لیے کہ اگر زیادہ مٹی لگی ہوتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیرا گیا۔ تو اس طرح مُثلہ (شکل بگڑنے) کا خطرہ ہے۔ اور دونوں اعضاء کا مسح کرتے وقت یہ بھی خیال رہے۔ کہ ظاہر روایت کے مطابق دونوں اعضاء میں کوئی تھوڑی سی جگہ بھی ایسی نہیں ہونی چاہیئے جو مسح سے بچی رہے۔ کیونکہ تیمم میں مسح دراصل وضوء کے قائم مقام ہے:-

نوٹ

گزشتہ اوراق میں ایک مسئلہ کے ضمن میں اہل تشیع اپنے اوپر کیے گئے اعتراض کا جواب یُوں دیتے ہیں۔ کہ خون اور پیپ وغیرہ سے ہمارا مسلک یہی ہے۔ کہ ان سے وضوء نہیں جاتا۔ اور ان دونوں سے وضوء ٹوٹ جانے کی جو روایت وسائل الشیعہ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے۔ وُہ ان کے "تقیہ" کا نمونہ ہے۔ اسی طرح یہاں تیمم کے مسئلہ میں بھی جب ان سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ امام صاحب تو پورے چہرہ اور کہنیوں تک بازوؤں کا مسح کرنے کا فیصلہ فرما رہے ہیں۔ اور تم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ تو اس کے جواب میں؟ کہتے ہیں۔ آپ کا یہ قول بھی "تقیہ" پر محمول ہے۔

وسائل الشیعہ

اَقُوْلُ مَسْحُ الْوَجْهِ وَالْيَدَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَحْمُوْلٌ عَلَى التَّقِيَّةِ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۹۷۹)

ترجمہ:

میں کہتا ہوں۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے تیمم کے بارے میں جو یہ حدیث آئی ہے۔ کہ پورے چہرے اور دونوں بازوؤں کا کہنیوں تک تیمم میں مسح کرنا چاہیئے۔ یہ تقیہ پر محمول ہے۔ (یعنی آپ نے یہ بات بطور تقیہ کہی ہے)

حالانکہ یہ بہانا تاریخی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ خود شیعہ کتب اس کی صراحت کرتی ہیں۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا زمانہ ایسا زرّیں دور تھا۔ کہ جس میں شیعیت کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کھلے بندوں احادیث کی تعلیم لیتے تھے۔ جیسا کہ پچھلے مسئلہ میں ہم اس کی کچھ وضاحت کر چکے ہیں۔ اس لیے یہ محض بہانہ ہے حقیقت نہیں۔

باب اذان

"اذان" شعائر اسلام میں سے ہے۔ اور اس کے الفاظ بارگاہِ رسالت سے حاصل شدہ ہیں۔ کسی کو اپنی طرف سے کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اذان کے ان الفاظ میں زیادتی یا کمی کرے وہ بدعتی بلکہ لعنتی ہے اس بات سے تمام واقف ہیں۔ کہ اذان کے الفاظ میں اہل تشیع نے چند الفاظ زیادہ مقرر کر رکھے ہیں۔ مثلاً محمد وآل محمد خیرالبریہ، اشھد ان علیا ولی اللہ، اشھد ان علیا امیر المومنین حقا۔ اگر ان سے اس بارے میں عام آدمی گفتگو کرے۔ تو کہتے ہیں۔ تمہاری اہل سنت کی اذان میں نہ اہل بیت کا ذکر ہے۔ اور نہ ہی تم علی ولی اللہ کہہ کر ان کی ولایت کا اقرار کرتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے دل میں نہ اہل بیت سے محبت ہے۔ اور نہ ہی حضرت علی المرتضےٰ کو ولی اللہ کہنا گوارا کرتے ہو۔ لیکن یہ اُن کا ایک فریب اور دھوکہ ہے۔ ان کی اذان کے زائد الفاظ جو تقریباً آٹھ کلمات بنتے ہیں۔ ان کو بہت بعد میں اذان میں شامل کیا گیا۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے حضرت موسیٰ بن جعفر کے زمانہ تک وہی اذان ہوتی تھی۔ جو اہل سنت دیتے ہیں۔ اور اسی کا حکم ائمہ اہل بیت دیتے رہے۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

وسائل الشیعہ

عَنْ مُوسیٰ بِنْ جَعْفَرٍ عَنْ اٰبَائِہٖ عَنْ عَلِیٍّ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ فِیْ حَدِیْثٍ تَفْسِیْرِ الْاِذَانِ اَنَّہٗ قَالَ فِیْہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، ...... حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۶۴۲
ابواب الاذان)
(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول
ص ۱۸۸ فی الاذان والاقامۃ)

ترجمہ:

جناب موسیٰ بن جعفر اپنے آباؤ اجداد کے ذریعہ سے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے اذان کی تفسیر میں حدیث بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔ اللہ اکبر چار مرتبہ۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ دو مرتبہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ حیّ علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حیّ علی الفلاح دو مرتبہ اللہ اکبر دو مرتبہ

اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ۔

نوٹ:

وسائل الشیعہ کی مذکورہ روایت جو امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔ اس میں انہوں نے اپنی ذات سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک تمام ائمہ کی یہی اذان بیان کی یعنی۔ ۱۔ موسیٰ کاظم، ۲، امام جعفر صادق۔ ۳۔ امام محمد باقر ۴۔ امام زین العابدین ۵۔ امام حسین ۶ امام حسن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ لگاتار سات ائمہ اہل بیت کی یہ اذان تھی۔ اور یہی اذان اہل سنت کہتے ہیں۔ اس میں ان آٹھ کلمات کا نام و نشان نہیں ہے۔ جو اہل تشیع نے اپنی اذان میں زائد کر لیے ہیں۔ اس سے اہل تشیع کا وہ دھوکہ بھی کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ سنیوں کو چونکہ اہل بیت سے محبت نہیں۔ اس لیے وہ اذان میں ان کا نام نہیں لیتے۔ بلکہ یہ الزام تو خود ان کے سر آتا ہے۔ کہ جن ائمہ کے تم فدائی اور شیدائی کہلاتے ہو۔ ان کی اذان کو تم نے انہی الفاظ سے کہنا قبول نہ کیا۔ بلکہ اپنی طرف سے اس میں چند کلمات داخل کر لیے۔ ائمہ اہل بیت سے مروی اذان وہی ہے جو ہم اہل سنت دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے صحیح جانشین اور پیرو ہم ہیں نہ کہ تم۔ وسائل الشیعہ میں مذکور کلمات اذان کے متعلق جب ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ تو تیمم کی طرح یہاں بھی "تقیہ" کی رٹ لگاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں "تقیہ" کی کیا ضرورت تھی۔ شیر خدا ہوں۔ اور خلیفہ وقت بھی ہوں۔ اور حق کے اظہار کے متعلق سب ایک طرف اور آپ تنہا ایک طرف تب بھی کوئی ہچکچاہٹ نہ فرمائیں۔ اس کے باوجود اہل تشیع ان پر "تقیہ" کا الزام لگا کر اپنا الو سیدھا

کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے بعد امام حسن و حسین جو حق کی سربلندی کی خاطر قربان ہو گئے۔ ناقابل یقین ہے کہ وہ اذان کے الفاظ میں "تقیہ" کریں۔ پھر اصل واصول شیعہ ص ۲۵ کے تاریخی حوالہ سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا زمانہ تشیعیت کے فروغ کا سنہرا زمانہ تھا۔ اس میں "تقیہ" کی کیا ضرورت۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ اذان کے الفاظ وکلمات وہی ہیں۔ جو ان ائمہ سے مروی ہیں۔ جو یہ خود اپنے اپنے دور میں کہتے رہے۔ اب ذرا اپنوں کی بھی سن لو۔ ان زائد کلمات اذان کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں۔

المبسوط

فَاَمَّا قَوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاٰلُ مُحَمَّدٍ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ عَلٰى مَا وَرَدَ فِيْ شَوَاذِ الْاَخْبَارِ فَلَيْسَ بِمَعْمُوْلٍ عَلَيْهِ فِي الْاَذَانِ وَلَوْ فَعَلَهُ الْاِنْسَانُ يَاْثِمُ بِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ فَضِيْلَةِ الْاَذَانِ وَلَا كَمَالِ۔

(المبسوط جلد ۱ ص ۹۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

اذان میں یہ کہنا "اشہد ان علیا امیر المومنین

اور آل محمد خیر البریۃ"، جیسا کہ شاذ اخبار میں آیا ہے۔ ان کے کہنے پر کوئی کاربند نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص اذان میں یہ کلمات کہتا ہے۔ تو وہ گنہگار ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ کلمات اذان کی فضیلت اور کمال میں سے بھی نہیں ہیں۔

اللمعۃ الدمشقیہ

فَهٰذِهٖ جُمْلَةُ الْفُصُوْلِ الْمَنْقُوْلَةِ شَرْعًا وَلَا يَجُوْزُ اِعْتِقَادُ شَرْعِيَّةِ غَيْرِ هٰذِهٖ الْفُصُوْلِ (فِى الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ كَالتَّشَهُّدِ بِالْوِلَايَةِ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا وَّاٰلِهٖ، خَيْرُ الْبَرِيَّةِ) اَوْخَيْرُ الْبَشَرِ (وَاِنْ كَانَ الْوَاقِعَ كَذٰلِكَ) فَمَا كُلُّ وَاقِعٍ حَقًّا يَجُوْزُ اِدْخَالُهٗ فِى الْعِبَادَاتِ الْمُوَظَّفَةِ شَرْعًا الْمَحْدُوْدَةِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَكُوْنَ اِدْخَالُ ذٰلِكَ فِيْهَا بِدْعَةً وَّتَشْرِيْعًا۔

(اللمعۃ الدمشقیۃ الفصل الثالث فی کیفیۃ الصلوٰۃ جلد اول ص۲۴۰ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

مذکورہ اذان جو کہ اہل سنت کی اذان کے مطابق ہے۔

یہی شرائع میں منقول ہے۔ اس کے علاوہ زائد کلمات کا شرعی طور پر درست سمجھنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ اذان میں ہوں یا اقامت میں جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کی ولایت کی گواہی کے الفاظ اور محمد و آل کے خیر البریہ اور خیر البشر ہونے کے الفاظ ہیں۔ اگرچہ جو کچھ ان کلمات میں کہا گیا ہے۔ وہ واقعۃً درست ہے۔ لیکن ہر وہ بات جو واقع کے مطابق سچی اور حق ہو اُسے ایسی عبادات میں داخل کر لینا جو شرعی وظیفہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حد بندی کی گئی ہو۔ جائز نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا ان کلمات کا اذان میں داخل کرنا بدعت ہے۔ اور ایک نئی شریعت بنانا ہے۔

وسائل الشیعه

وَقَالَ الصَّدُوْقُ بَعْدَ مَا ذَكَرَ حَدِيْثَ اَبِيْ بَكْرِ الْحَضْرَمِيِّ وَكُلَيْبِ الْاَسَدِيْ هٰذَا هُوَ الْاَذَانُ الصَّحِيْحُ لَا يُزَادُ فِيْهِ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُ وَالْمُفَوِّضَةُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ قَدْ وَضَعُوْا اَخْبَارًا وَزَادُوْا بِهَا فِي الْاَذَانِ مُحَمَّدٍ وَّالِ مُحَمَّدٍ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ مَرَّتَيْنِ وَفِيْ بَعْضِ رِوَايَاتِهِمْ بَعْدَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَّلِيُّ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَوٰى بَدَلَ ذَالِكَ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

حَقًّا مَرَّتَيْنِ وَلَا شَكَّ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ وَاَنَّهُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا وَاَنَّ مُحَمَّدًا وَاٰلَهُ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ وَلٰكِنَّ ذَالِكَ لَيْسَ فِيْ اَصْلِ الْاَذَانِ وَاِنَّمَا ذَكَرْتُ ذَالِكَ لِيُعْرَفَ بِهٰذِهِ الزِّيَادَةِ الْمُتَّهَمُوْنَ بِالتَّفْوِيْضِ الْمُدَلِّسُوْنَ اَنْفُسَهُمْ فِيْ جُمْلَتِنَا اِنْتَهٰى كَلَامُهُ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد ۴
صفحہ ۶۴۸ کتاب الصلوٰۃ
باب الاذان)
(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ
جلد اوّل صفحہ ۱۸۸ باب الاذان
والاقامہ)

ترجمہ:
ابو بکر حضرمی اور کلیب اسدی کی حدیث ذکر کرنے کے بعد شیخ صدوق نے کہا۔ یہی (یعنی اہل سنت والی) اذان صحیح اذان ہے۔ نہ اس میں زیادتی کی گئی ہے اور نہ اس سے کچھ الفاظ کم کیے گئے ہیں۔ اور گروہ مفوضہ (اللہ کی اُن پر لعنت ہو) نے بہت سی روایات گھڑ لیں۔ اور ان کی بنا پر انہوں نے اذان میں "محمد و آل محمد خیر البریہ" کے الفاظ دو مرتبہ کہنے کے لیے بڑھا دیئے۔ اور ان کی بعض روایات میں اشہد ان محمدا رسول اللہ کے بعد اشہد ان علیا ولی اللہ دو دفعہ ذکر کیا گیا ہے۔ ان مفوضین سے

بعض نے ان الفاظ کی بجائے یہ الفاظ روایت کیے ہیں وہ اشھد ان علیا امیر المومنین حقا، یہ بات یقینی ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ " ولی اللہ " ہیں اور سچے امیر المومنین ہیں۔ اور محمد و آل محمد خیر البریۃ ہیں۔ لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں۔ میں نے یہ الفاظ اس لیے ذکر کیے ہیں۔ تاکہ ان کی وجہ سے وُہ لوگ پہچانے جا سکیں۔ جو مفوضہ ہونے کی اپنے اوپر تہمت لیے ہوئے ہیں۔ اور اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ہم اہل تشیع میں سے شمار کرتے ہیں۔

فقہ امام جعفر صادق

ثَبَتَ بِالْاِجْمَاعِ اَنَّ الْاِمَامَ الصَّادِقَ عَلَیْہِ السَّلَامُ كَانَ یُؤَذِّنُ هٰكَذَا۔ اَللّٰهُ اَكْبَر، اَللّٰهُ اَكْبَر، اَللّٰهُ اَكْبَر، اَللّٰهُ اَكْبَر، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ، حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ، اَللّٰهُ اَكْبَر، اَللّٰهُ اَكْبَر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

وَاتَّفَقُوْا جَمِیْعًا عَلٰی اَنَّ قَوْلَ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰهِ لَیْسَ مِنْ فُصُوْلِ الْاَذَانِ وَاَجْزَائِہٖ

وَاَنَّ مَنْ اَتٰی بِهٖ بِنِیَّةِ اَنَّهٗ مِنَ الْاَذَانِ فَقَدْ اَبْدَعَ فِی الدِّیْنِ وَاَدْخَلَ فِیْهِ مَاهُوَ خَارِجٌ عَنْهُ

(فقہ امام جعفر صادق مصنفہ محمد جواد مغنیہ جلد اول ص ۱۶۶ مطبوعہ قم ایران طبع جدید)

ترجمہ:

بالاجماع ثابت ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ یوں اذان دیا کرتے تھے۔ اللہ اکبر چار مرتبہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح دو مرتبہ حی علی خیر العمل دو مرتبہ، اللہ اکبر دو مرتبہ اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ۔ اور تمام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے۔ کہ "اشہد ان علیا ولی اللہ"، کلماتِ اذان اور اس کے اجزاء میں سے نہیں ہے۔ اور اس پر بھی کہ جو شخص ان الفاظ کو اس نیت سے کہتا ہے۔ کہ یہ بھی اذان میں شامل ہیں۔ تو اس نے دین میں بدعت نکالی۔ اور وہ بات دین میں داخل کر دی جو اس سے خارج تھی۔

لمحہ فکریہ:

کتب شیعہ کے مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ

۱۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے لے کر امام موسیٰ کاظم تک کلمات اذان وہی تھے جو اب اہل سنت کی اذان کے ہیں۔

۲۔ اشھد ان علیا ولی اللہ اور محمد و آل محمد خیر البریۃ کے الفاظ ایسی روایات میں مذکور ہیں۔ جو شاذ ہیں۔

۳۔ ان دونوں زائد کلمات کو کہنے والا گنہگار ہے۔

۴۔ حضرت علی المرتضٰی کا "ولی اللہ" ہونا اور محمد و آل محمد کا خیر البریہ ہونا۔۔ واقعۃً درست ہے۔

۵۔ لیکن ان الفاظ کا کلمات اذان میں شامل کرنا بدعت اور نئی شریعت گھڑنا ہے۔

۶۔ علی ولی اللہ، محمد و آل محمد خیر البریۃ کے الفاظ اذان میں مفوضہ نے داخل کیے جو ملعون ہیں۔

ان امور کو مدنظر رکھ کر اس دور کے اہل تشیع کی اذان کے الفاظ پر غور کریں۔ اور ان میں دیکھیں۔ کہ کیا کیا الفاظ زیادہ ہیں۔ ان زیادہ الفاظ کی وجہ سے انہوں نے ائمہ اہل بیت کی اذان کو من وعن قبول نہ کر کے اپنی مرضی کی شریعت گھڑی۔ اور اس بدعت کی بنا پر وہ گنہگار ہوئے اور اپنے آپ کو مفوضہ نامی ملعون فرقے میں سے شمار کرا لیا۔ یہ سب باتیں ہم نے اپنی طرف سے اگر کہی ہوتیں۔ تو پرواہ نہ کی جاتی۔ لیکن یہ باتیں حضرات ائمہ اہلبیت اور شیعہ مجتہدین کی ہم نے نقل کی ہیں۔ اب ان کی محبت کا دعویٰ کرنے والے اور ان کے ارشادات کو شریعت سمجھنے والے اپنے بارے میں خود فیصلہ کریں۔ کہ وہ اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچے ہیں۔ اور کس حد تک ان کی باتوں پر عمل پیرا ہیں۔

اذان میں الفاظِ ولائت وامامت وغیرہ کے بارے میں شیخ صدوق کا فتویٰ۔ کہ یہ زیادتی ایک لعنتی مفوضہ فرقے نے کی ہے

”من لایحضرہ الفقیہ“ کے مصنف شیخ صدوق (کہ جس کی روایت ابھی گزری) نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ومنقول الفاظِ اذان کو لکھنے کے بعد ان الفاظ کے بارے میں اپنا فتوےٰ دیا۔ جو اہل تشیع نے بطور اضافہ اذان میں شامل کر لیے ہیں۔ اور بتلایا کہ یہ کن لعینوں کی سازش تھی۔ ملاحظہ ہو۔

من لایحضرہ الفقیہ

وَ قَالَ مُصَنِّفُ هٰذَا الْكِتَابِ هٰذَا هُوَ الْاَذَانُ الصَّحِيْحُ لَا يُزَادُ فِيْهِ وَ لَا يُنْقَصُ مِنْهُ وَالْمُفَوِّضَةُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ قَدْ وَضَعُوْا اَخْبَارًا وَ زَادُوْا فِي الْاَذَانِ مُحَمَّدٌ وَ اٰلُ مُحَمَّدٍ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ مَرَّتَيْنِ وَ فِيْ بَعْضِ رِوَايَاتِهِمْ بَعْدَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ وَ مِنْهُمْ مَنْ رَوٰى بَدَلَ ذٰلِكَ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا مَرَّتَيْنِ وَ لَا شَكَّ فِيْ اَنَّ عَلِيًّا

وَلِيُّ اللّٰهِ وَاَنَّهُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا وَاَنَّ مُحَمَّدًا وَاٰلَهُ صَلَوٰةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ وَلٰكِنْ لَيْسَ ذَالِكَ فِيْ اَصْلِ الْاَذَانِ وَاِنَّمَا ذَكَرْتُ ذَالِكَ لِيُعْرَفَ بِهٰذِهِ الزِّيَادَةِ اَلْمُتَّهِمُوْنَ بِالتَّفْوِيْضِ اَلْمُدَلِّسُوْنَ اَنْفُسَهُمْ فِيْ جُمْلَتِنَا۔

(۱۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۱۸۸ تا ۱۸۹ فی الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ من لایحضرہ الفقیہ ص ۹۳ باب الاذان والاقامۃ طبع قدیم مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ:

اس کتاب (من لایحضرہ الفقیہ) کا کہنا ہے۔ کہ صحیح اور کامل اذان وہی ہے۔ جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اسی کتاب میں روایت کی گئی ہے۔ نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ ان الفاظ سے کم حواس میں مذکور ہوئے۔ ''مفوضہ،، نامی گروہ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے بہت سی من گھڑت باتیں بنائیں۔ اور ان من گھڑت باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اذان میں ''محمد وآلہ خیر البریۃ،، کے الفاظ بڑھا دیئے۔ انہی کی کچھ دوسری من گھڑت روایات میں یہ بھی ہے۔ کہ اشہد ان محمد رسول اللہ کے الفاظ کے بعد دو مرتبہ مؤذن یہ بھی کہے۔ ''اشہد ان علیا ولی اللہ،، ان میں سے ہی بعض نے مذکورہ الفاظ کی جگہ یہ الفاظ کہنے کو کہا۔ ''اشہد ان علیا امیر المومنین

حَقّاً۔،،

یہ باتیں حقائق پر مبنی ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ "و لی اللہ،، ہیں آپ "امیرالمؤمنین بالحق،، ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک "خیر البریۃ،، ہیں لیکن اس حقیقت کے ہوتے ہوئے یہ الفاظ ہرگز ہرگز اذان میں داخل نہیں۔ ہیں (مصنف) نے یہ بات اس لیے ذکر کی تاکہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کی پہچان ہو جائے۔ جو "مفوضہ،، کہلاتے ہیں۔ اور ہم میں سے اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں۔

شیخ صدوق (مصنف من لایحضرہ الفقیہ) نے کتنے واضح الفاظ میں اس کی نشاندہی کر دی۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت کی اذان وہی ہے۔ جو مذکور ہوئی۔ اور جو لوگ مذکورا ذان میں زیادہ الفاظ پڑھتے ہیں۔ ان کا تعلق "مفوضہ،، نامی فرقے سے ہے۔ کلمۂ ولایت وغیرہ کے اضافے پر ہم شیعہ لوگوں پر الزام نہیں ہو سکتا۔ ہم اس سے بری ہیں۔ کیونکہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول اذان میں ایسے کلمات کا نام ونشان تک نہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ امام موصوف سے مذکورا ذان میں کمی بیشی ہرگز ہرگز جائز نہیں آیئے چلتے چلاتے "مفوضہ،، نامی گروہ کا کچھ تعارف بھی ہو جائے۔ اسی "من لایحضرہ الفقیہ،، کتاب کے حاشیہ پر اس گروہ کا تعارف یوں لکھا ہے

"مفوضہ" نامی گروہ کا مختصر تعارف

حاشیہ من لایحضرہ الفقیہ

اَلْمُفَوِّضَۃُ فِرْقَۃٌ ضَالَّۃٌ قَالَتْ بِاَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ مُحَمَّدًا (ص) وَفَوَّضَ اِلَیْہِ خَلْقَ الدُّنْیَا فَھُوَ الْخَلَّاقُ وَقِیْلَ

بَلْ فَوَّضَ ذَالِكَ اِلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(حاشیہ من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸۸
فی الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

"مفوضہ" ایک گمراہ فرقہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اس کے بعد دنیا کی پیدائش کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ لہٰذا آپ ہی "وہ بہت زیادہ پیدا کرنے والے" ہوئے۔ اور ان کے عقائد میں یہ بھی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

"من لایحضرہ الفقیہ مطبوعہ قدیم کے نسخہ کے حاشیہ پر اس گروہ کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے۔

حاشیہ من لایحضرہ الفقیہ

اَلْمُفَوِّضَةُ هُمُ الَّذِيْنَ فَوَّضُوا الْاُمُوْرَ مِنَ التَّحْلِيْلِ وَالتَّحْرِيْمِ اِلَى النَّبِيِّ وَعَلِيٍّ وَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا وَلَمْ يُحَلِّلْ بَلْ هُمَا عَلَيْهِمَا السَّلَامُ۔

(حاشیہ من لایحضرہ الفقیہ مطبوعہ قدیم
لکھنؤ ص ۹۴)

ترجمہ:

"مفوضہ" وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے تمام امور کے حلال وحرام کرنے کا اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر رکھا ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی شئی کو حلال کیا۔ اور نہ ہی حرام بلکہ یہ کام ان دونوں (حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کا ہے۔

گروہ مفوضہ کے گمراہ اور لعنتی ہونے پر ائمہ اہل بیت کا اتفاق ہے

احتجاج طبرسی

و قد روی عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام من ذم الغلاۃ و المفوضۃ و تکفیرھم و تضلیلھم و البراءۃ منھم و ممن والاھم و ذکر علۃ ما دعاھم الی ذالک الاعتقاد الفاسد الباطل ما قد تقدم ذکر طرف منہ فی ھذا الکتاب و کذالک روی عن ابآئہ و ابنائہ علیھم السلام فی حقھم و الامر بلعنتھم و البراءۃ منھم و اشاعۃ حالھم و الکشف عن سوء اعتقادھم لی لا یعلق بقالتھم ضعفاء الشیعۃ ولا یعتقد

مَنْ خَالَفَ هٰذِهِ الطَّائِفَةَ اَلَا اِلشِّيْعَةَ الْاِمَامِيَّةَ
بِاَسْرِهِمْ عَلٰى ذَالِكَ لَعَنَ ذِمَّتَهُ وَمِمَّنْ اِعْتَقَدَهُ
وَذَهَبَ اِلَيْهِ -

(احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۲۳۱ / کلام
الامام الرضا علیہ السلام فی ذم
الغلاۃ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ حد سے بڑھنے والے (شیعہ) اور مفوضہ نامی فرقہ کی آپ نے مذمت کی۔ اور ان کو کافر اور گمراہ بھی کہا۔ اور ان سے کامل بیزاری کا بھی اظہار کیا۔ صرف اس گروہ کے متعلق ہی امام موصوف کے یہ خیالات نہ تھے۔ بلکہ ہر شخص کے بارے میں آپ کا یہی خیال تھا۔ جس نے ان سے دوستی رکھی۔ اور امور ولایت ان کے سپرد کیے۔ آپ نے وہ وجہ بھی بیان فرمائی۔ کہ جس کی بنا پر آپ نے ان کی اس قسم کے الفاظ سے مذمت کی۔ یعنی اس گروہ کے وہی فاسد عقیدے اور باطل نظریات کہ جن میں سے کچھ پہلے ذکر ہو چکے ہیں۔

امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے آباؤ اجداد اور ان کے صاحبزادگان نے بھی اس فرقہ کی مذمت ایسے الفاظ سے کی۔ جو امام سے منقول ہوئے۔ ان سے علیحدگی اختیار کرنا، ان پر لعن طعن کرنا، ان کے عقائد و اعمال پر لوگوں کو مطلع کرنا اور ان کی بدعقیدگی کی تشہیر یہ ایسی باتوں کا ان حضرات نے حکم دیا ہے۔ تاکہ مذہب شیعہ کے کمزور عقیدے والے لوگ ان کی میٹھی میٹھی باتوں کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ اور اس لیے بھی ایسا کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ہر وہ شخص جو اس گروہ مفوضہ

کا مخالف ہے۔ وہ یہ اعتقاد نہ کر بیٹھے۔ کہ شیعہ تمام کے تمام ہوتے ہی ایسے ہیں۔ ہم اس گروہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ ہم ان کے اعتقادات سے بیزاری کرتے ہیں۔ اور ہر ایسے شخص سے ہماری کٹی جوان کا ہم مذہب ہے۔

خلاصہ کلام:

حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام آباؤ اجداد و صاحبزادگان یعنی تمام ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا یہی ارشاد ہے۔ کہ "مفوضہ" نامی فرقہ کافر، گمراہ اور بدمذہب ہے۔ کیونکہ ان کے عقائد کفر اور باطل پر مبنی ہیں۔ اور ان لعینوں نے ہی ائمہ اہل بیت سے مروی اذان میں دو کلمہ "ولایت وغیرہ" کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ اصل اذان میں وہ کلمات نہیں۔ علامہ طبرسی نے اپنی تصنیف احتجاج طبرسی میں جو نقل کیا۔ اس سے صاف واضح کہ موجود دور کے شیعہ (جو کہ اذان میں انہی کلمات کا اضافہ کرتے ہیں۔ جن کا مفوضہ نے کیا) مفوضہ فرقہ سے متعلق ہیں۔ ان کا مذہب بعینہٖ انہی کا ہے۔ ان تمام شیعوں کا نہ تو امام رضا رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہ ان کے آباؤ اجداد سے کوئی عقیدت۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک اذان میں مذکور اضافہ کی بنا پر مفوضہ ہوئے۔ اور یوں ائمہ اہل بیت کے نزدیک گمراہ اور ملعون قرار پائے۔

نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے منقول و مروی اذان انہی کلمات پر مشتمل ہے۔ جو اہل سنت و جماعت کی اذان میں ہیں۔ لہٰذا حضرات ائمہ اہل بیت کے ہاں مقبول و منظور اہل تشیع نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت ہیں۔

(ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء من عباده)

اگر کوئی شیعہ یہ اعتراض کرے۔ کہ ہمیں تم کہتے ہو۔ کہ تم نے اذان کے کلمات میں اضافہ کیا ہے۔ اور ایسا کرنا بدعت ہے۔ تو تم سنیوں نے بھی تو ایسا کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے۔ کہ الصلوۃ خیر من النوم صبح کی اذان میں زیادہ کیا گیا ہے۔ اور ہم اپنی اذان میں اس لیے نہیں پڑھتے کہ یہ الفاظ ناجائز ہیں۔ اور کسی امام نے یہ نہیں کہے۔ البتہ اس کو بدعتِ عمر بن الخطاب کہا جا سکتا ہے :-

جواب

اس سوال کے جواب میں ہم اوّلاً یہ گزارش کرتے ہیں۔ کہ ان الفاظ کے ناجائز ہونے کی وجہ اگر یہ ہے کہ ان کا معنی اور مفہوم غلط ہے اور شریعت کے خلاف ہے۔ تو یہ وجہ بالکل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ان الفاظ کا معنی یہ ہے۔

نماز نیند سے بہتر ہے۔ اور ہر ذی عقل اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نماز واقعی نیند سے بہتر ہے۔ اگر اس کے علاوہ یہ وجہ ہے کہ ائمہ اہل بیت میں سے کسی سے اذان صبح میں یہ الفاظ کہنا مروی نہیں۔ اور اس لیے ہم اہل تشیع ان الفاظ کو ناجائز کہتے ہیں۔ تو اس سلسلہ میں ہم گزارش کرتے ہیں۔ کہ ان الفاظ کی ادائیگی ائمہ اہل بیت میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور یہ روایت بھی کتب اہل تشیع میں پائی جاتی ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

تہذیب الاحکام

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ کَانَ اَبِیْ یُنَادِیْ فِیْ بَیْتِهٖ بِالصَّلٰوةِ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ وَلَوْ رَدَدْتَ ذَالِكَ لَمْ یَکُنْ بِهٖ بَأْسٌ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد دوم ص۶۳ فی عدد فصول الاذان والاقامۃ۔
(۲۔ وسائل الشیعہ جلد دوم صفحہ ۶۵۱)

ترجمہ:

"محمد بن مسلم" حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ امام موصوف نے فرمایا۔ کہ میرے والد گرامی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں "الصلوۃ خیر من النوم" کہا

کرتے تھے۔ اور اگر میں بھی ان کلمات کو دہراؤں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"الصلوۃ خیر من النوم" کے بارے میں ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ بلکہ اذان فجر میں یہ الفاظ آپ کے ارشاد فرمانے سے پڑھے گئے۔ اب اگر انہیں ناجائز کہا جاتا ہے۔ تو پھر لازم آئے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ ناجائز کلمات اذان میں کہنے کا حکم دیا۔ اور پھر انہی ناجائز الفاظ کو امام زین العابدین نے بار رہا کہا۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ انہیں کہنا غلط اور ناجائز نہیں سمجھتے۔ ان ائمہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ لہٰذا اگر یہ بدعت ہے۔ تو بدعتِ امامی بھی ہو گی۔ صرف بدعتِ عمری ہی نہیں ہو گی۔ ان الفاظ کو بطور تثویب کہا گیا جن سے لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

نوٹ:

اہل تشیع شاید یہ کہہ دیں۔ کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے الفاظ مذکورہ بطور تقیہ کہے تھے۔ جیسا کہ تیمم اور خون و پیپ کے مسئلہ میں یہ کہہ دیتے ہیں۔ ہم امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں "تقیہ" کرنے کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کیونکہ "تقیہ" کا معنی کھلم کھلا جھوٹ ہوتا ہے۔ اور امام موصوف اس عیب و نقص سے بہت دور رہتے تھے۔ دوسری وجہ تسلیم نہ کرنے کی یہ بھی ہے۔ کہ "تقیہ" اہل تشیع کے نزدیک بوقت خوف کام میں لایا جاتا ہے۔ لیکن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو کیا اپنے گھروالوں سے خوف تھا۔ وہ ان کے جانی دشمن تھے۔ ان کی شر سے بچنے کے لیے آپ یہ الفاظ کہتے رہے۔ اگر گھروالوں سے کوئی خوف نہ تھا

اور واقعی نہ تھا۔ تو پھر ان کلمات کو "تقیہ" پر محمول کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے خوف و خطرہ کے نہ ہوتے ہوئے بھی "تقیہ" کیا۔ کیا یہ صریح جھوٹ نہ بنے گا۔

معلوم ہوا۔ کہ "الصلوۃ خیر من النوم"، جس طرح اہل سنت کی کتب میں سنت نبوی ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح اہل تشیع کی کتب میں اس کا سنت امامی ہونا بھی موجود ہے۔ اذان کے ان چند مسائل سے معلوم ہوا کہ۔۔۔ اہل تشیع نے جو اپنی اذان میں چند کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ وہ کسی امام سے مروی نہیں۔ بلکہ ان کے اپنے بڑوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَاۤ اُولِی الْاَبْصَارِ)

فقہ جعفریہ میں جنبی کی اذان بلا کراہت جائز ہے

من لا یحضرہ الفقیہ:

وَکَانَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ لَا بَاْسَ اَنْ یُؤَذِّنَ الْغُلَامُ قَبْلَ اَنْ یَحْتَلِمَ وَلَا بَاْسَ اَنْ یُؤَذِّنَ الْمُؤَذِّنُ وَھُوَ جُنُبٌ۔

(۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ ص ۱۸۸ فی الاذان)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۵۴ ۔ فی الاذان)

(۳۔ وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۶۲۷ کتاب الصلوۃ باب للاذان)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر لڑکا بالغ ہونے سے پہلے اذان دیتا ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسی طرح جنبی کی اذان میں بھی کوئی حرج نہیں۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ تُؤَذِّنُ وَاَنْتَ عَلٰی غَیْرِ وَضُوْءٍ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ قَائِمًا اَوْ قَاعِدًا وَاَیْنَمَا تَوَجَّهْتَ۔

(۱- وسائل الشیعہ جلد ۴ صفحہ ۶۲۷ کتاب الصلوٰۃ)

(۲- من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ ص ۱۸۳/ باب الاذان)

ترجمہ:

امام باقر رضی اللہ عنہ سے زرارہ روایت کرتا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ تو بغیر وضوء اذان دے دیا کر۔ اور ایک ہی کپڑے میں اذان ہو سکتی ہے۔ چاہے بیٹھ کر اذان دے یا کھڑے ہو کر اور جدھر مرضی منہ کر کے اذان دے دے۔ دسب جائز ہے

تبصرہ

قارئین کرام! "فقہ جعفریہ" نے اپنے ماننے والوں کے لیے بہت زیادہ

آسانی پیدا کر دی ہے۔ اور اس آسانی کی ایک جھلک اذان میں بھی نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ نہ اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے نہ بالغ ہونا ضروری ہے نہ قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔

کِتَابُ الصَّلٰوۃ

نماز کے متعلق فقہ جعفریہ سے چند مسائل

مسئلہ نمبر (۱)

دوران نماز بچے کو دودھ پلانے سے نماز نہیں ٹوٹتی

وسائل الشیعہ:

عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ جَعْفَرَ عَنْ اَخِیْہِ مُوْسٰی بْنِ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ سَاَلْتُہٗ عَنِ الْمَرْاَۃِ تَکُوْنُ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَرِیْضَۃِ وَوَلَدُھَا اِلٰی جَنْبِھَا یَبْکِیْ وَھِیَ

قَاعِدَةً هَلْ يَصْلُحُ لَهَا اَنْ تَتَنَاوَلَهُ فَتَقْعُدَهُ فِيْ حِجْرِهَا وَتُسْكِتُهُ وَتُرْضِعَهُ ؟ قَالَ لَا بَأْسَ۔

(۱- وسائل الشیعہ جلد چہارم صفحہ ۷ کتاب الصلوٰۃ)

(۲- قرب الاسناد ص ۱۰۱ باب جواز حمل المرأۃ طفلھا فی الصلوٰۃ فی ارضاعھا ایاہ جالسۃً)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے پوچھا کہ ایک عورت فرضی نماز پڑھ رہی ہو۔ اس کا بچہ اس کے پہلو میں رو رہا ہو۔ اور وہ عورت بیٹھی ہوئی ہو تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے۔ کہ وہ اٹھ کر بچے کو پکڑے اسے اپنی گود میں بٹھائے۔ اور اُسے چپ کرائے اور دودھ پلائے ؟ فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ

نماز اول تا آخر عبادت الٰہیہ ہے۔ اور اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد بجز عبادت کے دوسرے تمام کام حرام ہو جاتے ہیں۔ اور خاص کر ایسا کام کہ خود نمازی اُسے نماز کے منافی سمجھے، دیکھنے والا اُس کو نمازی نہ جانے۔ اصطلاحِ فقہ میں اس قسم کے عمل کو "عمل کثیر" کہا جاتا ہے۔ اور عمل کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اب اس قانون کو مدنظر رکھ کر آپ مذکورہ مسئلہ دیکھیں۔ عورت حالت نماز میں بچے کو اٹھاتی ہے۔ اُسے چپ کراتی ہے۔ اُسے گود میں بٹھا کر اپنا دودھ بھی پلاتی

ہے۔ کیا یہ سب باتیں ہوتے ہوئے دیکھ کر کوئی دوسرا آدمی اس عورت کو نماز پڑھنے والی عورت کہہ سکتا ہے؟ یا وہ خود ان کاموں کے کرتے ہوئے اپنی نماز کو کامل اور مکمل سمجھتی ہے؟ کوئی بھی ایسا ہرگز نہ کہے گا۔ اس لیے اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ لیکن قربان جائیں فقہ جعفریہ پر کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود "لا بأس" ہے۔ کوئی کراہت بھی نہیں ہے۔ نماز کا فاسد ہونا یا باطل ہونا تو درکنار۔ ایسی رعایات کسی اور فقہ میں ملنا عنقا ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جب شریعت اپنی خواہشات کے مطابق ہو۔ تو پھر ایسی باتیں آدمی ڈھونڈ لیتا ہے۔ اور اگر حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ سے ملنے والی شریعت ہو۔ تو پھر اس میں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اور نفسانی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ان انبیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات مزاج شریعت سے ہٹ کر آسانیاں تلاش نہیں کیا کرتے۔ جس قدر کسی شرعی حکم میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس کا اجر و ثواب بھی اسی قدر بڑھ جاتا ہے۔ اسی فلسفہ کے تحت حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے۔ کہ کاش سردیوں میں لگاتار نمازیں ہوتیں اور گرمیوں میں متواتر روزے ہوتے۔ یہ مجھے اچھا لگتا۔ لیکن فقہ جعفریہ کو دیکھیں۔ اس میں تکلیف کم سے کم کر کے بڑے سے بڑا اجر و ثواب حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تن آسانیاں اور نفس پروریاں حضرات ائمہ اہل بیت سے مروی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلنے والے نہ تھے۔ بلکہ یہ ان لوگوں کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ جن کو ابو بصیر، زرارہ اور محمد بن مسلم وغیرہ کے نام سے لکھا پڑھا جاتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ ۲

دوران نماز بیوی یا لونڈی کو سینے سے لگانا جائز ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ مَسْمَعٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ اَكُوْنُ اُصَلِّيْ فَتَمُرُّ بِيَ الْجَارِيَةُ فَرُبَّمَا ضَمَمْتُهَا اِلَيَّ قَالَ لَا بَأْسَ۔

(وسائل الشیعہ ص ۲۷۳ جلد ۴
باب عدم بطلان الصلوٰۃ بضمّ
المرأۃ المحللۃ)

ترجمہ:
مسمع کہتا ہے کہ میں نے حضرت علی المرتضےٰ سے پوچھا میں نماز

پڑھ رہا ہوتا ہوں۔ اور میرے آگے سے لونڈی گزرتی ہے بسا اوقات میں اُسے سینہ سے لگا لیتا ہوں (کیا یہ نماز میں جائز ہے؟) فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ:

صاحب وسائل الشیعہ محمد بن حسن نے حدیث مذکورہ جس باب کے تحت درج کی۔ اس کے عنوان کے یہ الفاظ ہیں۔ باب عدم بطلان الصلوٰۃ بضم المراۃ المحللۃ ورؤیۃ وجہہا۔ یہ باب ان احادیث میں ہے۔ کہ جن میں یہ مذکور ہے۔ کہ کسی حلال عورت کو سینہ سے لگانے اور اس کے چہرہ کو دورانِ نماز دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی طرف جس مذکورہ حدیث کی نسبت کی گئی ہے۔ اس میں اگرچہ یہ شرط اور قید نہیں ہے۔ لیکن صاحب وسائل الشیعہ نے یہ قید از خود لگائی ہے۔ بہرحال اس سے مراد ایسی عورتیں ہیں جن کو دوسرے الفاظ میں محرم کہا جاتا ہے۔ یا جن کا اہل تشیع کے نزدیک سینہ سے لگانا جائز ہے۔ ان سب میں سے زیادہ مواقع اپنی بیوی کے ساتھ میسر آتے ہیں۔ لہٰذا اس روایت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ دورانِ نماز اپنی بیوی کو سینہ سے لگایا جائے۔ تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نماز بھی پڑھو اور مزے بھی لوٹو۔ خدا بھی راضی کرو اور خدائی کو بھی سینہ سے لگاؤ۔ کیا خوب فقہ ہے۔ اور کیا خوبصورت عبادت ہے۔ جب متعہ سے عظیم ثواب ملتا ہو۔ تو دورانِ نماز بیوی کو گلے لگانے سے نماز کی قبولیت میں کونسی کسر باقی رہ جائے گی؟

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

دوران نماز آلۂ تناسل سے دل بہلانا جائز ہے۔

وسائل الشیعہ

عن ابی القاسم معاویۃ بن عمار عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ الرجل یعبث بذکرہ فی الصلوٰۃ المکتوبۃ قال وما لہ فعل قلت عبث بہ حتی مسہ بیدہ قال لا باس۔

(وسائل الشیعہ جلد چہارم ص ۱۲۷۰)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ابوالقاسم معاویہ بن عمار نے پوچھا۔ ایک مرد اگر نماز فرضی کے پڑھتے ہوئے اپنے آلۂ تناسل

سے کھیلتا ہے۔ پوچھا اُسے کیا ہوا کہ اس نے ایسا کیا؟ میں نے عرض کیا ویسے ہی کھیلتے ہوئے اُسے اپنا ہاتھ لگاتا ہے۔ فرمایا کوئی حرج نہیں۔

قابلِ غور:

"فقہ جعفریہ" میں نہ خوفِ خدا نہ شرمِ مصطفےٰ اور نہ احترامِ ائمہ اہلِ بیت کچھ بھی نہیں اللہ رب العزت کی نماز کی صورت میں جو عظیم عبادت کی جا رہی ہے۔ اسی میں اپنے آلۂ تناسل سے بیکار اور کسی ضرورت کے بغیر چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے۔ اور پھر اس سے نماز ایسی عبادت کے خشوع وخضوع میں کوئی فرق نہیں پڑتا! اور پھر کمال ڈھٹائی اور بے حیائی سے اس فعل کی اجازت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ ظالموں کو نہ جانے ان سے کونسا پرانا بیر تھا۔ جس کی وجہ سے ایسے مسائل ان کی طرف منسوب کر کے ان کی بدنامی کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس قسم کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اور بھی کئی مواقع مل سکتے تھے امام موصوف کے دادا جناب امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ان "نام نہاد محبانِ علی" کو یاد نہ آیا۔ جب آپ نے نماز پڑھنا شروع کی اور کوفہ کی مسجد میں آگ لگ گئی۔ لوگ بجھانے کے لیے دوڑے۔ جب آپ نے نماز سے سلام پھیرا اور دیکھا کہ لوگ بہت سی تعداد میں جمع ہیں۔ پوچھا۔ یہ لوگ کیوں جمع ہوئے ہیں؟ کہا گیا آپ کو پتہ نہیں مسجد کا ایک حصہ آگ لگنے سے جل گیا اور بقیہ حصہ ان لوگوں نے آگ کو بجھا کر بچا لیا ہے؟ فرمانے لگے۔ مجھے اس کی کیا خبر میں تو صرف اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ ایک طرف تو ائمہ اہلِ بیت کا نماز میں اس قدر استغراق اور دوسری طرف آلۂ تناسل سے کھیلنے کی اجازت دیں؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی روایات ان لوگوں نے گھڑ کر ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب

کردی ہیں۔ اور انہی روایات کے مجموعہ کا نام "فقہ جعفریہ" ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مسئلہ ۴

نجس ٹوپی اور موزہ پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے

المبسوط

وَ اِذَا اَصَابَ خُفَّهٗ اَوْ تِكَّتَهٗ اَوْجَوْرَبَهٗ اَوْقَلَنْسُوَتَهٗ اَوْ مَا لَا تَتِمُّ الصَّلٰوةُ فِيْهِ مُنْفَرِدًا شَيْءٌ مِنَ النَّجَاسَةِ لَمْ يَكُنْ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ بَاْسٌ۔

(المبسوط جلد اول ص ۳۸

کتاب الطہارت)

ترجمہ:

جب کسی کے موزہ، تہبند، جراب، ٹوپی یا اس چیز کو نجاست لگ جائے جسے تنہا پہن کر نماز نہ ہو سکتی ہو۔ تو ان نجاست بھری اشیاء

کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنے والے کی نماز میں کوئی خلل نہیں پڑے گا۔

من لا یحضرہ الفقیہ

وَمَنْ اَصَابَ قَلَنْسُوَتَهُ اَوْعِمَامَتَهُ اَوْتِكَّتَهُ اَوْجَوْرَبَهُ اَوْخُفَّهُ مَنِيٌّ اَوْبَوْلٌ اَوْدَمٌ اَوْغَائِطٌ فَلَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ وَذَالِكَ لِاَنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَتِمُّ فِيْ شَيْءٍ مِنْ هٰذَا وَحْدَهُ

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۴۲ فیما ینجس ثوب الخ)

ترجمہ:

جس کی ٹوپی، پگڑی، تہبند، جراب یا موزہ پر منی لگ جائے یا پیشاب یا خون یا پاخانہ لگ جائے۔ تو اس کو پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی خرابی نہیں ہے یہ اس لیے ہے۔ کہ ان میں سے کسی اکیلی چیز سے نماز نہیں ہو سکتی۔

وسائل الشیعہ

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ قَلَنْسُوَتِيْ وَقَعَتْ فِيْ بَوْلٍ فَاَخَذْتُهَا وَوَضَعْتُهَا عَلٰى رَأْسِيْ ثُمَّ صَلَّيْتُ فَقَالَ لَا بَأْسَ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ کتاب الطہارت جلد دوم ص ۱۰۴۶ باب جواز الصلوٰۃ فی ما لا تتم الخ)

(۲۔ مبسوط جلد ۱ ص ۳۸ کتاب الطہارۃ فی احکام النجاسات و کیفیۃ تطہیرہا)

ترجمہ:

زرارہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ میری ٹوپی پیشاب میں گر پڑی تھی۔ اُسے اٹھا کر میں نے سر پر رکھا۔ اور نماز پڑھ لی۔ (کیا یہ جائز ہے؟) فرمایا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔

تبصرہ:

قارئین کرام! نماز کی شرائط میں سے جس طرح جسم کی طہارت ہے۔ اسی طرح نمازی کے کپڑوں کی پاکیزگی بھی شرط ہے۔ فقہاء کرام نے نجاست کی دو اقسام ذکر کیں۔ غلیظہ اور خفیفہ۔ فقہ جعفریہ کے جو مسائل ابھی مذکور ہوئے۔ جن میں منی پیشاب، پاخانہ اور خون میں آلودہ کپڑے کا تذکرہ تھا۔ تو یہ نجاستیں غلیظہ شمار ہوتی ہیں۔ اور فقہ حنفی کا ان نجاستوں کے بارے میں یہ قول ہے۔ کہ اگر کپڑے کے کسی حصہ پر ایک درہم کی مقدار برابر بھی لگ جائیں۔ تو ایسا کپڑا پہن کر نماز ادا ہوگی۔ ہاں اس سے کم کی صورت میں نماز ہو جائے گی۔ لیکن فقہ جعفریہ کو دیکھیں اگر ٹوپی، جرابیں، پگڑی وغیرہ پیشاب میں گر جائیں۔ تو ان کے دھوئے بغیر نماز کے جواز کا فتوےٰ دیا جا رہا ہے۔ اور اگر یہ تینوں کپڑے پاخانہ سے بھرے ہوئے ہوں۔ اور ان کے ساتھ ساتھ موزوں پر بھی پیشاب یا پاخانہ لگا ہوا ہو۔ اور ایک "مومن" نماز پڑھے۔ تو "فقہ جعفریہ" اس کو منع نہیں کرتی۔ اور نہ ہی اس کی نماز میں کسی خرابی کی نشاندہی کرتی ہے۔ ان مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے کون عقلمند یہ باور کرے گا۔ کہ یہ مسائل ائمہ اہل بیت نے بیان فرمائے ہیں۔ سر سے لے کر پاؤں تک پیشاب و پاخانہ میں آلودہ ہو۔ اور اللہ کے حضور نماز ایسی عظیم عبادت کے لیے کھڑا ہو۔ یہ ان لوگوں کی اختراع ہی ہوگی جنہیں طہارت سے دور کا بھی

تعلق نہیں۔ ایسے مسائل پر مشتمل فقہ کو سیدنا امام باقر و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی
طرف منسوب کرنا ان حضرات کی شان میں بہت بڑی گستاخی اور حد سے زیادہ توہین
کے مترادف ہے۔ اس سے قبل پردہ کے مسائل میں آپ اس فقہ میں پردہ کی حدود
ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ذرا ان کو بھی پیش نظر رکھ کر اور ان مسائل مذکورہ کو ساتھ ملا
کر ایک نمازی کا دورانِ نماز تصور کریں۔ یعنی آلۂ تناسل پر ہاتھ رکھا ہوا ہو۔ اور دُبر
پر کسی کپڑے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ ان کے مذہب میں خود ہی با پردہ ہے۔
قُبل پر ہاتھ رکھا۔ اور پردہ کرنے پر نماز شروع کر دی۔ اگر عمامہ باندھنا ہے۔ تو وُہ
پیشاب میں گِر کر یا پاخانہ پر پڑ کر "خوشبودار" ہو جائے۔ تو پھر اسے سر پر رکھ
لیا جائے۔ اور اگر تہبند لی جائے۔ (جس کی ضرورت نہیں) تو وہ بھی عمامہ کی طرح (
"معطر" ہونا چاہیے۔ جرابیں پیشاب میں بھیگی ہوئی ہوں۔ ان کپڑوں کو پہن کر جو
شخص بھی نماز پڑھتا ہو اس کا تصور کریں۔ اور پھر حضرات ائمہ اہل بیت کی شخصیات کی
طہارت و نظافت کا تصور کریں۔ تو یقیناً آپ ہی سمجھیں گے۔ کہ یہ مسائل کسی کور باطن
اور بغضی نے گھڑے ہیں۔ اور بڑی بے حیائی اور کمال ڈھٹائی سے ائمہ اہل بیت
کی طرف منسوب کر کے انہیں بدنام کرنے کی ناپاک سازش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق بین
بصیرت عطا فرمائے۔ اور حق کو قبول کرنے والا دل و دماغ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

۱- حالت نماز میں "سُنّی" پر لعنت کرنا۔

وسائل الشیعہ

عَنْ يُونُسَ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِاللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ لِيْ جَارًا مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ آلِ مُحْرِزٍ قَدْ نَوَّهَ بِاِسْمِيْ وَ شَهَرَنِيْ كُلَّمَا مَرَرْتُ بِهٖ قَالَ هٰذَا الرَّافِضِيُّ يَحْمِلُ الْاَمْوَالَ اِلٰى جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ اُدْعُ اللهَ عَلَيْهِ اِذَا كُنْتَ فِي الصَّلٰوةِ اللَّيْلِ وَاَنْتَ سَاجِدٌ فِي السَّجْدَةِ الْاَخِيْرَةِ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَتَيْنِ فَاحْمَدِ اللهَ عَزَّوَجَلَّ مَجِّدْهُ وَ قُلِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ قَدْ شَهَرَنِيْ وَ نَوَّهَ بِيْ وَ غَاظَنِيْ وَ عَرَّضَنِي الْمَكَارِهَ اَللّٰهُمَّ اضْرِبْهُ بِسَهْمٍ

عَاجِلٍ تَشْغَلُهُ بِهِ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ قَرِّبْ اَجَلَهُ وَاقْطَعْ اَثَرَهُ وَعَجِّلْ ذٰلِكَ يَارَبِّ السَّاعَةَ السَّاعَةَ ثُمَّ ذَكَرَ اَنَّهُ فَعَلَ ذٰلِكَ وَدَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ۔

(وسائل الشیعہ صفحہ نمبر ۱۱۲۲

کتاب الصلوۃ جلد چہارم

باب استحباب الدعاء علی العدو

فی السجدۃ الاخیرۃ)

ترجمہ:

یونس بن عمار کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ میرے پڑوس میں ایک آلِ محرز کا قریشی ہے۔ وہ میرا اونچا اونچا نام لے کر میری شہرت کرتا ہے۔ جب بھی میں اس کے قریب سے گزرتا ہوں۔ تو مجھے کہتا ہے۔ یہ رافضی ہے۔ اور جعفر بن محمد کے پاس مال و اسباب اٹھا کرلے جاتا ہے۔ (میں اس کا کیا کروں؟) امام جعفر نے فرمایا۔ جب تو نماز تہجد پڑھے۔ اور پہلی دو رکعت کے آخری سجدہ میں جائے۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ بددعا کرنا "اے اللہ! فلاں بن فلاں میرا اونچا اونچا نام لے کر مجھے مشہور کرتا ہے۔ اور میرے بارہ میں غلط باتیں کہتا ہے۔ اے اللہ! اسے بہت جلد ایسا تیر مار کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دے۔ اے اللہ! اس کی موت کو نزدیک کر، اس کا اثر منقطع کردے۔ اور اے پروردگار یہ بددعا اسی وقت جلدی سے قبول کر۔ پھر اس شخص نے ایسا کیا۔ اور اس قریشی کے لیے طریقہ مذکورہ کے مطابق بددعا کی۔ تو وہ ہلاک ہوگیا۔

لمحہ فکریہ:

اس سے قبل چند حوالہ جات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ فقہ جعفریہ میں کہیں نماز کے دوران عورت کو سینہ سے لگانا، آلہ تناسل سے کھیلنا جائز ہے۔ اور اب مذکورہ حوالہ میں دورانِ سجدہ لعن طعن اور بد دعا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور پھر یہ سب باتیں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے بیان کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ائمہ اہل بیت میں سے کوئی بھی نماز ایسی عظیم و اہم عبادت میں اس قسم کی لغویات نہ کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے کو ایسا کرنے کی اجازت دینا اُن سے متوقع ہے۔ کہاں دورانِ سجدہ بد دعا کرنا اور کہاں ان کا مومن مرد و عورت کے لیئے دُعا کرنے کا حکم دینا اور اس پر ثواب جزیل فرمانا۔

وسائل الشیعہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَنَانَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ مَنْ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ مُؤْمِنٍ مَضٰى وَ بِعَدَدِ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ بَقِیَ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَسَنَةً وَ مَحَا عَنْهُ سَيِّئَةً وَرَفَعَ لَهٗ دَرَجَةً۔

(وسائل الشیعہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۵۲
كتاب الطہارت باب استحباب الدعاء الخ)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ ۲۵ مرتبہ اللہ تعالیٰ سے تمام مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد کے برابر جو گزر چکے یا جو موجود ہیں اور تا قیامت آئیں گے۔ نیکیاں عطا فرماتا ہے اور اتنے ہی اس کے گناہ معاف کرتا ہے۔ اور اتنے ہی اس کے درجات بلند کرتا ہے۔

ایک طرف امام جعفر کسی صاحب ایمان کے لیے مغفرت مانگنے پر اس قدر ثواب کا مژدہ سنا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف دوران نماز سجدہ کے اندر بددعا کی تعلیم دے رہے ہیں۔ عقل سلیم اس دورنگی کو قطعاً ان کی طرف منسوب نہ کرے گی۔ جب ایک عام مومن کے لیے دعا کا یہ عالم تو حضرات صحابہ کرام کے بارے میں حسن عقیدت والے کا کیا مقام ہوگا۔ ولیکن کیا کریں دو من گھڑت فقہ جعفریہ،، کے مسائل پر کر اس کے بنانے والوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف کمال ڈھٹائی سے یہ بات منسوب کر دی۔ کہ وہ چیدہ چیدہ صحابہ کرام پر بعد از نماز لعنت کیا کرتے تھے۔ هٰذا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

فروع کافی:

الخبیری عن الحسین بن ثویر و ابی سلمۃ السراج قال سمعنا ابا عبد اللہ علیہ السلام و ھو یلعن فی دبر کل مکتوبۃ اربعۃ من الرجال و اربعا من النساء فلان

وَ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ وَمُعَاوِيَةُ يُسَمِّيهِمْ وَفُلَانَةٌ وَفُلَانَةٌ وَهِنْدٌ وَاُمُّ الْحَكَمِ اُخْتُ مُعَاوِيَةَ۔

(۱۔ فروع کافی جلد ۳ ص ۳۴۲ کتاب الصلوۃ طبع جدید تہران)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۴ ص ۱۰۳۷ کتاب الصلوۃ باب استحباب لعن اعداء الدین)

ترجمہ

الجیری نے حسین بن ثویر اور ابی سلمۃ السراج سے روایت کی ہے۔ ان دونوں نے کہا۔ کہ ہم نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ کہ وہ ہر فرضی نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کیا کرتے تھے۔ فلاں، فلاں، فلاں اور معاویہ۔ آپ چاروں کا نام لے کر لعنت کیا کرتے تھے۔ اور فلاں، فلاں اور ہند اور امیر معاویہ کی بہن ام الحکم پر لعنت ہو۔

نوٹ:

یہ یاد رہے۔ کہ روایت مذکورہ میں جن تین مردوں کے نام اگرچہ بقول راویان امام جعفر صادق نے لیے تھے۔ لیکن انہوں نے فلاں فلاں کہہ کر ان کا نام ذکر نہیں کیا۔ یہ تین حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی ہیں۔ اور دو عورتیں جن کا نام نہیں لیا وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

لمحہ فکریہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق کا نسبی تعلق تھا۔ امام جعفر کی والدہ ام فروہ کے جناب صدیق اکبر دادا نانا ہیں۔ اس رشتہ کی بنا پر خود امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے آپ جد امجد قرار پائے۔ اور اس رشتہ کو حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ فخریہ بیان کیا کرتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

عمدۃ المطالب

اُمُّہٗ فروہ بنت القاسم الفقیہ ابن محمد بن ابی بکر وَ اُمُّھَا اَسْمَاءُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ لِھٰذَا کَانَ الصَّادِقُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ۔

(عمدۃ المطالب ص ۱۹۵ تذکرہ عقب امام جعفر صادق مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ ام فروہ قاسم کی بیٹی اور قاسم فقیہ محمد بن ابی بکر کا بیٹا ہے۔ اور امام جعفر کی نانی کا نام اسماء ہے جو صدیق اکبر کے بیٹے عبدالرحمٰن کی صاحبزادی ہے۔ اسی بنا پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ صدیق اکبر نے مجھے دو مرتبہ جنا ہے۔

جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام جعفر صادق کے جد قرار پائے۔ اور

خود امام موصوف نے بھی اس کا بالتصریح اعلان فرمایا۔ تو اب روایت بالا کی روشنی میں یہی کہا جائے گا۔ کہ امام صاحب نے اپنے جدِّ امجد کو لعن طعن سے معاف نہیں کیا۔ یہ بات تو ایک عام ایماندار بھی سن سکتا ہے۔ اور نہ خود کہہ سکتا ہے۔ کہ میرے دادا نانا ملعون تھے۔ اور پھر فرضی نماز ادا کر کے روزانہ پانچ مرتبہ کھلے بندوں لعنت؟ آئیے امام جعفر سے ہی پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اپنے جدّ کو ایسا کہا کرتے تھے؟

احقاق الحق

اَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ جَدِّىْ هَلْ يَسُبُّ اَحَدٌ آبَاءَهٗ لَا قَدَّمَنِىَ اللّٰهُ اِنْ لَا اُقَدِّمُهٗ

(احقاق الحق صفحہ ۷)

ترجمہ:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے جدامجد ہیں۔ بھلا کوئی اپنے آباؤ اجداد کو گالی دیا کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز کوئی مقام و شان نہ دے اگر میں ابوبکر صدیق کے مقام و شان کا انکار کروں۔

کشف الغمہ

وعن عروة بن عبد الله قال سألت ابا جعفر محمد ابن علي عليهما السلام عن حلية السيوف فقال لا بأس به قد حلّى ابوبكر الصديق رضي الله عنه سيفه قلت فتقول الصديق قال فوثب وثبة واستقبل القبلة وقال

نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق
فَمَنْ لَمْ یَقُلْ لَهُ الصِّدِّیْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ لَهُ قَوْلًا
فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۲ ص ۱۴۷
تذکرہ معاجز الامام)

ترجمہ:

عروہ بن عبداللہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تلوار پر زیور لگانے جائز ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابوبکر صدیق نے بھی اپنی تلوار پر زیور لگائے تھے۔ میں نے کہا۔ کیا آپ ابوبکر کو الصدیق کہہ رہے ہیں؟ یہ سن کر امام باقر نے تیزی سے جست لگائی۔ اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ فرمایا۔ ہاں وہ الصدیق ہیں۔ جو انہیں صدیق نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت اور دنیا میں اس کی کبھی بات نہیں مانے گا۔

ان حوالہ جات کے پیش نظر یہی بات سامنے آتی ہے۔ کہ نماز فرضی کے بعد اصحاب ثلاثہ اور امیر معاویہ پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ کسی بدبخت نے گھڑ کر امام جعفر کی طرف اس کی نسبت کر دی۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایسی روایات کا امام جعفر کو اپنے دور میں کچھ پتہ چلا ہو۔ اسی بنا پر آپ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔ "بھلا کوئی اپنے بڑوں کو گالی دیا کرتا ہے"۔ ایک طرف امام جعفر یہ فرما رہے ہیں اور اسی کے ساتھ ان کے والد سختی سے ابوبکر کو الصدیق کہہ رہے ہیں۔ اور نہ ماننے والے کو خدا سے دور فرما رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ان کی تعلیمات کے برعکس ان سے ہی ان پر لعنت کا جواز پیش کیا جا رہا ہے۔ امام جعفر واقعی

صادق ہیں۔ اور آپ نے ابو بکر صدیق کو اپنا جد بھی کہا۔ اور پھر جد پر لعنت یا گالی دینا اس کو بڑے تعجبانہ انداز میں بیان کر کے اس کی تردید فرمائی۔ ان کے متعلق ہی یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ اپنے جد امجد ابو بکر صدیق پر نماز سے فارغ ہونے کے بعد لعنت کیا کرتے تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بہتان ہو سکتا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

نماز باجماعت کی تاکید اور اس کے ترک پر وعید اور اہل تشیع کا عمل

اگرچہ ہمارے پیش نظر وہ فقہ جعفریہ کے طرفہ مسائل اور انوکھی باتیں ہیں۔ لیکن چلتے چلتے ان اہل تشیع کی قولاً و فعلاً دوغلی پالیسی بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں لہذا جہاں تک ان کی کتب میں بے نماز کے لیے وعیدات آئی ہیں۔ انہیں دیکھ کر اور اہل تشیع کا ان پر عمل دیکھ کر آدمی محو حیرت ہو جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ اہل بیت کی راگنی الاپتے ہوئے نہیں تھکتے۔ لہذا اس کے ساتھ ساتھ ائمہ اہل بیت کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ اس کا یا تو انہیں خبر نہیں یا پھر بدبختی ہے۔ ایک دو حوالہ جات بے نماز کے بارے میں ملاحظہ ہوں۔

بے نماز کتے، خنزیر اور منافق سے بدتر ہے۔

جامع الاخبار

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِذَا مَاتَ لَا يُغَسَّلُ وَلَا يُكَفَّنُ وَلَا يُدْفَنُ فِيْ قُبُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْكَلْبُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ كَلْبًا وَلَمْ يَخْلُقْنِيْ خِنْزِيْرًا وَيَقُوْلُ الْخِنْزِيْرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ خِنْزِيْرًا وَلَمْ يَخْلُقْنِيْ كَافِرًا وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ كَافِرًا وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ مُنَافِقًا وَالْمُنَافِقُ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ مُنَافِقًا وَلَمْ يَخْلُقْنِيْ تَارِكَ الصَّلٰوةِ۔

(جامع الاخبار ص ۸۴ الفصل الرابع والثلاثون)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے تین دن نماز نہ پڑھی۔

پھر وہ مرگیا۔ تو اُسے نہ غسل دیا جائے۔ نہ کفن پہنایا جائے۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں اُسے دفنایا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کتا کہتا ہے۔ کہ اس اللہ کی تعریف جس نے مجھے کتا بنایا اور خنزیر نہ بنایا۔ خنزیر کہتا ہے۔ کہ اس اللہ کی تعریف جس نے مجھے خنزیر بنایا اور کافر نہ بنایا۔ کافر کہتا ہے۔ اس اللہ کی تعریف جس نے مجھے کافر بنایا۔ اور منافق نہ کیا۔ منافق کہتا ہے۔ اس اللہ کی تعریف جس نے مجھے منافق بنایا اور بے نماز نہ بنایا۔

ستر قرآن جلانے والا، سات دفعہ بیت المعمور گرانے والا ستر دفعہ اپنی ماں سے بدکاری کرنے والا ستر پیغمبروں کو قتل کرنے والا ایک طرف بے نماز اس سے بھی بدتر ہے

انوار نعمانیہ

قَدْ وَرَدَ فِي الْاَخْبَارِ اَنَّ مَنْ تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِ تَارِكِ الصَّلٰوةِ فَكَاَنَّمَا هَدَمَ الْبَيْتَ الْمَعْمُوْرَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَكَاَنَّمَا قَتَلَ اَلْفَ مَلَكٍ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ

وَالْاَنْبِيَاءِ الْمُرْسَلِيْنَ ـ وَلَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ وَ لَا حَظَّ فِي الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ وَمَنْ اَحْرَقَ سَبْعِيْنَ مُصْحَفًا وَقَتَلَ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا وَزَنَا مَعَ اُمِّهٖ سَبْعِيْنَ مَرَّةً وَافْتَضَّ سَبْعِيْنَ بِكْرًا بِطَرِيْقِ الزِّنَا فَهُوَ اَقْرَبُ اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ مِنْ تَارِكِ الصَّلٰوةِ مُتَعَمِّدًا وَمَنْ اَعَانَ تَارِكَ الصَّلٰوةِ بِلُقْمَةٍ اَوْ كِسْوَةٍ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا وَمَنْ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ عَنْ وَقْتِهَا اَوْ تَرَكَهَا حُبِسَ عَلَى الصِّرَاطِ ثَمَانِيْنَ حُقْبًا كُلُّ حُقْبَةٍ ثَلٰثُمِائَةٍ وَسِتُّوْنَ يَوْمًا كُلُّ يَوْمٍ كَعُمُرِ الدُّنْيَا فَمَنْ اَقَامَهَا اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ

(انوار نعمانیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۰
ظلمة فی احوال الصوفیہ
والنواصب مطبوعہ تبریز طبع
جدید وطبع قدیم ص قلمی ۲۲۱)

ترجمہ: اخبار میں وارد ہے۔ کہ جو شخص بے نماز کے چہرہ کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ اس نے گویا بیت معمور کو سات مرتبہ منہدم کیا۔ اور جیسا کہ اس نے ایک ہزار مقرب فرشتوں اور انبیاء مرسلین کو قتل کیا۔ بے نماز کا ایمان نہیں۔ اور بے نماز کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں۔ جس نے ستر قرآن کریم کے نسخے جلائے۔ ستر پیغمبروں کو قتل کیا، اپنی ماں کے ساتھ ستر مرتبہ بدکاری کی۔ ستر دوشیزاؤں کو زنا کے ساتھ عیب دار کیا۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ

کی رحمت کے بے نماز سے زیادہ قریب ہے۔ جو جان بوجھ کر نماز
کو ترک کرے۔ جس نے نماز اپنے وقت پر نہ پڑھی۔ اور اُسے چھوڑ دیا
اُسے پُلصراط پراسی حقبہ کی مدت کے لیے روک دیا جائے گا۔ ایک
حقبہ ۳۶۰ دن کا ہو گا۔ اور ایک دن پوری دنیا کی عمر کے برابر ہو گا۔
لہٰذا جس نے نماز قائم کی اس نے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے نماز چھوڑی
اس نے دین کو برباد کر دیا۔

تحفۃ العوام:

ے

نماز ایک جس شخص نے ترک کی — تو خون اس نے کیا اپنا بے چھڑی
اگر دو نمازوں کا تارک ہوا — تو گویا کہ خون ایک نبی کا کیا!
ہوئی تین وقتوں کی جس سے قضا — تو کعبے کو اُس شخص نے ڈھا دیا
دیا چار وقتوں کو گر ہاتھ سے — تو ایسا کہ جیسا کہ اُس شخص نے

زنا اپنی مادر سے ہفتاد بار
کیا عین کعبہ میں اے ہوشیار
جو تارک ہوا پانچ اوقات کا
بیان کیا کروں اس کے حالات کا

ندا اس کو کرتا ہے یوں بے نیاز — یہ تونے جو کی ترک میری نماز
ہوا میری طاعت سے بیزار تو — غضب کا ہوا اب سزاوار تو
بہت میں بھی بیزار ہوں تجھ سے اب — خدا اور اپنے لیے کر طلب
میرے آسمان و زمین سے نکل — کہیں اور رہ جا کے اے بدعمل
یہ ارشاد کرتے ہیں شاہِ حجاز — کہ یک اور ضائع کرے جو نماز

نہیں مجھ سے اور میری امت سے وہ بہت دور ہے حق کی رحمت سے وہ
(تحفۃ العوام حصہ اول باب نماز وغیرہ ص۲۵)

مذکورہ حوالہ جات سے ترکِ نماز پر درج ذیل سزائیں ثابت ہوتی ہیں

۱۔ بے نماز کو غسل نہ دیا جائے، نہ کفن پہنایا جائے اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں اُسے دفنایا جائے۔
۲۔ "بے نماز" کتے، خنزیر اور منافق سے بھی بدتر ہے۔
۳۔ ستّر مرتبہ اپنی والدہ سے بدکاری کرنا بہ نسبت ترک نماز کے کم گناہ ہے۔
۴۔ سات مرتبہ بیت المعمور کو منہدم کرنے والا بے نماز سے بہتر ہے۔
۵۔ ترکِ نماز اتنا بڑا جرم ہے۔ جیسا کوئی ایک ہزار مقرب فرشتوں اور پیغمبروں کو قتل کر دے۔
۶۔ بے نماز کا ایمان و اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔
۷۔ ستر قرآن کریم کے نسخے جلانا اور ترک نماز ایک جیسے جُرم ہیں۔
۸۔ بے نماز کی ایک لقمہ یا ایک کپڑے سے مدد کرنا ستر پیغمبروں کے قتل جیسا ہے۔
۹۔ نماز کو قضاء کرنے والا یا ترک کرنے والا کل قیامت کو پلصراط پر ستر حقبہ تک تک رکا رہے گا۔ ان میں سے ایک حقبہ تین سو ساٹھ دن کے برابر

اور ہر دن دنیا کی پوری زندگی کے برابر ہوگا۔

۱۰ ۔ چار وقت کی نماز کا تارک اتنا بڑا مجرم ہے۔ کہ کعبہ میں اپنی والدہ سے ستر دفعہ زنا کرنے کے برابر ہے۔

لمحہ فکریہ:

ترکِ نماز پر اس قدر سخت سزائیں اور وعیدیں دیکھی جائیں۔ تو جن لوگوں کی فقہ میں یہ موجود ہیں۔ ان میں سے کسی شخص کا بے نماز ہونا بہت مشکل نظر آنا چاہیئے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ فقہ جعفریہ کے ماننے والے اہل تشیع کی اوّل تو مساجد ہی بہت کم ہیں۔ امام باڑے بکثرت ہیں۔ اور جو چند مساجد ہیں اُن میں بھی نماز باجماعت کی طرح کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس کے خلاف دیگر مسالک و مذاہب کے پیروؤں میں نماز باجماعت کا اہتمام موجود ہے۔ امام باڑے بھی اگرچہ اہل تشیع کے عبادت خانے شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اُن میں نماز کی بجائے محافل و مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ اور پھر اُن میں سینہ کوبی، زنجیر زنی اور دیگر ایسے افعال دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو "فقہ جعفریہ" کے مطابق ناجائز اور حرام ہیں۔ اس کی تفصیل "حرمتِ ماتم بر فقہ جعفریہ میں دلائل" کے موضوع کے تحت ہماری کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ فقہ جعفریہ اور اہل تشیع کا عمل باہم متضاد ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

وسائل الشیعہ

عن ابی عبد الله علیه السلام ان امیر المؤمنین علیه السلام بلغه ان قوما لا یحضرون الصلوة فی المسجد فخطب فقال ان قوما لا یحضرون الصلوة معنا فی مساجدنا فلا یؤاکلونا ولا یشاربونا، ولا یشاورونا، ولا یناکحونا ولا یأخذوا من فیئنا شیئا، او یحضروا معنا صلاتنا جماعة واني لاوشک ان امر لهم بنار تشعل فی دورهم فاحرق علیهم او ینتهون قال فامتنع المسلمون عن مؤاکلتهم ومشاربتهم ومناکحتهم حتی حضروا الجماعة مع المسلمین

(وسائل الشیعہ جلد ۳ ص ۴۸۰ کتاب الصلوٰۃ

مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

کو یہ بات پہنچی۔ کہ لوگ مسجدوں میں نماز باجماعت کے لیے حاضر نہیں ہوتے۔ تو آپ نے اس موضوع پر خطبہ دیا۔ فرمایا جو لوگ ہمارے ساتھ ہماری مساجد میں نماز باجماعت پڑھنے نہیں آتے اُن کے ساتھ کھانا پینا، مشورہ کرنا کرانا، نکاح کرنا کرانا سب ترک کر دو۔ مالِ غنیمت میں سے ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر وہ ان باتوں میں ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں۔ تو پھر انہیں نماز باجماعت میں حاضر ہونا چاہیئے اور میں بہت جلد ایسے لوگوں کے لیے یہ حکم دینے کا سوچ رہا ہوں۔ کہ ان کے گھر آگ لگا کر راکھ کر دیئے جائیں۔ یا وہ اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ سُن کر سامعین نے بے نماز اور تارکِ جماعت لوگوں کے ساتھ کھانا پینا اور نکاح کرنا کرانا چھوڑ دیا۔ اور اعلان کر دیا۔ کہ جب تک یہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے حاضر نہیں ہوں گے۔ ان کے ساتھ یہی سلوک رہے گا۔

لمحۂ فکریہ:

سیّدنا حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے تارکِ جماعت کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ حوالہ مذکورہ میں آپ نے اس کی تفصیل مشاہدہ کر لی ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا اعلان اور حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ تو جماعت کو چھوڑنے والے کے لیے ہے۔ اور جو سرے سے نماز پڑھتا ہی نہ ہو۔ اس کے ساتھ سلوک کیا ہو گا۔

ایک طرف یہ خطاب اور دوسری طرف "محبانِ علی" نے مساجد کی بجائے

امام باڑے بنانے پر زور دے رکھا ہے۔ اور جو ایک آدھ مسجد بنا بھی لی۔ تو اس
میں نماز با جماعت کا کوئی اہتمام دکھائی نہیں دیتا۔ یہ بناوٹی "محبان علی"
حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلط لوگ اپنے آپ کو ان کا فدائی اور
شیدائی کہنے پر مصر ہیں۔ حضرت علی المرتضٰی کے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ کہا
جاتا ہے۔ کہ آپ مسجد میں پیدا ہوئے۔ اور مسجد میں ہی شہادت پائی۔ لیکن اپنی
روش بالکل یاد نہیں۔ مسجد کی بجائے امام باڑوں میں سب کچھ ہوتا ہے۔ حضرت علی
المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے اعلان سے اور زیادہ سخت بات بے نماز اور تارکِ جماعت
کے لیے ملاحظہ ہو۔

وسائل الشیعہ

عَنْ اِبْنِ الْقَدَّاحِ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ اشْتَرَطَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلٰى جِيْرَانِ الْمَسْجِدِ شُهُوْدَ الصَّلٰوةِ وَقَالَ،
لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْ لَاٰمُرَنَّ
مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ ثُمَّ يُقِيْمُ ثُمَّ لَاٰمُرَنَّ رَجُلًا مِنْ
اَهْلِ بَيْتِيْ وَهُوَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَلَيُحَرِّقَنَّ
عَلَى الْاَقْوَامِ بُيُوْتَهُمْ بِحُزَمِ الْحَطَبِ لِاَنَّهُمْ لَا
يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ۔

(وسائل الشیعہ۔ جلد سوم
ص ۴۷۹ کتاب الصلوٰۃ۔ ابواب
احکام المساجد)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے پڑوسیوں پر یہ بات لازم کردی۔ کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کریں۔ اور فرمایا۔ وہ لوگ جو نماز کے لیے مسجدوں میں حاضر نہیں ہوتے وہ اپنے اس کرتوت سے باز آ جائیں۔ ورنہ میں موذن کو اذان و اقامت کہنے کا حکم دے کر اپنے اہل بیت میں علی المرتضیٰ کو حکم دوں گا۔ کہ وہ ان لوگوں سمیت ان کے گھروں کو آگ لگا دیں۔ کیونکہ وہ نماز ادا کرنے کے لیے حاضر نہیں ہوتے۔

ان دونوں روایات میں تارکِ جماعت کے لیے جو باتیں کہی گئیں۔ اُن کو پیش نظر رکھیئے۔ اور تارکِ نماز کے ساتھ ان میں مذکور باتوں کا سلوک کیجئے۔ تو معاشی اور سیاسی بائیکاٹ کے علاوہ ان کے گھروں کو ان کے سمیت جلانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور جلانے کا حکم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر حضرت علی المرتضیٰ آگ میں جلائیں۔ "بے پناہ محبت" کا دعویٰ ہے۔ کیا جس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر حضرت علی المرتضیٰ آگ میں جلائیں۔ وہ کل قیامت کو جنتی ہوگا؟ اسی لیے حقیقت یہی ہے۔ کہ جس کو جس سے محبت اور پیار ہوتا ہے۔ وہ اُسی کے عمل و اخلاق کو پسند کرتا ہے اور اپناتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوےٰ تقاضا کرتا ہے۔ کہ نماز ایسی اہم عبادت ہرگز ترک نہ کی جائے۔ بلکہ اس کی ادائیگی با جماعت ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس کے ترک پر جو وعیدیں ہیں۔ اُن میں سے چند کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور اس پر عمل کرنا خود حضرت علی المرتضیٰ کا معمول تھا۔

کتاب سلیم بن قیس:

وَكَانَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ۔

(کتاب سلیم بن قیس ص ۲۵۳)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانچوں نمازیں باجماعت مسجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔

روایت بالا سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز باجماعت اور وہ بھی مسجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس جماعت کی امامت حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دورِ خلافت میں کرایا کرتے تھے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی اقتدار میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو ان حضرات کو نمازیں اپنا امام بنائیں۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ لیکن محبان علی، ان پر تبرا بازی کریں۔ اور ان کے ایمان میں شک کریں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک مغالطہ اور اُس کا جواب

"کتاب سلیم بن قیس" کی روایت کی تاویل کرتے ہوئے اہل تشیع یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ واقعی پانچوں نمازیں باجماعت اور مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ جماعت مسجد نبوی میں نہیں بلکہ کوفہ کی مسجد میں تھی۔ یہ تاویل اس لیے کی جاتی ہے۔ کہ اگر مسجد نبوی میں حضرت علی المرتضیٰ کے نماز باجماعت ادا کرنے کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر حضرات خلفاء ثلاثہ کی عظمت بھی تسلیم کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ان کے دور خلافت میں ان کی اقتداء کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کا نماز پڑھنا اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ مغالطہ ایک عام شخص کو متاثر کر سکتا ہو گا۔ لیکن ان کی کتب اور تاریخ سے واقف شخص کبھی بھی اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو گا۔ کیونکہ اسی کتاب میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کی یہ نماز مسجد نبوی میں اور خلفاء ثلاثہ کی اقتداء میں ہوتی تھیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

سلیم بن قیس

وَكَانَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ الصَّلٰوةَ الْخَمْسِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ لَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ كَيْفَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ اِلٰى اَنْ ثَقُلَتْ قَالَا لَا عَنْهَا۔

(سلیم بن قیس ص ۲۵۳)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوتے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اُن سے سیدہ فاطمہ بنت رسول کے متعلق دریافت کرتے۔ کہ وہ کیسی ہیں؟

اس روایت کے آخری الفاظ اس مغالطہ کا دندان شکن جواب ہیں۔ کیا کوفہ کی مسجد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے شیخین یہ پوچھا کرتے تھے۔؟ کیا اس وقت خاتونِ جنت موجود تھیں۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کوفہ میں تھے؟ اسی وضاحت کو صاحب تفسیر قمی نے بھی نقل کیا ہے۔

تفسیر قمی

تَحِيَّةً لِلصَّلٰوةِ وَحَضَرَ الْمَسْجِدَ وَصَلّٰى خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ۔

(تفسیر قمی ص ۵۰۲ مطبوعہ ایران طبع قدیم)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کی تیاری کر کے مسجد میں تشریف لاتے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرتے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

"فقہ جعفریہ" میں اوقاتِ صلوٰۃ میں ایک بہت بڑی تخفیف

جیسا کہ ہر مسلمان اس امر سے واقف ہے۔ کہ پانچوں نمازوں کے اپنے اپنے وقت مقرر ہیں۔ اُن کے گزرنے پر نماز قضاء کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اہل تشیع کی فقہ اس مسئلہ پر بھی نرالی ہے۔ اس کی تفصیل حوالہ کے ذریعہ ملاحظہ ہو۔

الفقہ علی المذاہب الخمسۃ

قَالَ الْاِمَامِيَّةُ تَخْتَصُّ الظُّهْرُ مِنْ عَقَبِ الزَّوَالِ، بِمِقْدَارِ اَدَائِهَا وَتَخْتَصُّ الْعَصْرُ مِنْ اٰخِرِ النَّهَارِ بِمِقْدَارِ اَدَائِهَا اَيْضًا وَمَا بَيْنَ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِيْرِ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ وَمِنْ هٰذَا قَالُوْا يَجُوْزُ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي الْوَقْتِ الْمُشْتَرَكِ وَاِذَا ضَاقَ الْوَقْتُ وَلَمْ يَبْقَ مِنْ اٰخِرِهٖ اِلَّا مِقْدَارُ مَا يَتَّسِعُ لِلظُّهْرِ فَقَطْ قُدِّمَ الْعَصْرُ عَلَى الظُّهْرِ يُصَلِّيْهَا اَدَاءً ثُمَّ يَاْتِي الظُّهْرَ اٰخِرَ الْوَقْتِ قَضَاءً (الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص ۷۹ تذکرہ وقت الظہرین)

ترجمہ:

شیعہ کہتے ہیں۔ کہ ظہر کا وقت، زوال شمس کے بعد اس قدر کہ اس میں ظہر ادا کی جا سکے مخصوص ہے اور عصر کا وقت دن کے آخری حصہ میں اس قدر کہ اس میں عصر کی نماز ادا کی جا سکے مخصوص وقت جو اول و اخیر کے درمیان ہے۔ وہ دونوں نمازوں کے لیے مشترک ہے۔ (یعنی ظہر کا اول مخصوص وقت گزار کر اور عصر کا آخری دن کا اتنا حصہ چھوڑ کر جس میں عصر ادا کی سکے اس سے پہلے کا تمام وقت دونوں نمازوں کے لیے مشترکہ وقت ہے۔ جو چاہیں ادا کریں۔ جائز ہے) اسی کو دیکھ کر شیعہ کہتے ہیں۔ کہ ایک وقت مشترک میں دو نمازوں کا اکٹھا کر کے پڑھنا جائز ہے۔ پھر جب یہ وقت مشترک تنگ ہو جائے۔ اور صرف دن چھپنے میں اتنا وقت رہ جائے کہ اس میں صرف ظہر پڑھی جا سکتی ہو۔ (اور ابھی تک مومن جی نے نہ ظہر پڑھی ہو اور نہ ہی عصر) تو اس نازک وقت میں عصر کو ظہر پر مقدم کیا جائے گا۔ تاکہ وہ ادا ہو سکے۔ پھر اس کے بعد ظہر کو قضاء کر کے پڑھا جائے گا۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ:

وَقَالَ الْإِمَامِيَّةُ تَخْتَصُّ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ مِنْ اَوَّلِ وَقْتِ الْغُرُوْبِ بِمِقْدَارِ اَدَائِهَا وَتَخْتَصُّ الْعِشَاءُ مِنْ اٰخِرِ النِّصْفِ الْاَوَّلِ مِنَ اللَّيْلِ بِمِقْدَارِ اَدَائِهَا وَمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَلِذَا اَجَازُوا الْجَمْعَ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ

الْمُشْتَرَكِ بَيْنَ الْفَرِيضَتَيْنِ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص ۸۱ تذکرہ وقت العشائین)

ترجمہ:

شیعہ کہتے ہیں۔ کہ نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد آنا کا اس میں نماز مغرب پڑھی جاسکے مخصوص اور عشاء کا وقت رات کے نصف اوّل کا آخری وقت اس قدر کہ اس میں یہ ادا کی جاسکے مخصوص ہے۔ اور جو وقت ان دونوں مخصوص اوقات کے درمیان والا ہے۔ وہ مغرب اور عشاء دونوں کا مشترکہ وقت ہے۔ اسی لیے اہل تشیع نے اس وقت مشترکہ میں دونوں فرضی نمازیں (مغرب و عشاء) اکٹھی کرنا جائز مانا ہے۔

نوٹ:

صاحب الفقہ علی المذاہب الخمسہ نے (جو اتفاق سے شیعی ہے۔) ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کا وقت مسلکِ شیعہ کے مطابق ذکر کیا ہے۔ اس میں اگرچہ اس نے اول و آخر دو مخصوص وقت دو نمازوں کے لیے ذکر کیے۔ اور ان کے مابین کا وقت دونوں نمازوں کا مشترکہ وقت بتایا ہے۔ لیکن "فقہ جعفریہ" کی ایک اور روایت اول و آخر کی تفریق نہیں کرتی۔ اور کسی نماز کے لیے اول و آخر کی تخصیص نہیں کرتی۔

تہذیب الاحکام

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ وَقْتِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَقَالَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ دَخَلَ الظُّهْرُ وَالْعَصْرُ جَمِيْعًا اِلَّا اَنَّ هٰذِهٖ قَبْلَ هٰذِهٖ ثُمَّ اَنْتَ فِيْ وَقْتٍ مِنْهُمَا جَمِيْعًا حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ۔

(۱۔ تہذیب الاحکام جلد دوم ص ۱۹
باب اوقات الصلوٰۃ)

(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۱۳۹
باب مواقیت الصلوٰۃ)

(۳۔ وسائل الشیعہ جلد سوم صفحہ نمبر ۹۳
کتاب الصلوٰۃ ابواب المیقات)

ترجمہ:

عبید بن زرارہ کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ظہر و عصر کے وقت کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ جب سورج سر سے ڈھل جائے۔ تو ظہر اور عصر دونوں کا اکٹھا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ خیال رہے۔ کہ پہلے ظہر اور اس کے بعد عصر پڑھنی چاہیئے۔ پھر یہ وقت غروب شمس تک دونوں نمازوں کے لیے باقی رہتا ہے۔

من لا یحضرہ الفقیہ

رَوٰی زُرَارَۃُ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّہٗ قَالَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ دَخَلَتِ الْوَقْتَانِ الظُّھْرُ وَالْعَصْرُ فَاِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ دَخَلَ الْوَقْتَانِ اَلْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد اوّل ص ۱۴۰
باب فی مواقیت الصلوۃ الخ)

ترجمہ:

زرارہ ہی نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نمازوں کے اوقات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ کہ جب سورج ڈھل جائے تو دو وقت داخل ہو جاتے ہیں۔ یعنی نماز ظہر اور عصر دونوں کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہو جائے تو مغرب اور عشاء دونوں کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا روایات میں آپ نے پڑھا ہے۔ کہ زوال شمس کے بعد فوراً دونوں نمازوں (ظہر و عصر) کا وقت شروع ہو کر غروب آفتاب تک یہ وقت باقی رہتا ہے۔ اور غروبِ آفتاب سے لے کر فوراً مغرب اور عشاء کا وقت اکٹھا شروع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ پچھلی ایک آدھ عبارت میں تخصیص کا ذکر ہے۔ لیکن وہ حرف غالباً اوّلیت کے لیے ہے۔ ورنہ مکمل وقت جب دونوں کے لیے ہے۔ تو پھر تخصیص کا کیا معنی؟

قرآن کریم اور کتب اہل سنت سے اوقاتِ نماز کی تعیین

نماز کا طریقہ رکعتیں اور اوقات ایسی باتیں ہیں۔ جو انسان کی مرضی پر نہیں چھوڑی گئیں۔ بلکہ قرآن کریم اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔

ترجمہ:

یقیناً نماز ہر مومن پر اوقات مقررہ پر پڑھنا فرض کر دی گئی ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۔

ترجمہ:

سو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو جب تم شام کرتے ہو۔ اور جب تم صبح کرتے ہو۔ اور اسی کے لیے حمد آسمانوں اور زمین میں ہے اور پچھلے پہر اور

دن ڈھلے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کا اپنا اپنا مستقل وقت ہے۔ وہ اس میں ادا ہو گی۔ ورنہ قضاء ہو جائے گی۔

نسائی شریف

حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ الظُّهْرَ حِيْنَ مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ مَكَثَ حَتّٰى إِذَا كَانَ فَيْءُ الرَّجُلِ مِثْلَهُ جَاءَهُ لِلْعَصْرِ فَقَالَ قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ الْعَصْرَ ثُمَّ مَكَثَ حَتّٰى إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ جَاءَهُ فَقَالَ قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ الْمَغْرِبَ فَقَامَ فَصَلَّاهَا حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ سَوَاءً ثُمَّ مَكَثَ حَتّٰى إِذَا ذَهَبَ الشَّفَقُ جَاءَهُ فَقَالَ قُمْ فَصَلِّ الْعِشَاءَ فَقَامَ فَصَلَّاهَا ثُمَّ جَاءَهُ حِيْنَ سَطَعَ الْفَجْرُ فِي الصُّبْحِ فَقَالَ قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ فَقَامَ فَصَلَّى الصُّبْحَ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الْغَدِ حِيْنَ كَانَ فَيْءُ الرَّجُلِ مِثْلَهُ فَقَالَ قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ جَاءَهُ لِلْمَغْرِبِ حين غابت الشمس حين كان فئ الرجل متليه فقال قم يامحمد فصل فصلى العصر حين غابت الشمس و قتا واحد لم يزل عنه فقال

ثُمَّ فَصَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ جَاءَهُ لِلْعِشَاءِ حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلُ فَقَالَ قُمْ فَصَلِّ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ جَاءَهُ لِلصُّبْحِ حِيْنَ اَسْفَرَ جِدًّا فَقَالَ قُمْ فَصَلِّ فَصَلَّى الصُّبْحَ فَقَالَ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ كُلُّهٗ۔

(نسائی شریف جلد اول ص ۹۱
کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت سورج دوپہر سے ڈھل چکا تھا۔ آپ سے عرض کیا حضور اٹھیے اور نماز ظہر ادا کیجئے۔ پھر کچھ دیر ٹھہر کر حاضر ہوئے۔ اس وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا تھا۔ عرض کی۔ حضور! اٹھیے اور نماز عصر ادا کیجئے۔ آپ نے نماز عصر پڑھی پھر سورج غروب ہونے پر حاضر خدمت ہو کر عرض کیا اب نماز مغرب ادا فرمایئے۔ آپ نے ادا فرمائی۔ پھر شفق ختم ہونے پر حاضر ہو کر عرض کیا اب نماز ادا فرمائیں۔ آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی۔ پھر اس وقت آئے جب صبح صادق ہوئی۔ اور آ کر عرض کیا اب نماز صبح ادا فرمایئے۔ دوسرے دن اس وقت حاضر ہوئے جب ہر چیز کا سایہ ایک گنا لمبا ہو گیا تھا۔ عرض کیا۔ حضور! نماز ظہر ادا فرمایئے آپ نے ادا فرمائی۔ پھر ہر چیز کا سایہ دو گنا ہونے پر حاضر ہو کر عرض کیا اب نماز عصر ادا فرمایئے۔ آپ نے ادا فرمائی۔ پھر غروب آفتاب کے وقت حاضر ہوئے اور نماز مغرب کا عرض کیا آپ نے نماز مغرب ادا فرمائی۔ آج اور کل اس نماز کا وقت ایک ہی تھا۔ پھر رات کا پہلا تہائی حصہ گزرنے

پر حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا اب نماز عشاء ادا کیجئے۔ آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی۔ پھر خوب روشنی میں بوقت صبح حاضر ہوئے عرض کیا نماز صبح ادا فرمایئے۔ آپ نے ادا فرمائی۔ آخر میں عرض کیا۔ کہ ہر نماز کے اوّل و آخر کے مابین اس نماز کا وقت ہے۔

مسلم شریف

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَسْقُطْ ثَوْرُ الشَّفَقِ وَوَقْتُ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ وَوَقْتُ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ۔

(مسلم شریف جلد اوّل ص ۲۲۳ باب اوقات الصلوٰۃ الخمس)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ظہر کا وقت اس وقت تک باقی ہوتا ہے۔ جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔ اور عصر کا وقت سورج کے پیلا پڑنے تک (بلا کراہت) ہے۔ اور مغرب کا وقت جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اور عشاء کا وقت آدھی رات اور صبح کا وقت سورج طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

عینی شرح ہدایہ

لَا يَدْخُلُ وَقْتُ صَلٰوةٍ حَتّٰى تَخْرُجَ وَقْتُ صَلٰوةٍ أُخْرٰى۔

(عینی شرح الہدایہ جلد ۱
صفحہ ۴۹۷)

ترجمہ:
کسی نماز کا وقت اس وقت تک شروع نہیں ہوتا جب تک اس سے پہلی نماز کا وقت ختم نہ ہو جائے۔

المحرر فکریہ:

قرآن کریم سے اس بات کی صراحت ملی کہ ہر نماز کا وقت مقرر ہے۔ اور اس اجمال کی تفصیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ مختصر یہ کہ کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ پانچوں نمازوں کا وقت اول و آخر مقرر ہے۔

فقہ حنفی میں ظہر کے آخری وقت کے بارے میں حوالہ جات بالا میں دو وقت مذکور ہونے کی وجہ سے شاید قارئین کرام اس بات کو سمجھ نہ پائے ہوں۔ اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک روایت میں ایک مثل سایہ اور دوسری میں دو مثل سایہ کا بظاہر تعارض دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ایک اور حدیث پاک میں ابردوا بالظہر یعنی ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔ کے الفاظ بتلاتے ہیں۔ کہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام نے عمل کر کے دکھایا۔ یہ حدیث

اشارہ کرتی ہے۔ کہ اس پر عمل دو مثل والی روایت کے ضمن میں درست ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے۔ کہ حدیث پاک نے دوسرے دن ظہر کا آخری وقت جو جبرئیل نے بتایا۔ وُہ دو مثل تھا۔ پہلے دن ایک مثل کہا۔ اس لیے دوسری مثل میں نماز ظہر کا ادا یا قضا ہونا دونوں احتمال ہیں۔ اس لیے اس احتمال وشک کی بنا پر دوسری مثل کہا۔ اس لیے دوسری مثل میں نماز ظہر قضا نہ ہو گی۔ بلکہ ادا ہو گی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ نماز عصر کا وقت دو مثل سایہ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس احتمال پر بقیہ نمازوں کے وقت میں کوئی تعارض وغیرہ نہیں۔ ہر ایک کا مستقل وقت ہے۔ اہل تشیع کا دو دو نمازوں کا ایک ہی وقت مقرر کرنا قرآن کریم و احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔ اور گزشتہ اہل تشیع کی کتب کے حوالہ جات کے برخلاف ان کی ہی کتابوں میں ہر نماز کا علیحدہ علیحدہ وقت مقرر ہونا بھی موجود ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

وسائل الشیعہ

سَمِعْتُ الْعَبْدَ الصَّالِحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ هُوَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ وَقْتِ الظُّهْرِ زَوَالُ الشَّمْسِ وَاٰخِرَ وَقْتِهَا قَامَةٌ مِنَ الزَّوَالِ وَاَوَّلَ وَقْتِ الْعَصْرِ قَامَةٌ وَاٰخِرَ وَقْتِهَا قَامَتَانِ قُلْتُ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ سَوَاءٌ؟ قَالَ نَعَمْ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد سوم ص۱۰۸ کتاب الصلوۃ)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد ۲ ص۲۵۱ مذکرہ فی المواقیت)

(۳۔ فروع کافی جلد سوم ص ۲۷۵ کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ:

محمد ابن حکیم نے کہا کہ میں نے عبد صالح علیہ السلام سے سنا۔ کہ ظہر کا اول وقت زوالِ شمس ہے۔ اور اس کا آخری وقت ایک مثل سایہ ہونے تک ہے۔ اور عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو کر دو مثل تک ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ کیا گرمی و سردی میں ان دونوں کا یہی وقت ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔

وسائل الشیعہ

عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خَلِیْفَۃَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ عُمَرَ بْنَ حَنْظَلَۃَ اَتَانَا عَنْکَ بِوَقْتٍ فَقَالَ اِذًا لَا یَکْذِبُ عَلَیْنَا قُلْتُ ذَکَرَ اَنَّکَ قُلْتَ اِنَّ اَوَّلَ صَلٰوۃٍ اِفْتَرَضَہَا اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّہْرُ وَہُوَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ (اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ) فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ لَمْ یَمْنَعْکَ اِلَّا سُبْحَتُکَ ثُمَّ لَا تَزَالُ فِیْ وَقْتٍ اِلٰی اَنْ یَصِیْرَ الظِّلُّ قَامَۃً وَہُوَ اٰخِرُ الْوَقْتِ فَاِذَا صَارَ الظِّلُّ قَامَۃً دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فَلَمْ تَزَلْ فِیْ وَقْتِ الْعَصْرِ حَتّٰی یَصِیْرَ الظِّلُّ قَامَتَیْنِ وَذَالِکَ الْمَسَاءُ قَالَ صَدَقَ

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد سوم ص ۹۴ الکتاب الصلوٰۃ)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد دوم ص ۲۰ فی اوقات الصلوٰۃ)

ترجمہ:

یزید بن خلیفہ کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ کہ عمر بن حنظلہ آپ کی طرف سے ایک نماز کا وقت بیان کرتا ہے (کیا اس کا کہنا ٹھیک ہے؟) آپ نے فرمایا۔ پھر وہ ہم پر جھوٹ نہیں بولتا ہوگا۔ میں نے عرض کیا۔ وہ کہتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی جو نماز فرض کی وہ ظہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں یہ قول ہے "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ"، پھر جب سورج دوپہر سے ڈھل جائے۔ تو تجھے اپنی نماز پڑھنی چاہیئے۔ پھر اس نماز کا وقت ہر چیز کے ایک مثل سایہ ہونے تک باقی رہتا ہے پھر جب کسی چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔ تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا۔ اور تم عصر کے وقت میں ہی رہو گے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل نہیں ہو جاتا اور دو مثل کا مطلب شام ڈھلنا ہے۔ یہ سن کر امام جعفر نے فرمایا۔ ہاں اس نے سچ کہا ہے۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ وَهْبٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتٰى جِبْرِيْلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ فَاَتَاهُ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَتَاهُ حِيْنَ زَادَ الظِّلُّ قَامَةً فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ اَتَاهُ

حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَتَاهُ حِیْنَ سَقَطَ الشَّفَقُ فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتَاهُ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الصُّبْحَ ثُمَّ اَتَاهُ مِنَ الْغَدِ حِیْنَ زَادَ فِی الظِّلِّ قَامَةٌ فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَتَاهُ حِیْنَ زَادَ فِی الظِّلِّ قَامَتَانِ فَاَمَرَهٗ فَصَلَّى الْعَصْرَ۔

(وسائل الشیعہ جلد سوم

صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے معاویہ بن وہب روایت کرتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نماز کے اوقات لے کر حاضر ہوئے۔ جب زوال شمس ہوا۔ تو آکر کہا۔ حضور! نماز ظہر ادا کیجئے۔ آپ نے ظہر ادا فرمائی۔ پھر جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل بڑھ گیا تو جبریل دوبارہ آیا۔ اور آپ سے نماز عصر پڑھنے کو کہا۔ آپنے عصر ادا فرمائی۔ پھر غروب سورج کے بعد حاضر ہو کر آپ سے نماز مغرب ادا کرنے کو کہا۔ آپ نے مغرب ادا فرمائی۔ پھر شفق ختم ہونے پر حاضر ہو کر نماز عشاء پڑھنے کو کہا۔ آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی۔ پھر صبح صادق ہونے پر حاضر ہوا۔ اور نماز فجر پڑھنے کو کہا۔ آپ نے وہ بھی ادا فرمائی۔ پھر جبریل دوسرے دن آیا۔ اور اس وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا جبریل نے آپ کو نماز ظہر ادا کرنے کو کہا۔ آپ نے نماز ادا فرمائی

پھر دو مثل سایہ پڑھنے پر حاضر ہو کر آپ کو نماز عصر پڑھنے کو کہا آپ نے اس وقت عصر ادا فرمائی۔

تہذیب الاحکام

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ الْكَرْخِيْ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مَتٰى يَدْخُلُ وَقْتُ الظُّهْرِ؟ قَالَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ فَقُلْتُ مَتٰى يَخْرُجُ وَقْتُهَا؟ فَقَالَ مِنْ بَعْدِ مَا يَمْضِىْ مِنْ زَوَالِهَا اَرْبَعَةُ اَقْدَامٍ اِنَّ وَقْتَ الظُّهْرِ ضَيِّقٌ لَيْسَ كَغَيْرِهِ قُلْتُ مَتٰى يَدْخُلُ وَقْتُ الْعَصْرِ؟ فَقَالَ اِنَّ اٰخِرَ وَقْتِ الظُّهْرِ هُوَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ۔

(تہذیب الاحکام جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶ فی اوقات الصلوۃ۔ مطبوعہ تہران، طبع جدید)

ترجمہ:

ابراہیم کرخی کہتا ہے۔ کہ میں نے ابا الحسن موسیٰ کاظم سے پوچھا حضور! ظہر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ فرمانے لگے۔ جب زوال شمس ہو جائے میں نے پھر پوچھا کہ اس کا آخری وقت کیا ہے؟ فرمانے لگے جب سورج کو ڈھلے ہوئے اتنا وقت ہو جائے کہ چار قدم سایہ لمبا ہو جائے۔ ظہر کا وقت دوسری نمازوں کی طرح کوئی لمبا چوڑا

نہیں ہے۔ میں نے پھر پوچھا وقتِ عصر کب شروع ہوتا ہے؟
آپ نے فرمایا۔ ظہر کا آخری وقت عصر کا ابتدائی وقت ہے۔

فقہ امام جعفر صادق

وَقَالَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ فَصَلِّ الظُّهْرَ وَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ فَصَلِّ الْعَصْرَ۔

(فقہ امام جعفر صادق جلد اول صفحہ نمبر ۱۳۵
حدود الاوقات)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب تیرا سایہ تیری ایک مثل ہو جائے۔ تو ظہر پڑھ۔ اور جب تیرا سایہ تیری دو مثل ہو جائے پھر نماز عصر ادا کر۔

نوٹ:

کوئی اہل تشیع میں سے اگر ان روایات کی یہ تاویل کرے۔ کہ نماز ظہر اور عصر کا وقت تو ایک ہی ہے۔ صرف ظہر کو مذکورہ وقت یعنی دو مثل سایہ ہونے سے پہلے پڑھنا افضل ہے۔ یہ تاویل اس لیے باطل ہے۔ کہ فقہ امام جعفر صادق نامی کتاب کے مذکورۃ الصدور حوالہ سے پہلے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بالتصریح موجود ہے۔

لکل صلوۃ وقتان واول الوقت افضلہ۔ ہر نماز کے دو وقت ہیں۔ (یعنی اول و آخر وقت) اور شروع وقت میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔

لہذا ظہر بھی ان نمازوں میں سے ایک ہونے کی بنا پر اوّل و آخر دو وقت) اور شروع اوّل وقت زوال شمس اور آخر وقت دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔ دو مثل کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ایک مثل میں نماز ظہر پڑھنا افضل ہے۔ اور عصر کا آخری وقت چونکہ ناقص وقت ہے۔ اس لیے امام صاحب نے فرمایا۔ کہ نماز عصر دو مثل سایہ کے بعد ہی پڑھ لی جائے۔

وسائل الشیعہ:

وَ قَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَلْعُوْنٌ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ طَلَبًا لِفَضْلِهَا قَالَ وَ قِيْلَ لَهُ اِنَّ اَهْلَ الْعِرَاقِ يُؤَخِّرُوْنَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ فَقَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ عَدُوِّ اللّٰهِ اَبِي الْخَطَّابِ۔

(وسائل الشیعہ جلد سوم ص ۱۳۷ ابواب المواقیت)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جس نے مغرب کی نماز فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے مؤخر کر کے پڑھی وہ ملعون ہے وہ ملعون ہے آپ سے کہا گیا۔ کہ عراقی لوگ نماز مغرب بہت دیر سے پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ستارے جھلملانے لگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کام اللہ کے ایک دشمن ابوالخطاب کا ہے۔

نوٹ:-

روایتِ مذکورہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر لعنت بھیجی جو مغرب کو تاخیر سے ادا کرتا ہے۔ اور اس سے اللہ کے دشمنوں کا کام فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نماز مغرب کا وقت رات کے ثلث تک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہل تشیع کا خیال ہے۔ کہ مغرب اور عشاء دونوں کا وقت ایک ہی وقت ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو ستارے جھلملانے تک موخر کرنے والے کو امام موصوف ملعون نہ کہتے۔ اسی روایت سے آگے ایک اور حدیث بایں الفاظ مذکور ہے۔

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ مَنْ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ فَاَنَا اِلَى اللّٰهِ مِنْهُ بَرِيْئٌ۔

ترجمہ:

میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص نماز مغرب کو ستارے جھلملانے تک دیر کرکے پڑھتا ہے میں اس شخص سے اللہ کے ہاں بری ہوں۔ اور بیزار ہوں۔

گویا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرما رہے ہیں۔ جو نماز مغرب کو دیر کرکے پڑھتے ہیں۔ اگر ثلث رات تک نماز مغرب

کا وقت ہوتا۔ تو اس بیزاری کا کیا مطلب؟ امام صاحب دراصل نماز مغرب کو ایسے وقت میں ادا کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔ جس وقت مغرب کا وقت رہتا ہی نہیں۔ بلکہ عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہی اہل سنت کا موقف ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اہل تشیع آج بھی نماز مغرب کو بہت دیر سے بلکہ مغرب اور عشاء کو اکٹھا کرکے پڑھتے ہیں۔ اور اسی وقت پر جس پر امام جعفر صادق نے لعنت بھیجی۔ پڑھتے ہیں۔ تو یہ لوگ امام کے نزدیک ملعون ہوئے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں۔ کہ ان کی فقہ خود گھڑی ہوئی ہے۔ نہ امام محمد باقر اور نہ ہی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کی مرویات پر اس کی بنیاد ہے۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی۔ کہ پانچوں نمازوں کا اپنا اپنا وقت مقرر ہے۔ ان میں سے نماز ظہر کا اول وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے اور ایک مثل یا دو مثل تک رہتا ہے۔ یہی حضرات ائمہ اہل بیت فرما رہے ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو اوقات بتائے وہ یہی تھے۔ اس وقت مقررہ میں ظہر کے علاوہ اس دن کی عصر پڑھنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا اول وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے۔ اور یہی ائمہ اہل بیت کا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ نماز ظہر اور عصر کے ان اوقات مقررہ پر اجماع ہے۔ اسی طرح مغرب کا وقت غروب شمس سے شروع ہو کر غروب شفق تک مستقل وقت ہے اور غروب شفق کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو کر صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ ان دونوں کا وقت بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ اگر ان دونوں کا وقت بھی ایک ہی ہوتا۔ تو مغرب کو تاخیر سے پڑھنے والا ملعون اور خدا کا دشمن کیوں ہوتا۔؟

حضرات! ائمہ اہل بیت کے ارشادات آپ حضرات نے ملاحظہ کیے۔ اور اوقات نماز کے مسئلہ پر اہل تشیع کے خیالات اور عمل بھی آپ ملاحظہ کر چکے۔ صاف صاف ظاہر کہ "فقہ جعفریہ" خود ساختہ باتوں کے مجموعہ کا نام تو ہو سکتا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ارشادات و فرامین کا مجموعہ نہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اوقاتِ نماز کے بیان فرمانے میں کسی تقیہ سے کام نہیں لیا۔ کیونکہ وہ دور تقیہ کا دور نہ تھا۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع نماز ایسی اہم عبادت میں بھی جھرلو پھیرتے ہیں۔ اور آسانی تلاش کرنے کے درپے ہیں۔ ظہر اور عصر کو ملا کر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھ لیا۔ یہ آسانی ہی تھی جس نے انہیں اپنے اماموں کے نظریہ سے دور کر دیا۔ اسی طرح کی آسانیاں آپ مسئلہ پردہ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ صرف دو عضو قابل ستر ہیں۔ ان میں سے ایک کا تو خود بخود پردہ ہو گیا۔ دوسرے پر ہاتھ رکھ لو۔ تو صاحب شرم و حیا بن جاؤ گے۔ حقیقت یہی ہے۔ کہ کوئی بھی عقل سلیم ان تخفیفات کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے یہ کہنا برحق ہے۔ کہ "فقہ جعفریہ"، زرارہ ابو بصیر اینڈ کمپنی کی بنائی ہوئی ہے۔ اور دھوکے سے اس پر مہر امام جعفر صادق کی لگا دی گئی ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتراض

ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کرنے کا ثبوت اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے۔ پھر ہم پر اعتراض کیوں؟

جب اہل تشیع پر یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ تم ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھ کر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے اپنے ائمہ کی مخالفت کرتے ہو۔ اور ایسی بات کرتے ہو۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ تو وُہ اس کے جواب میں ہماری کتب احادیث کا حوالہ پیش کرتے کہتے ہیں۔ کہ ان نمازوں کے جمع کرنے کا مسئلہ تو اہل سنت کی اپنی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مسلم شریف

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَبَاهُ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّیْرُ فِی السَّفَرِ یُؤَخِّرُ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ

حَتّٰی یَجْمَعَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ۔

(مسلم شریف جلد اوّل ص ۲۴۵)

ترجمہ:

ابن شہاب کہتے ہیں۔ کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے اپنے باپ کی ایک بات بتائی۔ وہ یہ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی۔ تو نماز مغرب کو مؤخر کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع کر لیتے تھے۔

نسائی شریف

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فَاِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ۔

(مسلم شریف جلد اوّل ص ۲۴۵

مطبوعہ آلا م باغ کراچی)

ترجمہ:

ابن شہاب حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے قبل کہیں جانے کا ارادہ فرماتے۔ تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے۔ پھر سواری سے اُتر کر دونوں کو جمع کر کے پڑھتے۔ اور جب سورج ڈھلنے کے بعد

ارادۂ سفر ہوتا۔ تو سفر میں جانے سے قبل نماز ظہر ادا فرما لیتے۔ پھر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو جاتے۔

طریق استدلال:

ان دونوں احادیث میں دو نمازوں کو اکٹھا کر کے ادا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت ہو رہا ہے۔ ہم بھی تو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے جمع کے قائل ہیں۔ جن کا ان دونوں احادیث میں ذکر ہے۔ لہٰذا اگر قابلِ اعتراض بات ہے۔ تو پھر اہل سنت کی کتبِ حدیث کی ان روایات پر بھی اعتراض ہونا چاہیئے۔

جواب:

اہل تشیع کا یہ اعتراض بظاہر کارگر نظر آتا ہو گا لیکن ان احادیث اور ان کے مسلک کے مابین کوئی وجہ اتحاد نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں کتب شیعہ سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ان کی فقہ میں ظہر اور عصر کا وقت ایک ہی وقت ہے اور مغرب و عشاء کا وقت بھی ایک ہی وقت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ اوّل اور آخر بھی دونوں کا ایک ہی ہے۔ اب جبکہ ان کی فقہ میں ظہر و عصر کا وقت ایک ہی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ زوالِ شمس کے بعد ظہر پڑھیں وہ بھی جائز اور عصر پڑھیں وہ بھی جائز۔ یعنی عصر کو وقت ظہر میں اور ظہر کو وقت عصر میں پڑھنے سے کوئی خرابی نہیں ہو گی۔ دونوں ادا ہو جائیں گی۔ اس کے برخلاف ائمہ اہل بیت اور اہل سنت کے نزدیک ہر نماز کا اوّل و آخر اپنا وقت مقرر ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر کے وقت جن دو نمازوں کو جمع فرمایا۔ اس کی صورت

یہ ہے۔ کہ نماز ظہر کو اوّل وقت کی بجائے آپ نے اس کے آخری وقت میں ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر کا اول وقت شروع ہو جانے کے باعث اسے اول وقت میں ادا فرمایا۔ یُوں دیکھنے میں یہ دونوں نمازیں اکٹھی پڑھی جاتی نظر آرہی ہیں لیکن درحقیقت ان میں سے ہر ایک کو اپنے وقت میں ہی ادا کیا گیا ہے۔ اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ حدیث پاک کے الفاظ پر ذرا غور کریں۔ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ، آپ نے ظہر کو وقت عصر تک مؤخر فرمایا۔ مطلب یہ کہ وقت عصر شروع ہی ہوا چاہتا تھا۔ اور نماز ظہر کے آخری لمحات تھے۔ کہ آپ نے نماز ظہر ادا فرمائی۔ اب اس نماز ظہر کو کون کہے گا۔ کہ یہ عصر کے وقت میں پڑھی گئی۔ بلکہ بات وہی ہے۔ کہ نماز ظہر آخری وقت میں اور نماز عصر ابتدائی وقت میں آپ نے ادا فرمائی۔ اس لیے ہر نماز کی ادائیگی اپنے وقت میں ہوئی۔

اب ان احادیث کو سامنے رکھیں۔ اور فقہ جعفریہ کی جمع بین الصلوتین کو سامنے رکھیں۔ دونوں میں کوئی اتحاد کی وجہ نظر نہ آئے گی۔ علاوہ ازیں اہل تشیع جب ظہر اور عصر کا ایک ہی وقت کہتے ہیں۔ تو ان کے نزدیک اگر دوپہر ڈھلنے پر کسی نے نماز عصر پڑھ لی۔ تو ہو جائے گی۔ لیکن اہل سنت کے ہاں یہ نماز عصر ہرگز ادا نہ ہو گی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ نسائی اور مسلم کی مذکورہ روایت سے اہل تشیع کا اپنے مسلک پر استدلال کرنا غلط ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ)

اہل سنت نے ان مذکورہ دو احادیث میں دو دو نمازوں کو جمع کرنا "جمع صوری" سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ تاویل یا تعبیر "آخر الظہر" کے الفاظ سے نکالی۔ ہم تمہاری کتابوں میں سے ایسی احادیث دکھا سکتے ہیں جن میں یہ لفظ موجود نہیں۔ لہٰذا اُن روایات میں "جمع صوری" مراد نہ ہو گا۔ بلکہ جمع حقیقی مراد ہے اور یہی ہم اہل تشیع کا مسلک ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

نسائی شریف

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَسَبْعًا جَمِيْعًا۔

(نسائی شریف جلد اول صفحہ نمبر ۶۲
مع الحواشی الجدیدۃ)

ترجمہ:
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ میں نے

مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آٹھ اور سات رکعتیں جمع کرکے پڑھیں۔

اس حدیث پاک میں آٹھ اور سات کی تفصیل موجود نہیں۔یعنی ہوسکتا ہے کہ یہ پندرہ رکعتیں صرف عشاء کی ہوں۔یا مغرب کی سات اور عشاء کی آٹھ ہوں۔ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث یوں کرتی ہے۔

مسلم شریف

عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَّ ثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ۔

(مسلم شریف جلد اول صفحہ نمبر ۲۴۶)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات اور آٹھ رکعات اکٹھی پڑھیں۔ یعنی چار ظہر، چار عصر، تین مغرب اور چار عشاء کے فرض۔

اس حدیث پاک میں جمع بین الصلوتین موجود ہے۔اور ان دونوں میں سفر کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔اور علاوہ ازیں یہ بھی کہیں ذکر نہ ہوا۔کہ آپ نے ایک نماز کو موخر کرکے دوسری کے اول وقت کے ساتھ پڑھ لیا۔جسے جمع صوری کہا گیا ہے۔ یہ تو دو نمازوں میں ہوسکتا ہے۔مسلم شریف کی مذکورہ حدیث میں تو ظہر،عصر،مغرب اور عشاء کو اکٹھا کرکے پڑھنے کا ذکر ہے۔تو معلوم ہوا۔کہ جمع صوری اور سفر یہ دونوں باتیں

ان احادیث کی رُو سے ثابت نہیں ہوتیں۔
لہٰذا ہم اہل تشیع کا مسلک اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے کہ دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا چاہیے سفر ہو یا اقامت ہر طرح درست ہے۔ اس لیے وہ تاویل اور تعبیر جو پہلی احادیث میں کی گئی۔ قابل قبول نہ ہو گی۔

جواب

ان احادیث میں بھی جمع سے مُراد جمع صوری ہی ہے۔ جمع حقیقی نہیں۔ اس کا فیصلہ تب ہو سکتا تھا کہ معترض مسلم شریف کی حدیث مکمل ذکر کرتا۔ پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

نسائی شریف

عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَّ سَبْعًا جَمِيْعًا اَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَاَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ۔

(نسائی شریف ص ۶۲ جلد اول مع الحواشی الجدیدہ۔)

ترجمہ:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آٹھ رکعت اکٹھی اور سات رکعت اکٹھی ادا فرمائیں۔ ظہر کو مؤخر کر کے چار اس کی اور عصر کو جلدی ادا کر کے چار اس کی یہ آٹھ اکٹھی پڑھیں۔ اور سات اکٹھی اس طرح کہ مغرب کی تین رکعت

موخر اور عشاء کی چار جلدی پڑھ لیں۔

قارئین کرام! نسائی شریف کی پوری حدیث نے بات واضح کردی۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو نمازوں کو اکٹھا ضرور کیا۔ لیکن وہ اس طرح کہ ایک کو اُس کے آخری وقت میں اور دوسری کو اُس کے اوّل وقت میں ادا فرمایا۔ آپ بتلائیے۔ کہ ایسا کرنا جمع صوری ہے یا جمع حقیقی؟ معترض اگر پوری حدیث نقل کردیتا۔ تو اُس کا مدعا ثابت نہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے جتنے الفاظ سے مطلب بن سکتا تھا۔ وہ لے لیے۔ اور بقیہ کو ہضم کردیا۔ یہ استدلال کچھ ایسا ہی ہے۔ جیسا کوئی بھنگی اور افیون ہیروئین کا عادی کہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ۔ نماز کے قریب مت جاؤ۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرکے نماز کے قریب نہیں جاتے۔ تو جس طرح انہوں نے "وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" ہضم کرلیا تھا۔ اسی طرح شیعہ معترض نسائی شریف میں موجود حدیث کے آخری الفاظ ہڑپ کرگیا۔ یہ بھنگیوں والا استدلال ہے۔ اس کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔)

اعتراض

عرفات میں ظہر اور عصر اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء دونوں کو سنی جمع کرتے ہیں

اگر ظہر اور عصر کو جمع کرنا اور مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھنا جائز نہیں۔ تو اہل سنت کی کتب میں دوران حج میدان عرفات میں ظہر اور عصر کو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا اور مقام مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا کیونکر درست ہو گیا؟ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ جمع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وہی الزامات لگاؤ گے جو ہم جمع کرنے والوں پر لگاتے ہو۔؟ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

نسائی شریف

حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ حَتّٰى اِذَا انْتَهٰى اِلٰى بَطْنِ الْوَادِىْ خَطَبَ النَّاسَ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔ (نسائی شریف جلد اول ص ۶۲ مع الحواشی الجدیدہ)

ترجمہ:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے، (دوران حج) عرفات میں تشریف لے آئے۔ وہاں آپ نے اپنے لیے نصب شدہ ایک خیمہ پایا۔ جو مقام نمرہ میں تھا۔ آپ سواری سے اُترے۔ جب زوالِ شمس ہو گیا۔ تو آپ نے اپنی سواری "قصوا" پر پالان وغیرہ لگا کر تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ تیار ہو گئی۔ تو آپ اس پر سوار ہو کر بطن وادی پہنچے۔ یہاں آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد حضرت بلال نے اذان دی اور اقامت کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر حضرت بلال رضی نے اقامت کہی۔ تو آپ نے نماز عصر ادا فرمائی، ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی اور نماز نہ پڑھی۔

مسلم شریف

يَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّاَ وَلَمْ

يَسْبَغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلٰوةُ قَالَ الصَّلٰوةُ اَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَآءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَاَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَنَاخَ كُلُّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهٗ فِيْ مَنْزِلِهٖ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الْعِشَآءُ فَصَلَّاهَا وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

(مسلم شریف جلد اول ص ۴۱۴)

ترجمہ:

حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے واپس تشریف لائے۔ تو راستہ میں ایک گھاٹی میں سواری سے نیچے اتر کر آپ نے پیشاب مبارک کیا۔ پھر ادھورا سا وضو کیا۔ میں نے عرض کیا۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ فرمایا۔ آگے چل کر پڑھیں گے۔ جب مزدلفہ تشریف لائے۔ تو سواری سے اتر کر مکمل وضو فرمایا۔ پھر اقامت کہی گئی۔ آپ نے نماز مغرب پڑھی۔ پھر تمام لوگوں نے اپنے اونٹ بٹھا دیئے۔ پھر عشاء کی اقامت ہوئی اور آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی نماز نہ پڑھی۔

ان دونوں احادیث میں واضح طور پر موجود ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر و عصر کو ملا کر پڑھا۔ اور ان دونوں میں کسی نفلی نماز وغیرہ سے بھی فرق نہ کیا اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا۔ یہ دونوں جمع صوری نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ یہاں ظہر کے وقت میں عصر ادا کی گئی۔ اگر ظہر کے آخری وقت میں ظہر اور عصر کے ابتدائی وقت میں عصر ادا کی جاتی۔ تو جمع صوری کا احتمال ہو سکتا تھا۔ لیکن یہاں

یہ احتمال ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مغرب و عشاء کو عشاء کے وقت میں ادا فرمانے کا معاملہ بھی ہے۔

لہٰذا ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا۔ کہ اہل سنت کے ہاں بھی عرفات میں ظہر و عصر کو اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کیا جاتا ہے۔ تو پھر ایسی ہی جمع پر اہل تشیع پر اعتراض کیوں؟

جواب:

میدانِ عرفات اور مزدلفہ میں دو دو نمازوں کا جمع کرنا اور اس پر اہل تشیع کا ہر وقت اور روزانہ ان نمازوں کو جمع کرنے کا قیاس کرنا قواعد و اصول کے بالکل خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں ذرا تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

ا۔ عرفات اور مزدلفہ میں نماز کے اوقات میں ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ادا ہوئی ہے۔

وہ اس طرح کہ میدان عرفات میں ہمارے نزدیک عصر کا وقت ظہر کے ادا کرنے کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ بخلاف عام حالات کے کہ ان میں عصر کا وقت دو مثل سایہ بڑھنے پر شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مزدلفہ میں مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان دونوں مقامات پر نمازیں نہیں بلکہ نمازوں کے اوقات آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔

ب۔ ان دونوں مقامات میں اگر کوئی شخص نماز عصر کو عام حالات کے وقت کے مطابق یعنی دو مثل سایہ بڑھنے پر پڑھے گا۔ تو وہ گناہ گار ہوگا۔ یہ گناہ اسی وجہ سے ہے۔ اور مغرب کو اگر مزدلفہ کے راستہ میں مغرب کے عام وقت کے مطابق پڑھتا ہے۔ تب بھی گناہ گار ہوگا۔ یہ گناہ اسی وجہ سے ہے۔ کہ

اس نے نماز کو ان مقامات کے مخصوص وقت میں ادا نہ کیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے اوقات تبدیل ہو گئے ہیں۔

ج ۔ مسافر اگر دوران سفر ظہر کو ظہر کے وقت یعنی زوال شمس کے بعد پڑھتا ہے۔ اور عصر کو دو مثل گزرنے پر پڑھتا ہے۔ تو اہل تشیع اس کو گناہ گار نہیں کہتے۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ ان نمازوں کے اوقات وہی ہیں۔ جو اقامت و سفر میں عام حالات میں مقرر ہیں۔ لہٰذا اب ان نمازوں کو جمع کرنا نماز کو دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا ہے۔ یہ نہیں کہ نماز کا وقت ہی تبدیل ہو گیا۔ نماز کا وقت تبدیل ہو جانا اور نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

د ۔ عرفات اور مزدلفہ میں دو دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا اس لیے جائز ہے کہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ اور از روئے عقل یہ اجتماع درست نظر نہیں آتا گویا یہ اجتماع خلافِ قیاس ہے۔ اگر اس کے لیے واضح نص نہ ہوتی تو یہ ہرگز جائز نہ ہوتا۔ اس لیے ان نمازوں کے جمع کرنے پر عام حالت کی نماز کو قیاس کرنا باطل ہے۔

ر ۔ چونکہ عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کا جمع کرنا خلافِ قیاس ہے اس لیے قاعدہ کے مطابق یہ جمع انہی شرائط کے تحت ہو گی۔ جو اس کے جواز کی نص میں موجود ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں۔

اوّل:

دونوں نمازیں باجماعت ادا کی جائیں۔ لہٰذا اگر کسی نے اکیلے ہی ظہر ادا کی تو اب اُسے اسی وقت عصر ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ نمازیں باجماعت اکٹھی فرمائی تھیں۔

دوم:

ان نمازوں کی امامت کے فرائض سرانجام دینے والا حالتِ احرام میں ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ احرام میں تھے۔

سوم:

امام بھی عام امام نہ ہو۔ بلکہ حاکم وقت یا اس کا نمائندہ ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجود حضرات پر نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ امر بھی تھے۔

چہارم:

اسی ترتیب کے ساتھ یعنی پہلے ظہر اور پھر اس کے متصل عصر کی جماعت ہو۔
ان شرائط پر پورا نہ اترنے والا ہر نماز کو اس کے مخصوص وقت میں ادا کرے گا۔ اُسے جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ گویا عرفات اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو اکٹھا کرنا چونکہ خلافِ قیاس تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اس لیے جن حالات و کیفیات میں آپ نے یہ جمع کیا۔ انہی حالات و کیفیات کے ساتھ یہ جمع کرنا جائز ہوگا۔ یہی شرائط اور پابندیاں اہل سنت کی کتب فقہ میں موجود ہیں۔

ھدایہ

وَلِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّ التَّقْدِیْمَ عَلٰی

خِلَافِ الْقِيَاسِ عُرِفَ فِيمَا إِذَا كَانَتِ الْعَصْرُ
مُرَتَّبَةً عَلَى الظُّهْرِ مُؤَدًّى بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ
فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ ثُمَّ لَا بُدَّ
مِنَ الْإِحْرَامِ بِالْحَجِّ قَبْلَ الزَّوَالِ فِي رِوَايَةٍ تَقْدِيمًا
لِلْإِحْرَامِ عَلَى وَقْتِ الْحَجِّ وَفِي أُخْرَى يُكْتَفَى
بِالتَّقْدِيمِ عَلَى الصَّلٰوةِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ
الصَّلٰوةُ -

(ہدایہ اولین کتاب الحج وقوف عرفات
ص ۲۴۵)

ترجمہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے۔ کہ عرفات میں نماز عصر کو ظہر کے وقت کی طرف مقدم کرنا خلافِ قیاس ہے۔ اس کا جائز ہونا اس صورت میں ہی ہوگا۔ جب عصر کو ظہر کے بعد ترتیب وار پڑھا جائے اور اس کو جماعت کے ساتھ ادا کیا گیا ہو۔ اور امام حالت احرام میں ہو یعنی اس نے حج کے لیے احرام باندھا ہوا ہو۔ لہٰذا ان قیود و شرائط پر یہ تقدیم عصر موقوف رہے گی۔ پھر حج کے لیے احرام باندھا ہوا ہونا بر ایک روایت کے مطابق زوالِ شمس سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ تاکہ حج کے وقت سے احرام کا مقدم ہونا پایا جائے۔ لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ نماز سے پہلے احرام میں ہونا ضروری ہے۔ (چاہے زوال شمس کے بعد ہی ہو۔) کیونکہ مقصود نماز ہے۔ اور وہ احرام کے بعد ہی ہوگی۔

عنایۃ

(ولابی حنیفۃ ان التقدیم الخ) وَکُلُّ مَاکَانَ شَرْعُہٗ عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ بِالنَّصِّ یُقْتَصَرُ عَلٰی مَوْرِدِہٖ۔

(عنایہ شرح الہدایہ جلد دوم ص ۱۶۵۔ مطبوعہ مصر آٹھ جلد والی)

ترجمہ:

(صاحب ہدایہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو مذہب پیش کیا کہ عرفات میں عصر کو مقدم کرنا خلافِ قیاس ہے۔ اس کی تشریح میں صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ) ہر وہ مسئلہ اور حکم جو جائز تو ہو لیکن خلاف قیاس نص کے ذریعہ اس کا جواز ہو۔ تو وہ انہی قیود و شرائط پر محدود رہے گا۔ جو اس وقت پائیں گئیں۔

قارئین کرام! یہ ایک مشاہدہ ہے۔ اور اس سے انکار ہرگز ممکن نہیں۔ کہ اہل تشیع بالعموم اور محرم الحرام میں بالخصوص سیاہ لباس پہنتے ہیں۔ اور اسے وہ ائمہ اہل بیت کا پسندیدہ امر سمجھتے ہیں۔ اور اس کے جواز کے لیے طرح طرح کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم نے ضروری سمجھا۔ کہ چند حوالہ جات اس پر بھی پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ ائمہ اہل بیت کے سیاہ لباس کے بارے میں ارشادات کا علم ہو سکے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حدیث ۱: تحفۃ العوام

وارد ہے کہ راوی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھوں فرمایا وہ لباس ہے جہنم کا۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ نہ پہنو۔ وہ جامہ فرعون کا ہے۔ (تحفۃ العوام جلد ۱ ص ۳ باب گیارھواں۔ بیان میں چہل حدیث کے مطبوعہ نولکشور قدیم)

حدیث ۲: فروع کافی

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَہٗ اُصَلِّیْ

فِی الْقَلَنْسُوَۃِ السَّوْدَاءِ فَقَالَ لَا تُصَلِّ فِیْهَا فَاِنَّهَا لِبَاسُ اَهْلِ النَّارِ۔

(۱۔ فروع کافی جلد سوم ص ۴۰۳ کتاب الصلوٰۃ باب اللباس مطبوعہ تہران جدید)

(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸۰ طبع قدیم جلد ۱ ص ۱۶۳ طبع جدید)

(۳۔ علل الشرائع باب ۲۵ ص ۳۴۶/۲ العلۃ التی من اجلہا لا تجوز الصلوٰۃ فی سواد۔)

(۴۔ تہذیب الاحکام جلد دوم ص ۲۱۳ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

راوی کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا میں کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا اُسے پہن کر نماز نہ پڑھنا۔ وہ یقیناً دوزخیوں کا لباس ہے۔

حدیث ۳:

رَوَی اِسْمَاعِیْلُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الصَّادِقِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی نَبِیٍّ مِّنْ اَنْبِیَآئِهٖ قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ لَا یَلْبِسُوْا لِبَاسَ اَعْدَائِیْ وَلَا یَطْعَمُوْا مَطَاعِمَ اَعْدَائِیْ وَلَا یَسْلُکُوْا مَسَالِکَ اَعْدَائِیْ فَیَکُوْنُوْا اَعْدَائِیْ فَیَکُوْنُوْا اَعْدَائِیْ کَمَا هُمْ اَعْدَائِیْ فَاَمَّا لُبْسُ

السَّوَادِ لِلتَّقِيَّةِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔

(۱۔ من لایحضرہ الفقیہ جلداول ص ۱۶۳ مطبوعہ
تہران طبع جدید)
(۲۔ علل الشرائع باب ۵۶ ص ۳۴۸،
العلۃ التی من اجلھا لا تجوز الصلوٰۃ
فی سواد۔ مطبوعہ تہران جدید)
(۳۔ وسائل الشیعہ جلد سوم ص ۲۷۹،
کتاب الصلوٰۃ الخ)

ترجمہ:

اسماعیل بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر کی طرف یہ وحی بھیجی۔ وہ تمام مومنوں کو کہہ دو کہ نہ تو میرے دشمنوں کا لباس پہنیں۔ نہ ان کے کھانے کھائیں اور نہ ہی ان کے راستوں پر چلیں۔ اگر انہوں نے یہ کام نہ چھوڑے۔ تو ان دشمنوں کی طرح یہ بھی میرے دشمن ہوں گے۔ بہر حال کالے کپڑے تقیہ کرتے ہوئے پہن لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

علل الشرائع

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ فِیْمَا عَلَّمَ

اَصْحَابَهٗ لَاتَلْبَسُوا السَّوَادَ فَاِنَّهٗ لِبَاسُ فِرْعَوْنَ ۔

(علل الشرائع باب ۵۶ ص ۳۴۷)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ابو بصیر روایت کرتا ہے۔ کہ امام موصوف نے اپنے آباؤ اجداد کے واسطہ سے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان فرمائی۔ وہ یہ کہ حضرت علی المرتضےٰ نے اپنے ساتھیوں کو اس بات کی تعلیم دی۔ کہ کالے کپڑے نہ پہننا۔ کیونکہ یہ فرعون کا لباس تھا۔

علل الشرائع

باب ۵۶ اَلْعِلَّةُ الَّتِیْ مِنْ اَجْلِهَا لَا تَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِیْ سَوَادٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ اُصَلِّیْ فِیْ قَلَنْسُوَةِ السَّوْدَاءِ ؟ قَالَ لَا تُصَلِّ فِیْهَا فَاِنَّهَا لِبَاسُ اَهْلِ النَّارِ ۔

(علل الشرائع باب ۵۶ ص ۳۴۶)

ترجمہ:

باب ۵۶/ اُن احادیث کے جمع کرنے میں کہ جن میں کالے کپڑے پہن کر نماز نہ ہونے کی علت بیان ہوئی ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے راوی حدیث نے پوچھا۔ کہ میں کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا ایسی ٹوپی پہن کر نماز نہ پڑھنا۔ کیونکہ

کالا لباس یقیناً دوزخیوں کا لباس ہے۔

تحفہ عسکریہ:

اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے لیے وہی احکام قابل قبول ہیں۔ جو حضرات ائمہ اہل بیت سے فرمائے ہیں۔

اسی عقیدہ کی بنا پر وہ اپنی فقہ کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے وہ فقہ جعفریہ،، کا نام دیتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم اہل تشیع حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ارشادات واحادیث پر عمل کرنے والے ہیں ایک طرف ان کا یہ دعوے اور دوسری طرف ان کا سیاہ کپڑے پہننے کا عمل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کالے لباس کو جہنمیوں کا لباس اور فرعون کا لباس فرما رہے ہیں۔ اور ان کا لباس ہونے کی وجہ سے کالا لباس بلکہ صرف کالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ یہ لباس چونکہ ہمارے دشمنوں کا ہے۔ اس لیے جو پہنے گا۔ وہ بھی دشمنوں میں شامل ہو جائے گا ان واضح ارشادات واحادیث کے ہوتے ہوئے کسی محب اہل بیت کو یہ جرأت کب ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سیاہ لباس پہنے۔

تو معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع دھوکے سے اپنی من گھڑت فقہ کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور محض فریب دہی کے لیے اپنے آپ کو حضرات ائمہ اہل بیت کے شیدائی وفدائی کہلاتے ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت کا محب دوزخیوں والا، فرعون والا اور ان ائمہ کے دشمنوں کا لباس پہنے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اور حقیقت بھی

یہی ہے۔ اس کا اعلان خود امام جعفر صادق نے کر دیا۔ کہ میرے دشمنوں کا سا سیاہ لباس پہننے والے میرے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ بغضِ اہل بیت اور ان کی دشمنی سے بچائے اور ان حضرات کی صحیح محبت وعقیدت عطا فرمائے۔ اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ)

ایک ضروری بحث

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثبوت

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ ہاتھ باندھ کر نماز میں کھڑے ہوتے تھے

نماز میں اگر کوئی شخص کسی کی اقتداء کرتا ہے۔ تو مقتدی پر لازم ہے۔ کہ اپنے افعال میں اپنے امام کی اقتداء کرے۔ لیکن اس امر میں اہل تشیع بہت زیادہ تاکید کے قائل ہیں۔ ان کی "صحاح اربعہ" میں موجود کہ منافق کو امام بنا کر اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے اتنا عظیم مرتبہ اور بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔ کہ گویا ایسی نماز ادا کی گئی۔ جیسی کسی نبی و رسول کی اقتداء میں پڑھی۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ نماز باجماعت ہی ہونی چاہیے۔ اور اگر جماعت کی ادائیگی کسی منافق کے پیچھے بھی کرنی پڑے۔ تو ترک جماعت ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا درجہ معمولی نہیں۔ تو جب منافق کی اقتداء میں اتنا ثواب اور اس قدر علو مرتبت ہے۔ تو ان کے معیار کے مطابق صحیح اور رفاء لِ امامت شخص کی اقتداء کا اجر و ثواب خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

منافق کی اقتداء کرنے میں مذکور ثواب کی وجہ ان (اہل تشیع) کے نزدیک

"وتقیہ" کی بنا پر ہے۔ ہم اس موضوع پر کافی وشافی لکھ چکے ہیں۔ اس مقام پر صرف اتنا عرض کرنا ہے۔ کہ چلو مان لیا کہ اتنا عظیم اجر و ثواب "وتقیہ" کی وجہ سے ہی حاصل ہوا۔ لیکن تقیہ ہوتا کیسے ہے ؟ اس کی صورت یہی سامنے آتی ہے۔ کہ امام کی امامت اور اس کے افعالِ نماز کو درست نہ سمجھتے ہوئے بھی اس کی اقتداء کرنا اور افعال نماز اسی کی طرح ادا کرنا۔ تو جو شخص از روئے تقیہ کسی کی اقتداء میں نماز پڑھے گا۔ وہ ظاہراً یقینی طور پر امام کی طرح قیام کرے گا۔ اس کی طرح ہاتھ باندھے گا۔ اس کی طرح رکوع و سجود اور قعدہ کرے گا۔ اگر کوئی مقتدی اپنے امام کے افعال نماز میں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یعنی امام نے کانوں تک ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہی۔ اور مقتدی نے سینہ تک ہاتھ اٹھائے۔ امام نے زیر ناف ہاتھ باندھے مقتدی نے یا تو سینہ پر رکھے یا بالکل ہی کھلے چھوڑ دیے۔ تو ایسی اقتداء کو "وتقیہ کے طور پر اقتداء" کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ تقیہ کے طور پر اپنا عمل باوجود نہ چاہنے کے امام کے مطابق کرنا پڑتا ہے اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ کہ کیا نماز پڑھتے وقت نمازی کو ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ یا کھلے چھوڑ کر نماز ادا کرنی چاہیے۔ تو لیجئے کتب شیعہ اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور بطور تقیہ ویسی ہی نماز پڑھی۔ جیسی حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر نمازیوں نے پڑھی۔ (یعنی نماز میں ہاتھ باندھے)

÷

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بہت سی نمازیں ادا کیں

احتجاج طبرسی:

ثم قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف ابی بکر۔

(۱۔ احتجاج طبرسی۔ جلد اول ص۱۲۶
احتجاج امیرالمومنین علی ابی بکر و عمر الخ۔ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)
(۲۔ احتجاج طبرسی ص۵۹ مطبوعہ طبع قدیم نجف اشرف)
(۳۔ مرأۃ العقول شرح اصول کافی بحث فی الاشارہ الی بعض مناقب فاطمہ الخ ص۳۸۸۔ طبع قدیم)

ترجمہ:

پھر سیدنا حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ اور نماز کی تیاری فرمائی اور مسجد (نبوی) میں تشریف لائے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے (ان کی اقتداء میں) نماز ادا فرمائی۔

اس روایت میں اگرچہ صرف ایک نماز میں اقتدار کا ذکر ہے۔ لیکن کتب شیعہ میں موجود ہے۔ کہ سیدنا حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک ہی نماز بامجبوری حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نہیں پڑھی۔ بلکہ ایسا بارہا ہوا۔ اس لیے یہ عذر پیش کرنا بالکل غلط ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجد میں جا کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صرف ایک ہی مرتبہ نماز پڑھی۔ کیونکہ مسلک شیعہ اور سنی دونوں کی کتب معتبرہ میں یہ مذکور ہے۔ کہ سیدنا حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا گھر چونکہ مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا۔ اور آپ بغیر جماعت ادا نہیں فرمایا کرتے تھے اس لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں آپ نے بہت سی نمازیں ادا فرمائیں۔

البدایۃ والنہایۃ:

وَهٰذَا حَقٌّ فَاِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ لَمْ يُفَارِقِ الصِّدِّيْقَ فِيْ وَقْتٍ مِنَ الْاَوْقَاتِ وَلَمْ يَنْقَطِعْ فِيْ صَلٰوةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ خَلْفَهٗ۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹
اعتراف سعد بن ابی عبادۃ
بصحۃ ما قال الصدیق
یوم التشبیعۃ مطبوعہ بیروت و
ریاض)

ترجمہ:

(حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا بارہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کرنا) یہ حق ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کسی

وقت بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جُدا نہ ہوئے۔ اور نہ ہی آپ کے پیچھے کسی نماز میں غیر حاضر رہے۔

البداية والنهاية:

وَهٰذَا اللَّائِقُ بِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَالَّذِيْ يَدُلُّ عَلَيْهِ الْاٰثَارُ مِنْ شُهُوْدِهٖ مَعَهُ الصَّلَوَاتِ وَخُرُوْجِهٖ مَعَهُ اِلٰى ذِى الْقَصَّةِ بَعْدَ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(البداية والنهاية جلد ۶ ص ۳۰۲
خلافت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ
وما فیہا من الحوادث
مطبوعہ بیروت وریاض)

ترجمہ:

(صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں متواتر نمازیں ادا کرنا) یہی بات حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان ہے۔ اور بہت سے ایسے آثار و ارشاداتِ صحابہ موجود ہیں۔ کہ جن میں اس امر کی گواہی ملتی ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نماز باجماعت میں (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں) ان کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد یہ دونوں حضرات اکٹھے جہاد وغیرہ واقعات میں نکلا کرتے تھے۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی:

وَكَانَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ الصَّلٰوةَ الْخَمْسَ۔

(کتاب سلیم بن قیس ہلالی ص ۲۲۴
مطبوعہ حیدریہ نجف اشرف)

ترجمہ:
حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانچوں نمازیں (باجماعت) مسجد (نبوی) میں ادا فرمایا کرتے تھے۔

حملہ حیدری:

کشیدند صف اہل دیں از قفا ❊ دراں صف ہم استاد شیرِ خدا۔

(حملہ حیدری جلد اول صفحہ نمبر ۲۷۵
از تزاق امیر المومنین از آب یاری وطن
ہر دشمناں۔ مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جب اہل دین (مسلمانوں) نے نماز ادا کرنے کے لیے صفیں باندھیں۔ تو ایک صف میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ (تاکہ نماز باجماعت ادا کریں)

❊

تلخیص الشافی:

وَاِنِ ادَّعٰی صَلٰوۃَ مُظْہِرٍ لِلْاِقْتِدَاءِ فَذَاکَ مُسَلَّمٌ لِاَنَّہٗ الظَّاہِرُ۔

(تلخیص الشافی جلد دوم ص ۱۵۸ مطبوعہ
دارالکتب اسلامیہ قم۔طبع جدید)
(تلخیص الشافی ص ۳۵۴ طبع قدیم)

ترجمہ:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ظاہر اقتداء میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز ادا کرنا ایک امر مسلّم ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر و باہر ہے۔

الحاصل:

اہل تشیع و اہل سنت کی معتبر کتب سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو گیا۔ کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ ادائیگی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ہوا کرتی تھی۔ بلکہ صاحب تلخیص الشافی کے قول کی بناء پر یہ مسلمات میں سے ہے۔

مذکورہ چھ عدد حوالہ جات جو پیش کیے گئے۔ ان میں اسی مسلّمہ بات کا ذکر ہے۔ رہا یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نمازیں پڑھیں تو ضرور لیکن دل سے آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایسا کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے یہ محض بے بنیاد پراپیگنڈا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شایان شان یہ نہیں۔ کہ آپ حق کو چھپاتے ہوئے عرصۂ دراز تک باطل پر قائم رہے۔ اس لیے آپ کا با جماعت نمازیں

ادا کرنا صرف اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک یہی طریقہ درست اور حق تھا بفرض محال اگر معترض کے خیال کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی اتنی بات یقیناً اظہر من الشمس ہے کہ سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ طوعاً و کرھاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں افعال نماز اسی طرح ادا کرتے تھے۔ یعنی جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوران قیام ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ بھی ہاتھ باندھ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اس لیے نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ایک نہیں بار ہا مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ کہ نماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی کا طریقہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے نے از خود مقرر کر لیا ہو۔ بلکہ اس کی تمام صورت شارع کی طرف سے متعین ہوتی ہے۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر کی اقتداء میں حالت قیام میں ہاتھ باندھے۔ اور ابو بکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کی ہدایات کے مطابق ایسا کیا۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی "وہ باب مدینۃ العلم" کی وارث شخصیت سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق پر عمل کرنے میں اخلاص سے کام نہیں لیتے تھے۔ ان پر اس قسم کے اتہام وہی لگا سکتا ہے۔ جو بغض و عناد میں مرتا جا رہا ہو۔

سوال:

ہم (اہل تشیع) اس بات کو یقین سے مانتے ہیں۔ اور صرف مانتے ہی نہیں بلکہ عقیدہ بھی یہی ہے۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اور جناب خیبر غدار رضی اللہ عنہ دوران

اقتدار افعالِ نماز میں اپنے امام (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مکمل پیروی کرتے رہے۔ لیکن یہ پیروی اور اقتدار خلوصِ نیت اور صدقِ دل سے نہ تھی۔ بلکہ یہ سب کچھ تقیہ کے طور پر ہوا۔ اور جو افعال بطور تقیہ سرزد ہوں۔ ان کو دلیل و حجت نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے علاوہ عین ممکن کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اقتدائے صدیق میں بطور تقیہ پڑھی گئی نماز کو اپنے گھر میں دوبارہ ادا کرتے ہوں۔ اور اس ادائیگی کے وقت آپ ہاتھ کھلے چھوڑتے ہوں۔ لہٰذا ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مذکورہ حوالہ جات ہم پر حجت نہیں بن سکتے۔

جواب امرِ اوّل:

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظیم اور بہادر شخصیت پر یہ اتنا بڑا الزام ہے کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ حضرت شیرِ خدا رضی اللہ عنہ پر تہمت تقیہ لگانا پھر نماز کی ادائیگی کے وقت اتنی جسارت کوئی صاحب ایمان نہیں کر سکتا۔ آپ کی ذات پر یہ گھنونا الزام لگا کر معترض نے مذکورہ حوالہ جات کے مفہوم کی جو تاویل کی۔ وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات کے مطابق برعکس ہے۔ آپ کا یہ اعلان ہے۔ "اگر میرے مقابلہ میں تمام عرب آجائے۔ تو مجھے قطعاً کوئی خوف نہ آئے گا۔ بلکہ میں تو ان کی گردنیں اڑانے میں کچھ دیر نہ کروں گا۔" اسی طرح ایک اور جگہ آپ کا ارشاد یوں مذکور ہے "احکام شرع کے نافذ کرنے میں میرے سامنے ہر قوی بالکل کمزور اور ذلیل ہے۔ اور ہر کمزور میرے نزدیک بہت بڑا بہادر ہے" (نہج البلاغہ)

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے ان اعلانات کے پیشِ نظر دو تقیہ جیسے قابلِ نفرت عمل کی آپ کی طرف نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے۔ چہ جائیکہ آپ کو اس

کا کار بند کہا جائے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ آپ کی جملہ باجماعت نمازیں صدق دل اور خلوص نیت سے تھیں۔ ان میں تصنع، بناوٹ اور تقیہ کا شائبہ تک نہ تھا۔

ائمہ اہل بیت امراء کے پیچھے نماز پڑھ کر لوٹاتے نہیں تھے

جواب امر دوم:

معترض کا دوسرا احتمال یہ تھا۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر کی اقتداء میں جو نمازیں پڑھیں وہ جان کے خطرے کے پیش نظر بطور تقیہ پڑھیں تاکہ عوام آپ کو صدیق اکبر کا مخالف نہ سمجھیں۔ لیکن اللہ کی عبادت کو خلوص نیت کے ساتھ ادا کرنے کے لیے ان ظاہری طور پر پڑھی گئی نمازوں کو گھر میں جا کر آپ دوبارہ ادا کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے گھر میں ادا کردہ نمازوں میں آپ ہاتھ نہیں باندھا کرتے تھے الی آخرہ۔

وہ گھر میں جا کر نماز دوبارہ لوٹانا،، یہ بھی پہلے اتہام سے کم نہیں۔ اور توہین و گستاخی میں "تقیہ،، ایسے الزام سے کہیں بڑھ کر الزام ہے۔

آئیے! شیعہ کتب سے اس بات کی تصدیق و توثیق پیش کریں۔ کہ سیدنا حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو نمازیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بلکہ خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں ادا فرمائیں۔ گھر میں جانے کے بعد ان کا اعادہ نہیں فرمایا۔

بحارالانوار:

الرَّاوَنْدِی بِاِسْنَادِہٖ عَنْ مُوْسٰی بْنِ جَعْفَرَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ یُصَلِّیَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ بْنَ الْحَکَمِ فَقَالُوْا لِاَحَدِھِمَا مَا کَانَ اَبُوْکَ یُصَلِّیْ اِذَا رَجَعَ اِلَی الْبَیْتِ فَقَالَ لَا وَاللّٰہِ مَا کَانَ یَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوۃٍ۔

(بحارالانوار جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۱۴۰
مطبوعہ تہران طبع قدیم۔ ابواب تاریخ
ما یختص الخ)

ترجمہ:

راوندی اسناد کے ساتھ موسٰی بن جعفر کے باپ سے یہ روایت کرتا ہے۔ کہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما مروان بن الحکم کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان میں سے ایک امام سے دریافت کیا۔ کہ آپ کے اباجان (حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ) مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد جب گھر لوٹتے تھے۔ تو کیا وہ نماز کا اعادہ فرمایا کرتے تھے؟ جواباً فرمایا۔ خدا کی قسم! وہ مسجد میں ادا کردہ نماز پر ہی اکتفا فرمایا کرتے تھے۔ گھر اگر اس کو دوبارہ ادا کرکے زیادتی نہ فرمایا کرتے تھے۔

دیکھا آپ نے کہ کتب شیعہ کے حوالہ سے اس بات کی صاف صاف تردید ہوگئی۔ کہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور ان کے والد ماجد حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی ہرگز ہرگز یہ عادت نہ تھی۔ کہ کسی کے پیچھے بطور تقیہ نماز پڑھیں۔ اور پھر اسی نماز کو گھر لوٹ کر دوبارہ پڑھیں۔ گزشتہ اوراق میں مذکورہ بحث کی تلخیص یوں کہی جا سکتی ہے۔ کہ

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں

۲۔ ان کی اقتداء میں نماز کے افعال و اعمال میں بھی آپ نے اپنے امام کی پوری پوری اتباع کی۔

۳۔ خلفائے ثلاثہ کی امامت میں ادا کی گئی نمازوں کا گھر لوٹ کر اعادہ نہیں فرمایا۔

کھلا چیلنج:

ان تلخیصی امور کی نشاندہی کے بعد پھر بھی اگر کوئی ہٹ دھرم یہ کہے۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کی اقتداء کے دوران حالت قیام میں ہاتھ نہیں باندھے۔ تو ایسے ہر ہٹ دھرم کو ہمارا کھلا چیلنج ہے۔ کہ کوئی ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ اس پر پیش کردو۔ تو منہ مانگا انعام پاؤ۔ اور دوسرا ہمارا یہ بھی چیلنج ہے۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ کوئی ایک حدیث (اپنی کتابوں سے ہی) پیش کردو۔ کہ آپ نے خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں پڑھی گئی نمازوں میں ایک نماز کا بھی گھر لوٹ کر اعادہ کیا ہو۔؟

اگر آج تک کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکا۔ تو قیامت تک ناممکن۔ لہٰذا

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی اقتدا ئے صدیق اکبر میں نمازوں کی ادائیگی کو "تقیہ" پر محمول کرنا اور اس پر یہ تاویل گھڑنا کہ آپ گھر لوٹ کر ان پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ کر لیا کرتے تھے کس طرح قابل تسلیم ہو سکتا ہے ؟ نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جگر گوشہ بتول (رضی اللہ عنہا) اور فرزند علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ قسمیہ فرمائیں۔ کہ میرے والد گرامی گھر جا کر نمازوں کا اعادہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ تو اس کے بعد صداقت وحقانیت کے لیے کیا دلیل چاہیئے ؟

خود فیصلہ کریں۔ کہ ایک ضدی، ہٹ دھرم اور خودرو پودے کی طرح اگنے والے شخص کی بات، صداقت و دیانت کے علمبردار اور چلتے پھرتے ناطق قرآن کے مقابلہ میں کیا وزن رکھتی ہے ؟

حق یہی ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے دور میں مختلف حضرات کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں۔ اور دوران اقتدار افعال نماز میں ان کی اتباع کرتے رہے۔ اور یہ سب کچھ نہ تو کسی خوف کی وجہ سے تھا۔ اور نہ فریب دہی کے طور پر اسے تقیہ پر محمول کیا جا سکے۔

ایک لایعنی دلیل :

خالق کائنات کا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ

ترجمہ :

جس طرح خدا نے تمہیں پیدا کیا۔ اسی طرح واپس لوٹو گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی پیدائش اور اس کے حشر ونشر کو باہم ایک

جیسا فرمایا۔ دنیا میں آتے وقت ہر آدمی کے ہاتھ (سینہ پر بندھے ہونے کی بجائے) کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اب کائنات کے حضور بروز محشر بھی ہاتھ کھلے ہی ہوں گے۔ لہٰذا اس سے یہ اشارہ ہوتا ہے۔ کہ اسے انسان! تیری پیدائش اور پھر رب کے ہاں حضوری جب کھلے ہاتھوں ہے۔ تو ان دونوں کے درمیان عرصہ میں بھی اللہ کی عبادت (نماز) کے وقت ہاتھ کھلے ہونے چاہئیں۔ اسی پر ہم اہل تشیع کا عمل ہے۔

جواب:

ہاتھ چھوڑے ہوئے ہر آدمی کا پیدا ہونا اور اللہ کے ہاں بوقتِ حضوری بھی یہی حالت ہونا یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ ہر آدمی ان میں احکاماتِ شرعیہ کا مکلف نہیں ہوتا۔ لیکن نماز کی فرضیت مکلف پر ہوتی ہے۔ حالتِ تکلیف کی کیفیات کو حالتِ غیر تکلیفی پر چسپاں کرنا اور ایک دوسرے پر قیاس کرنا لغو اور باطل ہے۔ اسے "قیاس مع الفارق" کہتے ہیں۔ اگر بقول معترض اسے قیاس صحیح قرار دیا جا سکے۔ تو پھر حالتِ پیدائش کی بہت سی باتوں کو بعد میں اپنانا ضروری ہو جائے گا۔ لہٰذا بوقتِ پیدائش نومولود کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا۔ اس لیے معترض اور اس کے ہم نواؤں کو اسی کیفیت میں ساری عمر بسر کرنی چاہیے۔ بازاروں گلی کوچوں، عزا خانوں اور اجتماعات میں اسی فرض کی بجاآوری میں کوشاں ہونا چاہیے کوئی پوچھے۔ تو ارشاد ہو۔ حضور! اسی طرح ننگ دھڑنگ تشریف آوری ہوئی۔ لہٰذا ہم تو پیدائشی ہی ایسے ہیں۔ کون سی قباحت ہو گئی؟

اس کے ساتھ ساتھ معترض اور اس کے ہم مشرب یوں کو اسی طرح جسم پر گندگی رکھنی چاہیے۔ جو بوقتِ پیدائش تھی تاکہ اہل دنیا کو کم از کم یہ تو تشخیص ہو سکے۔

کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اور ان کی کیا خوبیاں ہیں؟

نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات

بحث

نماز میں بحالت قعدہ "التحیات الخ" پڑھنا اور اس کا ثبوت

سوال:

اہل تشیع کے ہاں نماز میں بحالتِ قعدہ "التحیات الخ" کے الفاظ نہیں پڑھے جاتے۔ اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں۔ کہ ان الفاظ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت سے کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ اہل سنت نے اپنی طرف سے ان کا اضافہ کیا ہے۔ اصلی اور کامل التحیات صرف اتنی ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ جیسا کہ ان کی کتب توضیح المسائل اور تحفۃ العوام میں اس کا ذکر ہے

توضیح المسائل:

در حالِ آرام بودن بدن تشہد بخواند یعنی بگوید۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ

الا الله وحده لاشریك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ وال محمّدٍ۔

(۱)۔ توضیح المسائل ص ۱۲۲ "در تشہد" مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲)۔ تحفۃ العوام تصنیف ابوالحسن موسوی اصفہانی ص ۳۳، باب پنجم نماز وغیرہ کے بیان میں مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

ترجمہ:

جب نمازی نماز پڑھتے ہوئے بیٹھ کر جسم کو آرام پہنچائے۔ تو اس حالت میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ الخ پڑھے

لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ التحیات (تشہد) میں صرف یہی الفاظ ہیں۔ باقی الفاظ التحیات للہ والصلوٰت الخ۔ اہل سنت نے بڑھائے ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے

جواب:

حیرت اس بات کی ہے۔ کہ اہل سنت پر یہ الزام تراشا جا رہا ہے۔ کہ تشہد میں التحیات للہ والصلوٰت الخ، کے الفاظ ان کی اختراع ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح اس حالت کا نام "تشہد" ہے۔ عرف عام میں اس کو "التحیات بیٹھنا" بھی کہتے ہیں۔ تو اس حالت کے اس نام سے ہی مسئلہ حل ہو جاتا ہے اگر اس میں "التحیات للہ والصلوٰت الخ" کے الفاظ نہ ہوں۔ تو پھر اسے

اس نام سے کیوں موسوم کیا گیا؟

علاوہ ازیں معترضین سے یہ پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ ان الفاظ میں جو تمہارے کہنے کے مطابق اہل سنت کی اختراع ہیں آخر کون سا ایسا لفظ ہے۔ یا کون سا ایسا جملہ ہے۔ جس کی ادائیگی سے کفر لازم آتا ہو۔ اور نماز میں بھی بہت بڑا جرم ہوتا ہو؟ مذکورہ الفاظ کے معانی و مفہوم میں اگر جھانک کر دیکھا جائے۔ تو ان سے اللہ رب العزت کی مہربانی کی صاف صاف جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ہماری نمائیے الاستبصار کے مصنف علامہ طوسی کی زبانی سنیئے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

الاستبصار:

قُلْتُ لَهُ قَوْلَ الْعَبْدِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ۔ قَالَ هٰذَا اللَّفْظُ مِنَ الدُّعَاءِ يَتَلَطَّفُ عَبْدٌ رَبَّهٗ۔

(الاستبصار جلد اول صفحہ نمبر ۳۴۲
فی وجوب التشہد و اقلما
یجزی منہ۔ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

راوی کہتا ہے۔ میں نے سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ کوئی آدمی جب یہ الفاظ کہتا ہے۔ التحیات للہ الخ تو یہ کیسے ہیں۔ اور ان میں کہنے والا کیا کچھ کہہ رہا ہوتا ہے۔ فرمایا۔ یہ من جملہ دعاؤں میں سے دعا ہیں۔ اور ان کی ادائیگی کے ذریعہ بندہ اپنے

پروردگار کی بے پایاں عنایات اور خوشنودیوں کا طالب ہوتا ہے سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوا۔ کہ مذکورہ کلمات میں کوئی ایسا لفظ نہیں۔ جو اللہ تعالٰی کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو۔ بلکہ ہر ایک لفظ اس کی رضا جوئی کا مظہر ہے۔ لہٰذا ان الفاظ میں بُرائی نہ ہوئی۔ پھر بھی اگر کوئی یہی کہتا پھرے۔ کہ یہ الفاظ اچھے نہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو اُسے خود ہی فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت سے اس کا کیا تعلق ہے؟

کیا "التحیات للہ الخ" اہل سنت کی تشہد میں ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں یا آئمہ اہل بیت سے کوئی حدیث نہ ہونے کی بنا پر

اگر کوئی یہ اعتراض کر دے۔ کہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کی بنا پر ہم ان الفاظ کو فی نفسہٖ بُرا نہیں کہتے۔ کیونکہ عنایاتِ ربانیہ اور خدائی لطف و کرم کے سوال پر مبنی الفاظ کب بُرے ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ہم انہیں ایک تو اس وجہ سے ایسا کہتے ہیں۔ کہ اہل سنت اپنی نماز میں دورانِ تشہد ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی مطابقت ہمیں نہیں بھاتی۔ دوسری وجہ جو در اصل اسی وجہ کی بنیاد ہے۔ وہ یہ کہ حضرات ائمہ اہل بیت سے کوئی ایسی حدیث و روایت منقول نہیں۔ جس میں مذکورہ الفاظ موجود ہوں۔ اس لیے ہم ان الفاظ کو التحیات (تشہد) میں داخل کرنا ممنوع جانتے ہیں۔

اس خدشہ اور بے بنیاد سوال کے جواب میں ہماری گزارش ہے۔ کہ ہم اگر یہ ثابت کر دیں۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت کو ان الفاظ کے تشہد میں داخل ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ تو پھر سائل اور اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ لوگوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ حقیقت کچھ یوں نظر آتی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت سے ثبوت کا تو ایک بہانہ ہے۔ ورنہ اہل سنت کے ہاں ان الفاظ کا دوران تشہد ادا کیا جانا ہی درد پیٹ (درد) کی وجہ ہے خود اپنے اماموں کے خلاف چلیں۔ اور بدنامی اہل سنت پر لگائی جائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

آؤ! آنکھیں کھول کر دیکھو۔ کہ تمہارے مذہب کی بنیاد (صحاح اربعہ) میں موجود ہے کہ ائمہ اہل بیت سے ان الفاظ کا تشہد میں پایا جانا امر واقعی ہے۔

التحیات للہ الخ کے الفاظ خود ائمہ اہل بیت سے ثابت ہیں

من لایحضرہ الفقیہ:

وَقُلْ فِيْ تَشَهُّدِكَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى كُلُّهَا لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ

التَّحِيَّاتُ الطَّاهِرَاتُ الخ

(۱۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۲۰۹
فی وصف الصلوٰۃ الخ مطبوعہ
تہران طبع جدید)
(۲۔ من لایحضرہ الفقیہ ص ۱۰۵،
فی القنوت والتشہد مطبوعہ
قدیم لکھنؤ)

ترجمہ:

سیدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے زرارہ کو فرمایا۔ کہ تشہد کے دوران یہ کلمات پڑھو۔ بسم اللہ الخ حدیث مذکور سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ارشاد مبارک کے مطابق دو حدیث قولی،، ہوئی۔ اور وہ بھی ایسے الفاظ پر مشتمل ہے۔ کہ جس میں امام موصوف نے حکماً الفاظ مذکورہ کو پڑھنے کا کہا اس قدر وضاحت کے ہوتے ہوئے کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ الفاظ مذکورہ کو دوران تشہد خود امام موصوف بھی ادا کرتے تھے اور اپنے سے دریافت کرنے والوں کو بھی ان کے پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اس حوالہ سے جہاں یہ ثابت ہوا۔ کہ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو التحیات میں ان کلمات کی ادائیگی سے جو اہل سنت کے ہاں معمول ہیں۔ کوئی اعتراض نہ تھا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی ناراضگی تھی۔ وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ اہل تشیع کو ہی ان کلمات پر اعتراض ہے۔ اور ہم سے ناراضگی ہے۔ بلکہ ہم ہی کیا وہ تو اس مسئلہ میں ائمہ اہل بیت سے بھی سخت نالاں ہیں۔ کہ ان حضرات نے تشہد میں ان الفاظ کو ادا کرنے کا کیوں کہا۔ جو

اہل سنت پڑھتے ہیں۔ اہل تشیع کی اس ناراضگی کا تذکرہ خود کتب شیعہ میں یوں مذکور ہے
رجال کشی:

عَنْ زُرَارَةٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدَ اللّٰهِ (ع)
عَنِ التَّشَهُّدِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتُ اَلتَّحِيَّاتُ والصَّلَوٰاتُ؟
قَالَ التَّحِيَّاتُ وَ الصَّلَوٰاتُ فَلَمَّا خَرَجْتُ
قُلْتُ اِنْ لَقِيْتُهٗ لَاَسْأَلَنَّهٗ غَدًا فَسَأَلْتُهٗ
مِنَ الْغَدِ عَنِ التَّشَهُّدِ فَقَالَ كَمِثْلِ
ذٰلِكَ قُلْتُ اَلتَّحِيَّاتُ وَ الصَّلَوٰاتُ
قَالَ التَّحِيَّاتُ وَ الصَّلَوٰاتُ قُلْتُ
اَلْقَاهُ بَعْدَ يَوْمٍ لَاَسْأَلَنَّهٗ غَدًا
فَسَأَلْتُهٗ عَنِ التَّشَهُّدِ فَقَالَ كَمِثْلِهٖ
فَقُلْتُ التَّحِيَّاتُ وَ الصَّلَوٰاتُ؟
قَالَ التَّحِيَّاتُ وَ الصَّلَوٰاتُ فَلَمَّا
خَرَجْتُ ضَرَطْتُ فِيْ لِحْيَتِهٖ وَقُلْتُ
لَا يُفْلِحُ اَبَدًا۔

(رجال کشی صفحہ نمبر ۱۴۱ تا ۱۴۲
تذکرہ زرارہ بن اعین مطبوعہ کربلا
طبع جدید)

ترجمہ:

زرارہ روایت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے تشہد کے بارے میں پوچھا۔ کہ اس میں کیا پڑھنا چاہیئے؟ آپ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ الخ تک کلمہ شہادت پڑھ سنایا۔ میں نے پھر پوچھا۔ کیا یہ الفاظ بھی پڑھنے چاہئیں؟ "التحیات للہ والصلوٰۃ"، آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ الفاظ بھی پڑھیں۔ میں یہ سن کر وہاں سے چلا آیا۔ نکلتے ہوئے میں نے ارادہ کیا۔ کہ کل پھر آؤں گا۔ اور یہی بات پھر پوچھوں گا۔ جب دوسرے دن میں آیا۔ اور یہی سوال کیا۔ تو آپ نے بعینہٖ گزشتہ دن والا جواب دیا۔ یعنی صرف کلمہ شہادت پڑھ کر سنا دیا۔ پھر میں نے التحیات للہ والصلوٰۃ، کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے یہ بھی پڑھ دیا۔ یعنی تشہد میں ان الفاظ کا پڑھنا برقرار رکھا۔ میں نے پھر وہاں سے نکلتے وقت ارادہ کیا۔ کہ کل پھر آؤں گا۔ اور یہی سوال ضرور پوچھوں گا۔ لہٰذا میں آیا۔ اور پوچھا۔ تو آپ نے پہلے کلمہ شہادت پڑھ سنایا۔ پھر "التحیات للہ والصلوٰۃ"، الفاظ بھی اسی طرح پڑھ دیئے۔ جس طرح پہلے دو مرتبہ ہو چکا تھا۔ اب کے تیسری مرتبہ جب میں نے وہی الفاظ سنے۔ تو وہاں سے نکلتے وقت ازراہِ مذاق و استہزاء امام موصوف کے قول کی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے گوز زدہ بدبو کے آواز کے ساتھ نکلنے والی ہوا۔ کی سی آواز نکالتے ہوئے۔ داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ وہ یہ امام ہرگز ہرگز فلاح و کامرانی نہ پائے گا۔

☆

الحاصل،

حدیث بالا سے یہ بات صراحت کے ساتھ ثابت ہوئی کہ سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے زرارہ کے سوال کے جواب میں تینوں مرتبہ ان الفاظ کا پڑھنا برقرار رکھا۔ جن پر اہل سنت وجماعت کا عمل ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوا کہ خود امام موصوف کو یہ الفاظ پڑھنے پسند ہی نہ تھے۔ بلکہ نماز میں دوران تشہد ان کو ادا بھی کرتے تھے۔ تین مرتبہ ایک جیسا جواب سن کر زرارہ شیعی نے ناگواری کا اظہار کیا۔ اور وہ بھی عجیب بھونڈے طریقہ سے۔ اس قدر جلیل الشان امام کی بات کا مذاق اڑانے کی خاطر گوزکی سی آواز نکالی۔ اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بددعا دی۔ یا توہین بھرے الفاظ کہے۔ یعنی امام ہرگز ہرگز نجات نہ پائے گا۔

گستاخی کی انتہاء؛

اسی روایت کو بعض نسخہ جات میں "دفی لحیتہ"، کے الفاظ سے ذکر کیا گیا۔ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ درست اور صحیح تر یہی ہے۔ کیونکہ زرارہ نامی راویٔ حدیث کو جب تین مرتبہ امام موصوف نے ایک جیسا جواب ارشاد فرمایا۔ تو اس جواب کو سن کر مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گیا۔ اور اس حالت میں امام موصوف رضی اللہ عنہ کے قریب گیا۔ اور ان کی داڑھی شریف کے نزدیک گوز ماری۔ اور بکتے ہوئے کہا۔ امام ہرگز ہرگز نجات نہیں پائے گا۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ "محبت اہل بیت"، کا ورد کرنے والے اور "ائمہ اہل بیت"، کے عاشق"، ہونے کا دم بھرنے والے کیسے محب ہیں۔ اور ان کا عشق کس نوعیت کا ہے۔

اگر محبت وعشقِ اہل بیت وائمہ اہل بیت کا یہی طریقہ ہے۔ تو خدا اس سے بچائے۔ بلکہ ہم ان لیے بھی دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ایسی محبت وعقیدت کے گندے تالاب سے نکالے۔ اور صحیح محبت وعقیدت کی چاشنی نصیب فرمائے۔ اور ان حضرات کی سچی پکی اتباع فرمائے۔

خلاصہ کلام:

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بھی دوران تشہد "التحیات للہ والصلوات" کے الفاظ پڑھتے تھے۔ اور اپنے معتقدین کو بھی ان کی پڑھائی کا فرماتے تھے۔ اب اگر اہل تشیع ان الفاظ کے پڑھنے سے ناراض ہوتے ہیں۔ تو یہ ان کی وراثت ہے۔ جو زرارہ سے انہیں ملی۔ ہمارا اس میں کیا قصور؟ یا حضراتِ ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اس میں کس قصور کے مرتکب؟

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

نمازتراویح کی بحث

عقیدہ اہل تشیع:

یہ نماز ایک بدعت سیئہ ہے جو عمر رضی اللہ عنہ نے پیدا کی

گزشتہ ابحاث میں ہم نے اہل تشیع کے مختلف فروعات میں اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے عقیقت حال کی وضاحت کی۔ اسی طرح نماز تراویح میں بھی وہ مخالفت برلے مخالفت پرڈٹے ہوئے ہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں ان کا استدلال ایک اور رنگ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ نماز تراویح "بدعت فاروقی" ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات ائمہ اہل بیت سے اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں۔ اس لیے رمضان المبارک کو نماز عشاء صرف اتنی ہی ادا کرنی چاہیئے۔ جس کا ثبوت حدیث رسول اور ارشادات ائمہ اہل بیت میں ہے۔

بھولے بھالے لوگوں کو دھوکہ دہی کی خاطر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ چونکہ "نماز تراویح"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اپنی طرف سے بنائی ہوئی نماز ہے۔ لہذا بدعت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ اہل بیت سے کوئی ایک حدیث وروایت ثابت نہ ہونے کی بنا پر اس پر عمل کرنا گویا۔ ان حضرات کی مخالفت کرنا ہے۔ اس لیے نماز تراویح ہرگز نہ پڑھنی چاہیئے۔

اس بنا پر ہم نے سوچا۔ کہ عوام کو اس دھوکہ دہی کی واردات سے آگاہ کیا جائے اور الزام مذکور کی تحقیق کی جائے۔ تاکہ بھولے بھالے لوگ اس دھوکہ میں پڑنے سے بچ نکلیں۔

(وباللہ التوفیق)

اگر یہ بدعت سیئہ تھی تو اسے صحابہ نے کیوں نہ مٹایا

نماز تراویح کو بدعت قرار دینا اور وہ بھی "بدعت سیئہ"، اگر اہل تشیع کے اس خیال کو مان لیا جائے۔ تو سب سے پہلے اس "برائی" کو مٹانا ان حضرات کا فرض تھا جو اس بدعت کی ترویج کے وقت موجود تھے۔ کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس کار خیر کو شروع فرمایا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اور ان کے متبعین یعنی حضرات تابعین ان گنت تعداد میں تھے اس کثرت کے باوجود چپ رہتے ہوئے جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق دیکھتے ہیں۔ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی"۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ کام (نماز تراویح) ان حضرات کے نزدیک برا کام نہ تھا۔ ان تمام حضرات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

آپ کی شخصیت وہ ہے۔ کہ زندگی بھر حق کا ساتھ نہ چھوڑا اور نہ ہی کبھی حق کو چھپایا۔ ان کی اپنی ذات تو تھی ہی بلکہ اپنے دونوں لاڈلوں حضرات حسنین کریمین کو آخری وصیت فرمارہے ہیں۔ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا رہنا۔ اگر تم نے یہ طریقہ چھوڑ دیا تو پھر تم پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے۔ اور ان حکمرانوں کے دور میں تمہاری کوئی دعا بارگاہِ الٰہی میں شرف قبولیت نہ پاسکے گی۔

اگر نماز تراویح بدعت سیئہ تھی تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ختم کیوں نہ کیا؟

اگر بقول معترض نماز تراویح "بدعت سیئہ" تھی۔ تو حضرت علی المرتضٰی کی اولیں ذمہ داری تھی۔ کہ اس برائی پر آواز اٹھاتے۔ اور علی الاعلان اس کی مخالفت کرتے۔ اور اس کو ابتداء میں ہی ختم کرنے کی سعی فرماتے۔ لیکن اہل تشیع ایڑی چوٹی کا زور لگالیں۔ اور کہیں سے ایک ہی حدیث ایسی دکھا دیں۔ کہ جس میں مذکور ہو۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس بدعت کا سرعام انکار کیا ہو۔ اور اس کی علی الاعلان تردید کی ہو۔ کبھی بھی وہ ایک روایت صحیحہ پیش نہیں کر سکتے۔ تو پھر انہیں کس نے حق دیا۔ کہ جس بات کو حضرت علی المرتضٰی سمیت کثیر تعداد میں صحابہ کرام نے قبول کیا۔ اور اس کی تحسین کی۔ اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ یہ لوگ (اہل تشیع) اس کو بدعت سیئہ کہتے پھریں؟

ہاں! اتنا ضرور ہے۔ کہ حدیث تو پیش نہ کر سکیں۔ لیکن یہ کہہ دیں۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے بطور تقیہ اس کی مخالفت نہ کی۔ ورنہ وہ دل

سے اس عمل پر خوش نہ تھے نہ صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خوف و جلال سے حق کو چھپائے رکھا۔ تو یہ کہنا اگرچہ اُن سے بعید نہیں لیکن اس قول میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی انتہائی گستاخی ہے۔ جسے ہر شخص جانتا ہے۔

دل کی خوشی یا ناراضگی ایک باطنی کیفیت ہے۔ جس پر اطلاع از خود ناممکنات میں سے ہے۔ ہاں اگر خود آدمی اپنی اسی کیفیت کا کسی طور پر اظہار کر دے۔ تو پھر اس پر اعتبار کیا جائے گا۔ یونہی حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ دل سے ناخوش تھے۔ اور فاروق اعظم کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے اس بدعت کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ تو ہم پوچھ سکتے ہیں۔ کہ جب فاروق اعظم نہ رہے۔ عثمان غنی بھی انتقال فرما گئے۔ اور خلافت حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو ملی۔ تو پھر خوف و دبدبہ والا ہی نہ رہا۔ تو خوف کس کا؟ دورانِ خلافت حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو اس بدعت کی بیخ کنی کرنی چاہیے تھی۔ اور اس کے آثار کو ختم کرنا ان کی منصبی ذمہ داری تھی۔ اور روکاوٹیں بھی ختم ہو چکی تھیں۔ تو ایسے بہتر حالات میں حضرت علی نے اس "بدعت" کو مٹانے کی بجائے اس کی تحسین فرمائی۔ اور فاروق اعظم کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ با دل نخواستہ نماز تراویح کو اپناتا، اہل تشیع کا ان پر بہت بڑا اتہام ہے۔ اپنوں سے پوچھیے۔ وہ بھی ان تحسین بھرے الفاظ کو اپنی کتب میں ذکر کر چکے ہیں۔

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علی عمر فاروق کے اس عمل کی زندگی بھر تعریف کرتے رہے شیعہ کتب

شرح ابن حدید:

وَقَدْ رَوَى الرُّوَاةُ اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ خَرَجَ لَيْلًا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَرَاَى الْمَصَابِيْحَ فِي الْمَسَاجِدِ وَالْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ التَّرَاوِيْحَ فَقَالَ نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا نَوَّرَ مَسَاجِدَنَا۔

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد ۳
فی رد الشارح علی المرتضی الخ
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

بہت سے راویوں نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں گھر سے باہر تشریف فرما ہوئے آپ نے دیکھا۔ کہ مسجدوں میں چراغ جل رہے ہیں اور مسلمان باجماعت نماز تراویح میں مشغول ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی

اے اللہ! عمر بن الخطاب کی قبر کو منور فرما۔ کیونکہ اس نے ہماری مسجدوں کو منور کر دیا۔ (یعنی نماز تراویح ادا کرنے کے لیے مسجدوں کو چراغوں سے روشن کیا گیا ہے۔ اور خود نماز تراویح سے پڑھنے والے کو نور حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ نے فاروق اعظم کے لیے اس نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے نورانیت عطا فرمانے کی دعا کی)

لمحہ فکریہ:

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت دھرنا کہ وہ نماز تراویح کے بارے میں دلی طور راضی نہ تھے۔ اور یہ کہ حضرت فاروق اعظم کے دور خلافت میں تقیہ کا سہارا لیتے ہوئے انہوں نے اس "بدعت" کی مخالفت نہ کی۔ کس قدر بھیانک تہمت اور کتنا بڑا بہتان ہے۔ اگر کسی نے سفید جھوٹ نہ دیکھا ہو۔ تو یہ اسی کی مثال ہے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مذکور ارشاد اور دعا نے ان تمام شکوک و شبہات پر پانی پھیر دیا ہے۔ اگر معترض کو معمولی سی بھی شرم و حیا ہوتی۔ تو اس اعتراض کو ہرگز ہرگز ذہن میں جگہ نہ دیتا۔ اور اگر حوالہ مذکورہ پڑھ کر ہی شرم و حیا آجائے تو آئندہ اس قسم کے الزامات سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

نماز تراویح باجماعت، بیس رکعت اور اس میں ایک مرتبہ مکمل قرآن پاک سنانا یہ ہیئت و کیفیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے یہی ایجاد حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کو اتنی پسند آئی۔ اور باعث مسرت بنی۔ کہ بے ساختہ زبان و دل سے دعا نکلی "اے اللہ! عمر کی قبر روشن کر دے۔ اس نے تیرے گھروں (مسجدوں) کو تراویح۔ اور تلاوت قرآن سے روشن کیا اہل تشیع کے عقائد کے لحاظ سے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے

اقوال و افعال اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں اور اقوال و افعال پیغمبر میں کوئی فرق نہیں ہوتا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو دیکھ کر خاموشی فرمائیں۔ وہ سنت ہو جاتا ہے۔ تو اسی طرح حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی کسی فعل کے ہوتے ہوئے خاموشی فرمانا اہل تشیع کے ہاں سنتِ نبوی کے مترادف ہے۔ تو مسئلہ زیر بحث (نماز تراویح) میں یہ نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو پڑھتے دیکھ کر سکوت فرمایا۔ بلکہ آپ نے تو اس کو بہت سراہا۔ اور اس شخص کو دعاؤں سے نوازا جو اس کا محرک تھا۔ تو اس طرح ثابت ہوا کہ نماز تراویح کے بارے میں "وہ بدعت فاروقی"، نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تحسین اور پسندیدگی کی وجہ سے سنت نبوی کا درجہ پا لیا۔ اور رمضان المبارک میں بیس رکعت نماز تراویح با جماعت ادا کرنے والا، اور اس میں ایک مرتبہ قرآن پاک سننے سنانے والا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث تقریری کی بنا پر ان کے حکم اور ان کی پسند پر عمل کرنے والا ہے۔ اور اسی سے اس کی پہچان بھی ہو جائے گی۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا محب صادق ہے یا در نام نہاد محب علی"، ہے۔

ائمہ اہل بیت بھی رمضان المبارک میں تراویح پڑھتے تھے

الزام میں دوسری بات یہ تھی۔ کہ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رمضان المبارک کے دوران روزمرہ کی نماز عشاء سے زائد رکعتیں نہ پڑھیں۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ تو یہ الزام کا حصہ بھی اس سے پہلے حصہ کی

طرح سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ حضرات ائمہ اہل بیت سے شیعہ کتب کے حوالے سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ رمضان المبارک میں نماز عشاء کی عام رکعتوں سے کچھ زیادہ رکعات کا اہتمام فرماتے۔ اور خاص کر بیس رمضان المبارک تک تو بیس رکعت تک اضافہ کرتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

(۱) الاستبصار (۲) من لایحضرہ الفقیہ:

عَنْ سَعْدَةَ بْنِ صَدَقَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ
عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ مِمَّا کَانَ یَصْنَعُ فِیْ
شَھْرِ رَمَضَانَ کَانَ یَتَنَفَّلُ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ
وَیَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوتِہِ الَّتِیْ کَانَ یُصَلِّیْ
قَبْلَ ذٰلِکَ مُنْذُ اَوَّلِ لَیْلَۃٍ اِلٰی تَمَامِ
عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ عِشْرِیْنَ
رَکْعَۃً ثَمَانِیْ رَکْعَاتٍ مِنْھَا بَعْدَ الْمَغْرِبِ
وَاثْنَتَیْ عَشَرَۃَ بَعْدَ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَۃِ وَ
یُصَلِّیْ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ
ثَلَاثِیْنَ رَکْعَۃً اِثْنَتَا عَشَرَۃَ مِنْھَا بَعْدَ
الْمَغْرِبِ وَثَمَانَ عَشَرَ بَعْدَ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَۃِ
وَیَدْعُوْ وَیَجْتَھِدُ اجْتِھَادًا شَدِیْدًا
وَکَانَ یُصَلِّیْ فِیْ لَیْلَۃِ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ
مِائَۃَ رَکْعَۃٍ وَیُصَلِّیْ فِیْ لَیْلَۃِ
ثَلَاثًا وَّعِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ رَکْعَۃٍ

وَيَجْتَهِدُ فِيهِمَا ۔

(۱۔ الاستبصار جلد ۱ ص ۴۶۲
فی الزیادۃ فی شھر رمضان)
(۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ
جلد دوم ص ۸۸ تا ۸۹، تذکرہ
فی الصلوٰۃ فی شھر رمضان
مطبوعہ تہران طبع جدید)
(۳۔ من لا یحضرہ الفقیہ
جلد دوم صفحہ نمبر ۸۴/ طبع قدیم
مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ:

سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رمضان المبارک کے مہینہ میں ہر رات نوافل زیادہ پڑھتے تھے۔ اور اس سے پہلے پڑھی گئی نفلوں کی تعداد میں اور زیادتی کر دیا کرتے تھے۔ رمضان شریف کی پہلی رات سے بیسویں رات تک ہر روز بیس رکعت زیادہ ادا فرمایا کرتے تھے۔ ان بیس میں سے آٹھ رکعت بعد نماز مغرب اور بارہ رکعت عشاء کے آخر میں ادا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں روزانہ تیس رکعت ادا کرتے تھے۔ ان میں سے بارہ نماز مغرب کے بعد اور اٹھارہ نماز عشاء کے بعد پڑھتے تھے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ گڑگڑا کر دعا کیا کرتے تھے۔ امام موصوف

رمضان المبارک کی اکیسویں رات کو ایک سو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے اسی طرح تیئسویں رات میں بھی ایک سو رکعت ادا فرماتے۔ ان دونوں راتوں میں بہت اہتمام کیا کرتے تھے۔

فروع کافی:

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ لَہٗ اَبُوْ بَصِیْرٍ مَا تَقُوْلُ فِی الصَّلٰوۃِ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ - فَقَالَ لِشَھْرِ رَمَضَانَ حُرْمَۃٌ وَحَقٌّ لَا یُشْبِھُہٗ شَیْءٌ مِّنَ الشُّھُوْرِ صَلِّ مَا اسْتَطَعْتَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ تَطَوُّعًا بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّیَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ اَلْفَ رَکْعَۃٍ (فَافْعَلْ) اِنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ اٰخِرِ عُمُرِہٖ ــــــــــ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ اَلْفَ رَکْعَۃٍ فَصَلِّ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ زِیَادَۃً (فِیْ) رَمَضَانَ فَقُلْتُ کَمْ جُعِلْتُ فِدَاکَ فَقَالَ فِیْ عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً تُصَلِّیْ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ قَبْلَ الْعَتَمَۃِ وَاثْنَتَیْ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً بَعْدَھَا سِوٰی مَا کُنْتَ تُصَلِّیْ قَبْلَ

قَبْلَ ذٰلِكَ فَاِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ فَصَلِّ ثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ قَبْلَ الْعَتَمَةِ وَاثْنَيْنَ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَعْدَهَا سِوٰى مَا كُنْتَ تَفْعَلُ قَبْلَ ذٰلِكَ۔

(فروع کافی جلد ۴ صفحہ نمبر ۱۵۴،
باب ما یزاد من الصلوٰۃ فی
شہر رمضان)

ترجمہ:

ابو بصیر کہتا ہے۔ کہ ہم چند آدمی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ تو میں۔ (ابو بصیر) نے امام سے پوچھا۔ رمضان المبارک میں نماز کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا۔ رمضان شریف کا مہینہ بہت احترام والا مہینہ ہے۔ اور اس کے عظیم حقوق ہیں۔ جو کسی دوسرے مہینہ کو عطا نہ ہوئے۔ اس مہینہ میں رات دن جس قدر ہو سکے نوافل ادا کرو۔ اگر اس کی ہر رات اور ہر دن میں ایک ہزار رکعت پڑھ سکو۔ تو ضرور پڑھو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عمر شریف کے آخری حصہ میں اس مہینہ کی ہر رات اور اس کے ہر دن میں ایک ہزار رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ اے ابو محمد! رمضان المبارک میں بہت زیادہ نوافل پڑھا کرو۔ میں (ابو بصیر) نے پوچھا۔ آپ پر قربان جاؤں۔ کتنے نوافل ادا کیا کروں۔ فرمایا۔ پہلی بیس راتوں میں ہر رات کو بیس رکعت ادا کیا کرو۔ آٹھ نماز مغرب کے بعد عشاء

سے پہلے) اور بارہ نماز عشاء کے بعد۔ لیکن یہ بیس ان رکعتوں کے علاوہ ہونی چاہئیں۔ جو تم عام طور پر روزانہ پڑھتے ہو۔ پھر جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ (یعنی آخری دس دن) شروع ہو۔ تو ہر رات تیس رکعت ادا کرو۔ اس طرح کہ عشاء سے قبل آٹھ رکعت اور بعد از نماز عشاء بائیس رکعت لیکن یہ بھی غیر رمضان میں روزانہ کی تعداد رکعات کے علاوہ ہونی چاہئیں۔

الحاصل:

اہل تشیع کی معتبر کتب سے ہم نے باحوالہ ثبوت پیش کر دیا ہے۔ جس سے ہر ذی عقل یہی نتیجہ نکالے گا۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم رمضان المبارک میں بعد نماز عشاء عام طور پر پڑھی جانے والی رکعتوں سے زیادہ رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔ نماز تراویح بھی ایک نفل کی قسم ہی ہے۔ اسی قسم کی نماز رمضان المبارک کی ابتدائی بیس راتوں میں ائمہ اہل بیت بیس رکعت نوافل زیادہ ادا فرمایا کرتے تھے۔

حتیٰ کہ تمام اماموں کے امام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ) رمضان کی ہر رات اور اس کے ہر دن میں ایک ہزار رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔

ابتدائی بیس دنوں کے بعد پھر روزانہ تیس رکعات ادا کرنا ائمہ اہل بیت کی عادت مبارکہ تھی۔ خود بھی اس قدر زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے۔ اور اپنے متعلقین و احباب کو بھی اسی طرح زیادہ نوافل پڑھنے کی ترغیب دیتے۔
معترض نے تو یہ کہہ کر بڑی بڑ ہانکی تھی۔ کہ حضرات ائمہ اہل بیت سے نہ کوئی

زائد عبادت (نفل) کی روایت ہے۔ اور نہ ہی اُن کا عمل اس کی تائید کرتا ہے۔ آپ نے حقیقتِ حال ملاحظہ کی۔ ائمہ اہل بیت خود بھی دوران رمضان المبارک بیس سے لے کر تیس رکعات تک معمول سے زیادہ نوافل (تراویح) ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا کرتے تھے۔

لہذا معترض کا اعتراض ''ہباءً منثوراً'' ہوگیا۔ اور اسی کے ضمن میں اس اعتراض کی بھی تردید ہوگئی۔ کہ نماز تراویح عمر بن الخطاب کی ایجاد کردہ ''بدعت سیئہ'' ہے۔ نہ کسی امام نے اسے اپنایا۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت؟

ان حوالہ جات کے ذکر کرنے کے بعد بھی اگر کوئی یہی کہتا پھرے۔ کہ نماز تراویح ''بدعتِ فاروقی'' ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو پھر سمجھ لیجئے۔ کہ ایسا کہنا اس کے ازلی بدبخت ہونے کی علامت ہے۔ ائمہ اہل بیت خود پڑھیں۔ دوسروں کو پڑھنے کا حکم دیں۔ اور یہ کہے۔ کہ ''بدعت سیئہ'' ہے تو اس سے بے ہودہ۔ اور یاوہ گوئی کو کون سنے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے مزین مساجد کو دیکھ کر نورانی دعا دینا۔ ان کا خود ایک ہزار تک رمضان المبارک میں روزانہ نوافل ادا کرنا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا بیس سے لے کر تیس نوافل ادا فرمانا اور خاص کر اکیسویں اور تیئسویں رات کو ایک سو نوافل ادا کرنے کی ترغیب دینا ایسے شواہد ہیں۔ کہ جن کی روشنی میں ہر شخص یہ دیکھ سکتا ہے۔ کہ نماز تراویح کی کیا فضیلت ہے۔ اور اس کا کس قدر اہتمام ہے۔ سنت فاروقی نہ سہی سنت امامی ہی سمجھ کر اس پر عمل کرو۔ بہر حال اس سے انکار کی کوئی وجہ اور کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

ان گزارشات سے ہمیں امید ہے۔ کہ اگر کسی قاری کو تلاش حق ہوگی۔ تو وہ ضرور اس تلاش میں کامیاب ہوگا۔ اور اگر کوئی شک و شبہ کی دلدل میں پھنسا ہوا رہائی کا

طریقہ حاصل کر کے یقین کی منزل تک جاتا چاہتا ہوگا۔ اور کوئی بغض و عناد کی عینک اتار کر حق و صداقت کی سدا بہار دیکھنا چاہے گا۔ تو وہ یقینا اس میں ہمراہ ہوگا۔ اور اگر کوئی بھولے سے سیدھی راہ سے ہٹ چکا ہوگا۔ تو انشاء اللہ یقیناً اُسے صراط مستقیم پر چلنا نصیب ہوگا۔

ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

فصل

جنازہ کے چند مسائل

اللہ تعالیٰ نے جس آدمی کو دنیا میں بھیجا۔ اس نے بالآخر یہاں سے کوچ کرنا ہی ہے اور پھر اس دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب وکتاب یوم جزا کو دینا ہوگا جب کسی شخص کے انتقال کا وقت آتا ہے۔ تو مرنے والا اپنے بارے میں جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے۔ اس کا خود مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن حاضرین کو پتا نہیں سکتا۔ اگر جنتی ہے۔ تو اس کے ساتھ نرم سلوک ہوتا ہے۔ اور اگر دوزخی ہے۔ تو جان نکالنے والے فرشتے سخت سلوک کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ علامات ایسی ہوتی ہیں۔ جن سے حاضرین بھی مرنے والے کے بارے میں کچھ نہ کچھ نظریہ قائم کر سکتے ہیں مثلاً اگر ایک آدمی بوقت رخصت کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ تو اس کے بارے میں موجود لوگوں کی گواہی جنتی ہونے کی ہوگی۔ اور اگر اُس وقت اس کی زبان سے گالی گلوچ اور کفریات نکلتے ہیں۔ تو یہ اس کے دوزخی ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اور یہ بھی بات کسی حد تک قابلِ یقین ہے۔ کہ جس آدمی نے زندگی میں اچھے کام کیے۔ اور برائیوں سے بچتا رہا۔ تو اس کی بدولت دنیا سے اس کی رخصتی ایمان واسلام کے ساتھ ہو۔ اور جو اس کے خلاف رہا ہو وہ آخری لمحات میں

ممکن ہے کلمہ کے بغیر ہی چل پڑے۔ ان باتوں کو دیکھا جائے۔ تو اہل تشیع کی فقہ یہ ظاہر کرتی ہے۔ کہ ان اہل تشیع میں سے مرنے والا قابلِ بخشش نہیں۔ ان کے چند مسائل بحوالہ ملاحظہ ہوں۔

بوقت مرگ اور بوقت غسل بھی میت کے پاؤں قبلہ کی طرف کرو

وسائل الشیعہ وغیرہ

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ إِذَا مَاتَ لِاَحَدِكُمْ مَيِّتٌ فَسَجُّوْهُ تِجَاهَ الْقِبْلَةِ وَكَذٰلِكَ إِذَا غُسِلَ يُحْفَرُ لَهُ مَوْضِعُ الْمُغْتَسَلِ تِجَاهَ الْقِبْلَةِ فَيَكُوْنُ مُسْتَقْبِلَ بَاطِنِ (مُسْتَقْبِلًا بِبَاطِنِ) قَدَمَيْهِ وَوَجْهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد دوم کتاب الطہارت ص ۶۶۱ باب وجوب توجیہ المختصر الخ)

(۲۔ فقہ الامام جعفر صادق جلد اول ص ۱۰۲ تذکرۃ الاحتضار)

(۳۔ تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۶۲ فی الاحکام المختصر الخ)

ترجمہ:

سلیمان بن خالد روایت کرتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جب تم میں سے کسی کے ہاں کوئی مرجائے۔ تو اسے قبلہ رخ کر کے کفن پہناؤ۔ اور اسے غسل دیتے وقت بھی اسی طرح کرو۔ یعنی اس کے لیے قبلہ کی طرف گڑھا کھودا جائے جس میں اس کے غسل کا پانی گرے۔ یہ اس لیے تاکہ بوقت غسل اس کا منہ اور قدم قبلہ کی طرف ہو جائیں۔

وسائل الشیعہ:

عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ تَوْجِيْهِ الْمَيِّتِ فَقَالَ اسْتَقْبِلْ بِبَاطِنِ قَدَمَيْهِ الْقِبْلَةَ قَالَ وَقَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْ وُلْدِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَهُوَ فِي السُّوْقِ (اَلنَّزْعِ) وَقَدْ وُجِّهَ بِغَيْرِ (اِلٰى غَيْرِ) الْقِبْلَةِ فَقَالَ وَجِّهُوْهُ اِلَى الْقِبْلَةِ فَاِنَّكُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ اَقْبَلَتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ وَ اَقْبَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقْبَضَ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۶۶۲ کتاب الطہارت باب توجیہہ المختصر مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ میت کا منہ کس طرف کیا جانا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کے قدموں کے تلوے قبلہ رُخ کردو۔ اور پھر فرمایا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اولادِ عبدالمطلب میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ قریب المرگ تھا۔ اور لوگوں نے اس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں کیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف کردو۔ کیونکہ جب تم ایسا کروگے۔ تو فرشتے اس کی طرف آئیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ فرمائے گا۔ وُہ اسی حالت پر کر دیا گیا۔ اور بالآخر اسی حالت میں اس نے دم توڑ دیا۔

مرنے کے وقت مرنے والے کے مُنہ سے منی نکلنے کا ثبوت

من لا یحضرہ الفقیہ

سُئِلَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَيِّ عِلَّةٍ يُغْسَلُ الْمَيِّتُ؟ قَالَ تَخْرُجُ مِنْهُ النُّطْفَةُ الَّتِيْ خُلِقَ مِنْهَا تَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ اَوْ مِنْ فِيْهِ وَ مَا يَخْرُجُ اَحَدٌ مِّنَ الدُّنْيَا حَتّٰى يُرٰى مَكَانَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ اَوْ مِنَ النَّارِ۔

(۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸۴
فی غسل میت مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ میت کو غسل کس علت کی وجہ سے دیا جاتا ہے؟ فرمایا اس کی آنکھوں یا اس کے منہ سے وہ نطفہ نکلتا ہے جس سے اُسے پیدا کیا گیا تھا۔ (اس نطفہ کے نکلنے کی وجہ سے اُسے غسل کی ضرورت پڑتی ہے) اور جو شخص مرنے لگتا ہے اُسے اُس کا اُخروی مکان چاہے جنت میں ہو یا دوزخ میں دکھا دیا جاتا ہے۔ (بغیر دیکھے وہ مرتا نہیں ہے)۔

وسائل الشیعہ

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْقَزْوِیْنِیْ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرَ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ عَنْ غُسْلِ الْمَیِّتِ لِاَیِّ عِلَّۃٍ یُغْسَلُ، وَلِاَیِّ عِلَّۃٍ یَغْسِلُ الْغَاسِلُ؟ قَالَ یُغْسَلُ الْمَیِّتُ لِاَنَّہٗ جُنُبٌ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد دوم صفحہ نمبر ۶۸۶
کتاب الطہارت)
(۲۔ علل الشرائع باب نمبر ۲۳۸
ص ۳۰۰/ العلۃ التی من اجلھا
یغسل المیت الخ)

ترجمہ:

ابوعبداللہ قزوینی کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میت کو غسل کس علت کی بنا پر دیا جاتا ہے؟ اور میت کو غسل دینے والا کیوں غسل کرتا ہے؟ فرمایا۔ میت کو غسل اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ (اس کے منہ یا آنکھوں سے منی نکلتی ہے جس کی وجہ سے) وہ جنبی ہو جاتا ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَمَّادٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمَيِّتِ لِمَ يُغَسَّلُ غُسْلَ الْجَنَابَةِ؟ فَذَكَرَ حَدِيْثًا يَقُوْلُ فِيْهِ فَاِذَا مَاتَ سَالَتْ مِنْهُ تِلْكَ النُّطْفَةُ بِعَيْنِهَا يَعْنِي الَّتِيْ خُلِقَ مِنْهَا فَمِنْ ثَمَّ صَارَ الْمَيِّتُ يُغَسَّلُ غُسْلَ الْجَنَابَةِ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۶۸۷
کتاب الطہارت)
(۲۔ علل الشرائع باب ۲۳۸ ص ۳۰۰
مطبوعہ حیدریہ نجف اشرف)

ترجمہ:

عبدالرحمن بن حماد کہتا ہے کہ میں نے ابوابراہیم سے پوچھا۔ کہ میت کو غسل جنابت کیوں دیا جاتا ہے؟ بولے اس لیے کہ جب آدمی مرتا ہے۔ تو بعینہٖ وہی نطفہ اس (کے منہ یا آنکھوں) سے بہہ نکلتا ہے۔

جس سے اُسے پیدا کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جس کے سبب میت کو جنابت کا غسل دیا جاتا ہے۔

میت کے منہ یا آنکھوں سے نکلنے والے نطفہ کی تشریح

فروع کافی

فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْلُقَ خَلْقًا اَمَرَهُمْ فَاَخَذُوْا مِنَ التُّرْبَةِ الَّتِيْ قَالَ فِيْ كِتَابِهٖ "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" فَعُجِنَ النُّطْفَةُ بِتِلْكَ التُّرْبَةِ الَّتِيْ يُخْلَقُ مِنْهَا بَعْدَ اَنْ اَسْكَنَهَا الرَّحِمَ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَاِذَا تَمَّتْ لَهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ قَالُوْا يَا رَبِّ تَخْلُقُ مَاذَا؟ فَيَاْمُرُهُمْ بِمَا يُرِيْدُ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى. اَبْيَضَ اَوْ اَسْوَدَ فَاِذَا اَخْرَجَتِ الرُّوْحُ مِنَ الْبَدَنِ خَرَجَتْ هٰذِهِ النُّطْفَةُ بِعَيْنِهَا مِنْهُ كَائِنًا مَا صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا ذَكَرًا اَوْ اُنْثٰى فَلِذٰلِكَ يُغَسَّلُ الْمَيِّتُ غُسْلَ الْجَنَابَةِ۔

(فروع کافی جلد سوم ص ۱۶۳ کتاب الجنائز
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:
جب اللہ تعالیٰ کسی کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو فرشتے اسی مٹی میں سے کچھ لے آتے ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ "واس سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ ہم نکالیں گے" نطفہ کو اس مٹی میں ڈال کر جس سے پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے گوندھا جاتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ ماں کے رحم میں چالیس دن رات گزار لیتا ہے۔ پھر جب اُسے چار مہینہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ تو فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے اللہ! کیا پیدا کرے گا؟ پھر اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے۔ اُس کا حکم دیتا ہے۔ لڑکا یا لڑکی، کالا یا سفید۔ پھر جب مرتے وقت اس کی روح نکلتی ہے۔ تو یہی نطفہ بعینہٖ اس کے بدن سے (آنکھ یا منہ کے ذریعہ) نکلتا ہے۔ وہ مرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مؤنث۔ اسی بنا پر میت کو غسلِ جنابت دیا جاتا ہے۔

میت کو ہاتھ لگانے والے پر غسل واجب ہونے کا ثبوت

تحریر الوسیلہ

فَصْلٌ فِيْ غُسْلِ مَسِّ الْمَيِّتِ - وَسَبَبُ وُجُوْبِهٖ مَسُّ

مَيِّتِ الْاِنْسَانِ بَعْدَ بَرْدِ تَمَامِ جَسَدِهٖ وَقَبْلَ تَمَامِ غُسْلِهٖ لَا بَعْدَهٗ وَلَوْ كَانَ غُسْلُهٗ اِضْطِرَارِيًّا وَلَا فَرْقَ فِي الْمَيِّتِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَالْكَبِيْرِ وَالصَّغِيْرِ حَتَّى السِّقْطِ اِذَا تَمَّ لَهٗ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ كَمَا لَا فَرْقَ بَيْنَ مَا تُحِلُّهُ الْحَيَاةُ وَغَيْرُهٗ مَاسًّا مَمْسُوْسًا بَعْدَ صِدْقِ اِسْمِ الْمَسِّ فَيَجِبُ الْغُسْلُ بِمَسِّ ظُفْرِهٖ بِالظُّفْرِ۔

(تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۶۰ فصل فی غسل المس، مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

میت کو چھونے پر غسل کے بارے میں احکامات: میت کو ہاتھ لگانے پر جو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ وہ میت کے تمام جسم کے ٹھنڈا پڑنے پر اُسے ہاتھ لگانے سے واجب ہو جائے گا۔ اور اس کے مکمل غسل دینے سے پہلے پہلے ہاتھ لگنے سے وجوب لازم آتا ہے۔ جب میت کو غسل دے دیا جائے۔ تو پھر اُسے ہاتھ لگانے سے ہاتھ لگانے والے پر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ غسل بامر مجبوری ہی دیا گیا ہو۔ ہاتھ لگانے والے پر غسل کا واجب ہونا بہر حال ضروری ہے۔ میت مسلمان ہو یا کافر، چھوٹی ہو یا بڑی حتیٰ کہ وہ کچا بچہ جو چار ماہ ماں کے رحم میں رہنے کے بعد پیدا ہوا ان میں سے کسی کو بھی ہاتھ لگ جائے تو ہاتھ لگانے والے پر غسل واجب ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی فرق نہیں۔ کہ میت زندہ پیدا ہو کر مری یا مری ہوئی پیدا ہوئی خود

ہاتھ لگایا ہو یا ہاتھ لگایا گیا ہو۔ کیونکہ ان صورتوں میں ہاتھ لگانا صادق آجاتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص میت کے ناخن کو اپنے ناخن لگاتا ہے تب بھی ناخن لگانے والے پر غسل واجب ہو گیا۔

مذاہب خمسہ

مَسُّ الْمَيِّتِ۔ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانُ مَيِّتًا اِنْسَانِيًّا فَهَلْ عَلَيْهِ الْوُضُوْءُ، اَوِ الْغُسْلُ اَوْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْءٌ؟ قَالَ الْاَرْبَعَةُ مَسُّ الْمَيِّتِ لَيْسَ بِحَدَثٍ اَصْغَرَ وَلَا اَكْبَرَ۔ اَيْ لَا يُوْجِبُ وُضُوْءًا وَلَا غُسْلًا وَاِنَّمَا يُسْتَحَبُّ الْغُسْلُ مِنْ تَغْسِيْلِ الْمَيِّتِ لَا مِنْ مَسِّهٖ قَالَ اَكْثَرُ الْاِمَامِيَّةِ يَجِبُ الْغُسْلُ مِنَ الْمَسِّ بِشَرْطِ اَنْ يَبْرُدَ جِسْمُ الْمَيِّتِ وَاَنْ يَكُوْنَ الْمَسُّ قَبْلَ التَّغْسِيْلِ الشَّرْعِيِّ فَاِذَا حَصَلَ الْمَسُّ قَبْلَ بَرْدِهٖ وَبَعْدَ الْمَوْتِ بِلَا فَصْلٍ اَوْ بَعْدَ اَنْ تَمَّ التَّغْسِيْلُ فَلَا شَيْءَ عَلَى الْمَاسِّ۔

وَلَمْ يُفَرِّقُوْا فِيْ وُجُوْبِ الْغُسْلِ بَيْنَ اَنْ يَكُوْنَ الْمَيِّتُ مُسْلِمًا اَوْ غَيْرَ مُسْلِمٍ وَلَا بَيْنَ اَنْ يَكُوْنَ كَبِيْرًا اَوْ صَغِيْرًا حَتّٰى وَلَوْ كَانَ سِقْطًا تَمَّ لَهٗ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَسَوَآءٌ حَصَلَ الْمَسُّ اِخْتِيَارِيًّا اَوْ اِضْطِرَارِيًّا عَاقِلًا كَانَ الْمَاسُّ اَوْ مَجْنُوْنًا صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا فَيَجِبُ الْغُسْلُ عَلَى الْمَجْنُوْنِ بَعْدَ الْاِفَاقَةِ وَعَلَى

الصَّغِيْرِ بَعْدَ الْبُلُوْغِ بَلْ اَوْجَبَ الْاِمَامِيَّةُ الْغُسْلَ بِمَسِّ الْقِطْعَةِ الْمُبَانَةِ مِنْ حَيٍّ اَوْ مِنْ مَيِّتٍ اِذَا كَانَتْ مُشْتَمِلَةً عَلٰى عَظْمٍ فَاِذَا لَمَسَتْ اِصْبَعًا قُطِعَتْ مِنْ حَيٍّ وَجَبَ الْغُسْلُ وَكَذَا لَوْ لَمَسْتَ سِنًّا مُنْفَصِلَةً مِنْ مَيِّتٍ اَمَّا اِذَا لَمَسْتَ السِّنَّ بَعْدَ اِنْفِصَالِهَا مِنَ الْحَيِّ فَيَجِبُ الْغُسْلُ اِذَا كَانَ عَلَيْهَا لَحْمٌ وَلَا يَجِبُ اِذَا كَانَتْ مُجَرَّدَةً۔

(مذاہب خمسہ ص ۵۲ ذکر مس المیت
مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:

میت کو چھونے کے احکام۔ جب کوئی آدمی کسی انسانی میت کو چھوتا ہے تو کیا اس چھونے والے پر وضوء یا غسل واجب ہوتا ہے یا کچھ بھی واجب نہیں ہوتا؟۔

ائمہ اربعہ نے کہا ہے۔ کہ میت کو چھونا نہ حدث اصغر ہے اور نہ ہی حدث اکبر۔ یعنی اس کو چھونے سے وضوء یا غسل کچھ بھی واجب نہیں ہوتا ہاں میت کو غسل دینے سے غسل دینے والے پر اپنا غسل کرنا مستحب ہوتا ہے میت کو چھونے سے نہیں۔ اہل تشیع (امامیہ) کی اکثریت یہ کہتی ہے۔ کہ میت انسانی کو چھونے والے پر غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ میت کا جسم ٹھنڈا ہو چکا ہو۔ اور چھونا غسل شرعی سے پہلے واقع ہوا ہو۔ لہٰذا جب کسی نے میت کو ٹھنڈا ہونے سے پہلے چھو لیا۔ جبکہ وہ ابھی ابھی مرا تھا۔ یا غسل شرعی کے

بعد چھوا تو چھونے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہو گا۔
امامیہ نے یہ کوئی فرق نہیں کیا کہ میت مسلمان کی ہو یا کافر کی اور نہ ہی بالغ نابالغ کا فرق روا رکھا۔ یہاں تک کہ اگر میت ایسے کچے بچے کی ہے۔ جو چار ماہ تک رحم میں رہا ہو۔ تو اس کو چھونے پر بھی غسل واجب ہو گا۔ اسی طرح چھونا چاہے اپنے اختیار سے ہو یا مجبوراً، چھونے والا عاقل ہو یا مجنون، چھوٹا ہو یا بالغ ان تمام پر غسل واجب ہے۔ ہاں مجنون افاقہ کے بعد اور نابالغ بالغ ہونے کے بعد غسل کریں گے۔ بلکہ امامیہ نے غسل اس صورت میں بھی واجب قرار دیا ہے۔ کہ اگر کسی زندہ انسان کا کوئی عضو یا اس کا کوئی حصہ کاٹ لیا گیا یا کسی میت کا عضو جس کی ہڈی بھی ساتھ ہو۔ اس کے ساتھ چھونے والے پر بھی غسل واجب ہو جائے گا۔ اگر کسی زندہ آدمی کی انگلی کاٹ کر اس سے میت کو چھوا پھر بھی غسل واجب ہے۔ اسی طرح اگر میت کے جدا شدہ دانت کو ہاتھ لگ گیا تو بھی غسل واجب ہو جائے گا۔ ہاں اگر زندہ آدمی کے جدا شدہ دانت کو ہاتھ لگا۔ تو اس سے غسل تب واجب ہو گا۔ جب اس پر کچھ گوشت لگا ہوا ہو۔ اور اگر بالکل خالص دانت ہی ہے گوشت اس پر قطعاً نہیں۔ تو ایسے دانت کو چھونے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہے

لمحہ فکریہ:

اہل تشیع کی کتب کے حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ ان کے مذہب و مسلک میں بوقت مرگ اور بوقت غسل مردے کے

پاؤں قبلہ کی طرف کرنے چاہئیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ مُردہ ٹھنڈا پڑنے پر اس قدر شدید نجس اور ناپاک ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے ناخن کو چھونے والے پر بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ مردے پر غسل جنابت ہوتا ہے۔ یعنی اس کے جسم سے نطفہ نکلنے کی وجہ سے وہ پلید اور جنبی ہو گیا ہے۔ لہٰذا اسے پاک کرنے کے لیے اُسے غسل جنابت دیا جاتا ہے۔

حیرانی اس امر کی ہے۔ کہ اگر زندہ آدمی پر غسل جنابت لازم ہو جائے۔ تو نہ اس کے کپڑے نجس ہوں جو اس نے پہن رکھے ہیں۔ بشرطیکہ ان پر مستقل طور پر نجاست نہ لگی ہو۔ اور اس جنبی کو اگر کوئی دوسرا پاک شخص ہاتھ لگا دے۔ تو اس پر غسل واجب نہ ہونے کے خود اہل تشیع بھی قائل ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جنبی آدمی کے ساتھ مَس کرنے والے پر وجوب غسل کا حکم نہ قرآن کریم اور نہ ہی احادیث مقدسہ میں موجود ہے۔ یہاں تک تو اہل تشیع کی فقہ عقل و نقل کے مطابق بات کرتی نظر آتی ہے۔ لیکن خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ ایک شیعہ کے مرنے کے بعد جب وہ ٹھنڈا پڑ گیا تو اس کا مُردہ جسم اس قدر جنبی اور نجس ہو گیا۔ کہ کوئی گندگی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی نجاست غلیظہ یوں تو تمام نجاسات سے بڑھ کر نجس ہوتی ہے۔ لیکن وہ بھی اگر خشک ہو جائے۔ اور اُسے کوئی ہاتھ لگائے۔ تو جب تک اُس کا کچھ حصہ ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ پر نہ لگے گا۔ اس کا دھونا لازم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ مرا ہوا شیعہ جو سرد پڑ گیا۔ اتنا غلیظ نجس ہو گیا۔ کہ اس کے ناخن سے اگر کسی کا ناخن لگ گیا۔ تو ناخن لگانے والے پر بھی غسل لازم ہو جاتا ہے۔ اور پھر اتنا غلیظ پلید جو ابھی ابھی مرا ہو۔ اور جسم میں طبعی حرارت کچھ پائی جاتی ہو۔ تو پھر اُسے پلید و نجس نہیں کہا جاتا۔ چند لمحوں میں اس پر کیا آفت آ گئی۔ کہ وہ پاخانہ سے بھی زیادہ پلید ہو گیا۔

اس مقام پر اگر کوئی شیعہ یہ کہے۔ کہ بوقتِ غسل مُردے کے پاؤں قبلہ کی طرف کرنے پر اگر تمہیں اعتراض ہے۔ تو اپنے گھر کی خبر لو۔ احناف کے نزدیک جب آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے۔ اور بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ تو لیٹے لیٹے اُسے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور نماز پڑھنے کے لیے اس کی ٹانگیں قبلہ رُخ ہونے کا مسئلہ موجود ہے۔ اگر یہ بات اتنی ہی بُری تھی۔ تو حنفیوں کے نزدیک قبلہ کی طرف پاؤں کر کے نماز پڑھنے کی کیوں اجازت ہے؟

جواب

فقہ حنفی میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ لیکن اِس سے اہلِ تشیع کا مقصد پورا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مسئلہ کا پس منظر مختصر طور پر یوں ہے۔ کہ نماز کے لیے چند شرائط ہیں۔ ان کا نماز سے پہلے پورا کرنا لازمی ہے۔ اور اگر وہ شرط آخر نماز تک جاری رہنے والی ہو۔ تو اسے سلام پھیرنے تک برقرار رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک قبلہ رُخ ہونا بھی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کھڑے ہو کر تو واضح ہے۔ کہ منہ قبلہ کی طرف ہی کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور بیٹھ کر بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ہمت نہیں۔ تو اُسے لیٹ کر پڑھنی پڑے گی۔ اب لیٹ کر پڑھنے کی صورت یہ کہ نمازی ہمارے ملک میں شمالاً جنوباً لیٹے۔ اور اگر چت لیٹا ہوا ہے۔ تو منہ قبلہ کی طرف جس قدر ہوسکتا ہے کرے۔ اور اگر کروٹ پر لیٹا ہے۔ تو پھر دائیں کروٹ پر لیٹا ہونے کی صورت میں مُنہ اُدھر ہی ہو جاتا ہے۔ ایک صورت تو یہ تھی۔ دوسری صورت یہ کہ اُس

نمازی کو شرقاً غرباً لٹایا جائے۔ یعنی اس کے پاؤں قبلہ کی طرف اور سر مشرق کی طرف ہو اس صورت میں بھی اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے گا۔ تو یہ طریقہ صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے کے لیے کیا گیا۔ اور پھر فقہ حنفی میں اس پر پابندی نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص شرقاً غرباً لیٹ کر قبلہ کی طرف پاؤں نہیں کرتا۔ تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ اس پس منظر کی روشنی میں اب اہل تشیع کا مسئلہ دیکھیں۔ کیا میت کے غسل کے لیے میت کے پاؤں کو قبلہ کی طرف کرنا شرط ہے۔ یعنی بوقت غسل نماز کی طرح قبلہ رُخ ہونا شرط ہے اور پھر عجیب منطق ہے۔ کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے جسم سے تمام کپڑے اتار کر غسل دیا جاتا ہے۔ تو گویا ننگا کر کے اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کیے جا رہے ہیں۔ اس کا منہ ادھر کیا جا رہا ہے۔ زندہ تھا تو پیشاب و پاخانہ کرتے وقت اُدھر منہ کرنا ناجائز تھا مر گیا تو ایسا کرنا ضروری ہو گیا؟ اگر قبلہ سے تمہیں اس کا اتنا ہی پیار ظاہر کرنا ہے تو پھر اس کی قبر بھی شرقاً غرباً بنانی چاہیئے۔ اور اس میں اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر کے اوپر مٹی ڈال دینی چاہیئے۔ بلکہ نماز جنازہ پڑھتے وقت بھی اس شیعہ کی نعش قبلہ رُخ رکھ کر نماز پڑھنی چاہیئے۔

عجیب منطق:

مردے کو غسل دینے کی وجہ وہ منی بتائی جاتی ہے۔ جو اس کے منہ یا آنکھوں سے نکلتی ہے۔ منی کے ہی دو ساتھی یعنی ودی اور مذی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ اگر ٹخنوں تک بہہ جائیں۔ تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ اس سے وضو نہیں جاتا۔ کیونکہ وہ تھوک کے حکم میں ہے۔ ایک راستہ سے تھوک اور دوسرے سوراخ سے ودی اور مذی نکلتے ہیں۔ جب تھوک سے نہ نماز ٹوٹے اور نہ وضو میں کوئی خرابی آئے تو پھر اسی کے دو ساتھی ودی اور مذی سے بھی یہی حکم ثابت ہو گا

بہر حال اہل تشیع یہ کہتے ہیں۔ کہ مردے کے منہ یا آنکھ سے منی نکلتی ہے۔ خدا لگتی کہیے کیا یہ دونوں عضو منی نکلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ اللہ رب العزت نے مرد کا آلۂ تناسل اور عورت کی شرمگاہ اس کے نکلنے کی جگہ بنائی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عادی راستہ کے بغیر کسی اور راستہ سے منی کا نکلنا متحقق کر دے یہ اس کی قدرت میں داخل ہے۔ لیکن اس کا عملی اور باقاعدہ نمونہ مرنے والے شیعہ ہی کی صورت میں نظر آ سکتا ہے۔ اور ہونا بھی یوں ہی چاہیئے۔ کیونکہ زبان سے اللہ تعالیٰ اس کے رسول، اور حضرات صحابہ کرام کی شان میں نازیبا الفاظ کہے گئے۔ بوقت مرگ اُن میں منی ایسی گندی چیز ہی رکھنی مناسب تھی۔ اس طرح اہل تشیع اقراری ہیں کہ ان کے ہر فرد کے مرتے وقت اُس کے منہ اور اس کی آنکھوں کو پلید کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس پلیدی سے تمام جسم انتہائی شدید قسم کا نجس ہو جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی اُسے چھو بھی جائے۔ تو وہ بھی پلید ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سزا ان کی زبانی ان کو مرتے وقت دی۔ اور کمال ذہانت (یا نادانی) سے ان لوگوں نے اس کی نسبت حضرات ائمہ اہل بیت کی طرف کر دی ہے۔ وہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر اور اپنے پیارے بندوں کی صفت و ثنا کے لیے پیدا کی تھی۔ اور جس پر بوقتِ انتقال اگر کلمہ چڑھ جائے۔ تو بخشش کی علامت ہے۔ اسی زبان کو منی سے گندا کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ غضبِ الٰہی نہیں ہے؟ کیا یہ اس کی ناراضگی کی علامت نہیں؟ کیا یہ دوزخی ہونے کی ابتداء نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کفنِ میت:

میت کے کفن کے بارے میں اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ کہ یہ سفید ہونا چاہیئے۔ اس سے قبل آپ یہ پڑھ چکے ہیں۔ کہ ان کے نزدیک سیاہ کپڑے پہننا

ان کا مذہبی شعار بن چکا ہے۔ حالانکہ اس سے انہیں اجتناب کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان کے ائمہ نے اسے فرعون کا لباس، اپنے دشمنوں کا لباس اور اس سے بڑھ کر جہنمیوں کا لباس قرار دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شیعہ کالا لباس پہننے کی طرح یہ بھی کہہ دے۔ کہ ہمارے ہاں کالا لباس پہننا چونکہ ائمہ اہل بیت سے محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ اسی طرح ہم اپنے مُردے کو بھی اسی رنگ کا کفن پہنانا پسند کریں گے۔ اور ہماری یہ تمنا ہو گی۔ کہ کل قیامت کو اپنے ائمہ کے سامنے ہم اسی لباس میں پیش ہوں۔ اور یہ بھی ساتھ ہی کہہ دے۔ کہ سفید کپڑوں میں کفن دینا اہل سنت کا معمول ہے۔ ہمارا نہیں۔ تو ہم اس بارے میں دو چار حوالہ جات ان کی کتب سے پیش کر دیتے ہیں۔ جن میں مُردے کو ان کے مذہب میں بھی سفید کفن پہنانا مذکور ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنِ ابْنِ الْقَدَّاحِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْبِسُوا الْبَیَاضَ فَاِنَّهٗ اَطْیَبُ وَاَطْهَرُ وَکَفِّنُوْا فِیْهِ مَوْتَاکُمْ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۷۵۰ کتاب الطہارۃ)

ترجمہ:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ابن قداح روایت کرتا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سفید کپڑے پہنا کرو۔ کیونکہ اس رنگ کے کپڑے بڑے پاکیزہ اور ستھرے ہوتے

ہیں۔ اور اسی رنگ کے کپڑوں سے اپنے مُردوں کو کفن پہنایا کرو۔

وسائل الشیعہ

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنْ لِبَاسِکُمْ شَیْئٌ اَحْسَنَ مِنَ الْبَیَاضِ فَالْبِسُوْہُ وَکَفِّنُوْا فِیْہِ مَوْتَاکُمْ

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۵۰،
کتاب الطہارت)

ترجمہ:

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے لباس میں سے سفید لباس سے بڑھ کر کوئی لباس خوبصورت اور اچھا نہیں ہے۔ زندگی میں یہی پہنا کرو۔ اور اسی رنگ کے کپڑے میں مُردوں کو کفن دیا کرو۔

وسائل الشیعہ

عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ الْمُخْتَارِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَا یُکَفَّنُ الْمَیِّتُ فِی السَّوَادِ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۵۱)

ترجمہ:

حسین بن مختار بیان کرتا ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میت کو ہرگز کالا کفن نہ پہناؤ۔

وسائل الشیعہ

عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ الْمُخْتَارِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلرَّجُلُ یُحْرِمُ فِیْ ثَوْبٍ اَسْوَدَ؟ قَالَ لَا یُحْرِمُ فِی الثَّوْبِ الْاَسْوَدِ وَلَا یُکَفَّنُ بِہٖ۔

وسائل الشیعہ جلد دوئم

ص ۵۱،

ترجمہ:

حسین بن مختار کہتا ہے۔کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔کیا آدمی سیاہ کپڑے کا احرام باندھ سکتا ہے؟ فرمانے لگے۔ کالے کپڑے میں وہ احرام نہ باندھے اور نہ ہی کالے کپڑے کا اُسے کفن پہنایا جائے۔

لمحہ فکریہ:

کفنِ میت کے متعلق باب الجنائز سے مذکورہ احادیث بمعہ ترجمہ آپ حضرات نے ملاحظہ کیں۔ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم نے خداداد بصیرت سے یہ بھانپ لیا تھا۔کہ کچھ لوگ ہماری محبت کا دم بھرتے تھکیں گے نہیں۔لیکن زندگی بھر انہیں وہ لباس پسند رہے گا۔جو ہمارے دشمنوں کا، فرعون کا۔اور دوزخیوں کا تھا۔اس لیے انہوں نے صاف صاف فرما دیا۔کہ زندگی میں اگر کوئی لباس سب سے بہتر ہو سکتا ہے۔تو وہ سفید رنگ کا ہے۔اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت جس لباس میں لپیٹ کر اُسے الوداع کیا جا رہا ہے۔وہ بھی یہی

سفید رنگ کا لباس ہونا چاہیئے۔ اور جب دنیا میں سب سے بڑے اجتماع حج کے، دوران احرام باندھ کر جانا ہو۔ تو بھی اسی سفید لباس کا احرام ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے نام لیوا اور ہم سے محبت کرنے والے زندہ رہیں۔ تو اُن پر جہنمیوں کا لباس ہو۔ ہمارے دشمنوں کا لباس ہو۔ اور ہم یہ بھی نہیں پسند کرتے کہ میدانِ عرفات میں لاکھوں فرزندانِ توحید میں وہ سیاہ لباس پہن کر اپنے آپ کو امت مسلمہ سے الگ کریں۔ اور ہم یہ بھی تمنا رکھتے ہیں۔ کہ قبر میں ہمارا نام لیوا اُترے۔ اور حشر میں اُٹھے۔ تو اس پر وہ لباس ہو۔ جو ہمارا پسندیدہ ہے۔ کیونکہ سیاہ لباس ان لوگوں کا ہے۔ جو مردود بارگاہ الٰہی ہیں۔ جو جنت کی بو بھی نہ پائیں گے۔

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُوْلِي الْاَبْصَارِ۔

"فقہ جعفریہ" میں میت کو غسل دینے کا طریقہ۔

فروع کافی:

وَاغْسِلْهُ بِمَاءِ الْقَرَاحِ كَمَا غَسَلَهٗ فِي الْمَرَّتَيْنِ الْاُوْلَتَيْنِ ثُمَّ يُنَشِّفُهٗ بِثَوْبٍ طَاهِرٍ وَاعْمَدْ اِلٰى قُطْنٍ فَذَرْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ حُنُوْطٍ وَضَعْهُ عَلٰى فَرْجِهٖ قُبُلٍ وَ دُبُرٍ وَ احْشُ الْقُطْنَ فِيْ دُبُرِهٖ لِئَلَّا يَخْرُجَ مِنْهُ شَيْءٌ وَخُذْ خِرْقَةً طَوِيْلَةً عَرْضُهَا شِبْرٌ فَشُدَّ بِهَا حَقْوَيْهِ وَضُمَّ فَخِذَيْهِ ضَمًّا شَدِيْدًا وَلُفَّهَا فِيْ فَخِذَيْهِ ثُمَّ اَخْرِجْ رَاْسَهَا مِنْ

تَحْتَ رِجْلَيْهِ إِلَى جَانِبِ الْأَيْمَنِ وَاغْمِزْهَا فِي مَوْضِعِ الَّذِي تُعَتَّتُ فِيهِ الْخِرْقَةُ وَيَكُوْنُ الْخِرْقَةُ طَوِيلَةً وَتَلُفُّ فَخِذَيْهِ مِنْ حَقْوَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ لَفًّا شَدِيدًا۔

(۱۔ فروع کافی جلد سوم صفحہ نمبر ۱۴۲
کتاب الجنائز)

(۲۔ من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص۹۲
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

میت کو سادہ پانی سے غسل دو اسی طرح جس طرح پہلے دو بار دے چکے ہو۔ پھر کسی پاک کپڑے سے اس کا جسم خشک کر دو۔ پھر روئی لے کر اس میں تھوڑا سا کافور چھڑک لو۔ یہ روئی میت کی اگلی پچھلی شرم گاہ پر رکھو۔ اور پچھلی شرمگاہ (دُبر) میں روئی اندر تک دبا دو۔ تاکہ اندر سے کوئی چیز نہ نکلے۔ پھر ایک کپڑا جو بالشت بھر لمبا ہو وہ لے لو۔ اسے میت کے کولہوں پر باندھو۔ اور اس کے دونوں ران اچھی طرح آپس میں ملاؤ۔ اور دونوں کو بطور لنگوٹ کس کر باندھو۔ پھر اس کپڑے کا سرا پاؤں سے نکالو۔ اور دائیں طرف لے جاؤ۔ اور لنگوٹ کی طرف باندھو۔ یہ کپڑا بہت لمبا ہونا چاہیے جو دونوں رانوں کولہوں اور گھٹنوں کو اچھی طرح لپیٹ دے۔

تحفۃ العوام :

اگر خوف نکلنے خون یا نجاست کا ہو تو روئی فرج اور دُبر میں رکھیں اور ناک منہ میں بھی رکھ دیں۔

(تحفۃ العوام حصہ اول ص ۹۹، باب بیسواں بیان میں واجبات غسل وکفن وغیرہ)

بددیانتی پر مبنی ایک اعتراض

اہل سنت کے نزدیک میت کے کان اور ناک میں روئی رکھنا بہتر کہا گیا ہے۔ اس پر ایک شیعہ زبان دراز غلام حسین نجفی نے ہم پر کیچڑ اچھالنے کی گندی کوشش کی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان کا حوالہ دے کر لکھا ہے۔ کہ سنی لوگ اپنی میت کو گانڈ گز کرتے ہیں۔" حوالہ ملاحظہ ہو سنی فقہ میں ہے کہ آدمی جب مر جائے تو کچھ مقدار روئی اس کے مقام پاخانہ میں ٹھونس دی جائے۔

(فتاویٰ قاضی خان باب غسل میت جلد ۱ ص ۹)

نوٹ

معلوم ہوا کہ حنفی لوگ اپنی میت کو گانڈ گز کرتے ہیں۔ اور پھر چونکہ پاخانہ

کا مقام کھل جاتا ہے۔ پھر اس میں روئی بھر دیتے ہیں۔ حنفی لوگ بے شرم استنے ہیں۔ کہ اپنی میت کا گز خود کرتے ہیں۔ اور الزام بچارے شیعوں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔

(حقیقت فقہ حنفیہ مصنفہ غلام حسین نجفی ص ۸۱)

جواب:

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے۔ کہ میت کی دُبر میں روئی رکھنا فقہ حنفی میں جائز نہیں بلکہ قبیح ہے۔ ہاں فقہ جعفریہ میں اُس کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ فروع کافی وغیرہ کے حوالہ جات سے ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس لیے گانڈ گز ان کے سر تھوپا نہیں گیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے امام سے لیا ہے دوسری بات یہ ہے۔ کہ فتاوٰی قاضی خان کی مذکورہ عبارت میں نجفی نے بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اس کی تفصیل فقہ جعفریہ جلد دوم پر ملاحظہ ہو سکتی ہے۔ لیکن بطور اختصار کتاب الجنائز کی مناسبت سے فتاوٰی کی اصل عبارت ہم درج کر دیتے ہیں۔ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے۔

فتاوٰی قاضی خان:

وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَّهٗ یُجْعَلُ الْقُطْنُ الْمَحْلُوْجُ فِیْ مَنْخَرَیْهِ وَفَمِهٖ وَبَعْضُهُمْ قَالُوْا یُجْعَلُ فِیْ صِمَاخِ اُذُنَیْهِ اَیْضًا وَقَالَ بَعْضُهُمْ یُجْعَلُ فِیْ دُبُرِهٖ اَیْضًا وَهُوَ قَبِیْحٌ۔

(فتاوٰی قاضی خان جلد اول ص ۱۷۲ برحاشیہ عالمگیری مطبوعہ مصر)

ترجمہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ کہ صاف روئی میت کے نتھنوں اور منہ میں رکھی جائے گی۔ بعض علماء نے کہا کہ میت کے کانوں کے سوراخ میں بھی رکھی جائے گی۔ اور بعض نے کہا کہ میت کی دُبر میں بھی رکھی جائے گی۔ لیکن یہ بہت بُرا ہے۔

لمحۂ فکریہ

فتاوٰی قاضی خاں کی عبارت کے ملاحظہ کرنے کے بعد وہ مسئلہ جو نجفی نے بطور اعتراض بیان کیا تھا۔ اس کی حقیقت آپ پر آشکارا ہو گئی۔ یعنی فقہ حنفیہ کے تینوں چاروں مشہور ائمہ میں سے کسی کا وہ قول نہیں۔ اسی لیے وہ "قال بعضھم" کے الفاظ سے علامہ قاضی خان نے اسے ذکر کیا۔ اور پھر اس مجہول قائل کے قول کے بعد اسے واضح طور پر "وقبیح" بھی لکھ دیا۔ لیکن اندھے نجفی کو یہ نظر نہ آیا کہ اس کے برعکس فروع کافی میں امام جعفر صادق کا قول بلکہ حدیث "و احش القطن فی دبرہ" کے الفاظ بتاتے ہیں۔ کہ شیعہ مردہ کی دُبر میں روئی زور سے اندر کرا دو "حکم امام معصوم" ہے۔ بلکہ بحوالہ تحفۃ العوام عورت کی شرمگاہ میں بھی اسی طرح کرنے کا "حکم امام" مذکور ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ ان سوراخوں سے کچھ نکلنے نہ پائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک لمبا چوڑا کپڑا کہ جس طرح اس مرے ہوئے کے گھٹنے، ران اور کولہے جکڑنے کا حکم ہے۔ وہ یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ ایک گائے ہے جو دودھ دینے سے بھاگتی ہے اور اس کا مالک اس کی ٹانگیں باندھ کر دودھ نکالتا [illegible] کی اس شیعہ مُردے کے ساتھ سب کچھ کیا [illegible]

کتب میں اُن لکڑیوں کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ جو ان کے ہاں میت کے کفن میں، میت کے ساتھ رکھی جاتی ہیں۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ رہی سہی کسر قبر میں فرشتے نکالیں گے۔ یعین ممکن ہے۔ کہ لوگوں میں جو یہ مشہور ہے۔ اور جس کا نجفی نے ذکر بھی کیا ہے کہ شیعہ اپنے مُردے کے ساتھ گانڈ گزر کرتے ہیں۔ انہی لکڑیوں سے یہ بات نکالی گئی ہو۔ یہ تھا ان کا اپنی میت کو غسل وکفن دینے کا انوکھا طریقہ۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

"میت" اکیلی ہو تو اس سے شیطان کھیلتا ہے

من لایحضرہ الفقیہ

وَقَالَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامِ لَا تَدَعَنَّ مَيِّتَكَ وَحْدَهُ فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَعْبَثُ بِهٖ فِيْ جَوْفِهٖ۔

(من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص ۸۶
باب فی غسل المیت)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ابو حنیفہ روایت کرتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کوئی مرنے والا جب مر جاتا ہے اور اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو شیطان اس کے پیٹ کے ساتھ کھیلتا ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ اَبِیْ خَدِیْجَۃَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَیْسَ مِنْ مَیِّتٍ یَمُوْتُ وَیُتْرَكُ وَحْدَہٗ اِلَّا لَعِبَ الشَّیْطَانُ فِیْ جَوْفِہٖ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم صفحہ نمبر ۶۷۱
باب کراھتہ ترك المیت
وحدہ)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ابو خدیجہ روایت کرتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کوئی مرنے والا جب مر جاتا ہے اور اس کو اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو اس کے پیٹ کے اندر گھس کر شیطان کھیلتا ہے۔

لمحہ فکریہ:

"دیا رو وہ جو سر چڑھ کر بولے"، شیعہ مرا ہو اور اس کی میت لوگوں کے درمیان ہو۔ تو پھر شیطان انتظار میں ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ اس سے ادھر اُدھر ہوں۔ اور میں اس کے پیٹ کے غار میں آنکھ مچولی کھیلوں۔ اُدھر سے آؤں اور ادھر سے نکلوں۔ حالانکہ نیک آدمی جس کا آخری سانس ایمان پر نکلتا ہے۔ شیطان کا اس کے ساتھ کیا کام؟ بوقت نزع اس کی کوشش ہوتی ہے

کہ ان کا آخری وقت میں اس کا ایمان چھین لیا جائے۔ اور یہ بھی عام آدمیوں کا حال ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے خاص اور مخلص ہوتے ہیں۔ نہ زندگی میں اور نہ ہی بوقت نزع شیطان ان کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ قرآن کریم گواہ ہے۔ شیطان نے کہا۔

لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ

ترجمہ:

میں ان تمام لوگوں کو ماسوائے تیرے مخلص بندوں کے بھٹکا کر لے جاؤنگا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر عرش اعظم کو جنبش آگئی تھی۔ اب اکیلا ہو یا لوگوں کے درمیان اس کی نعش پڑی ہو۔ شیطان کا اس سے کیا تعلق؟ لیکن جب مُردہ شیعہ ہو۔ تو ان کے امام کے فرمانے کے مطابق وہ اکیلا چھوڑ دیا گیا۔ تو شیطان آدھمکے گا۔ اور اس کے اندر باہر جھانکے گا۔ اور یہ دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔ کہ یہ بھی میری طرح نجس اور گندا ہے۔

ع

کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز!!

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

وسائل الشیعہ

عَنْ يُونُسَ ابْنِ يَعْقُوبَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْجَنَازَةِ اُصَلِّيْ عَلَيْهَا
عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَقَالَ نَعَمْ اِنَّمَا هُوَ
تَكْبِيْرٌ وَّ تَسْبِيْحٌ وَتَحْمِيْدٌ وَتَهْلِيْلٌ كَمَا تُكَبِّرُ
وَتُسَبِّحُ فِيْ بَيْتِكَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم صفحہ نمبر ۷۹۹
کتاب الطہارت۔ صلوٰۃ الجنازہ)

ترجمہ:

یونس ابن یعقوب نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا میں
نماز جنازہ بغیر وضو پڑھ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ تو تکبیر، تسبیح،
تحمید اور تہلیل کا نام ہے۔ جس طرح تو گھر میں بغیر وضو تکبیر و تسبیح
کر سکتا ہے۔ یہاں بھی درست ہے۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ سَاَلْتُہٗ عَنِ الْحَائِضِ تُصَلِّیْ عَلَی الْجَنَازَۃِ؟ فَقَالَ نَعَمْ وَلَا تَقِفُ مَعَہُمْ وَالْجُنُبُ یُصَلِّیْ عَلَی الْجَنَازَۃِ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ کتاب الطہارت، ص ۸۰۰ باب جواز ان تصلی الحائض الخ
(۲۔ تہذیب الاحکام جلد سوم ص ۲۰۴ باب الزیادات)

ترجمہ:

ایک شخص بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا حیض والی عورت نماز جنازہ پڑھ سکتی ہے؟ فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہے۔ اور اسے مردوں کے ساتھ کھڑا نہیں ہونا چاہیئے۔ اور جنبی بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

☆

الفقہ علی المذاہب الخمسہ

وَاشْتَرَطَ الْاَرْبَعَةُ لِصِحَّةِ الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ الطَّهَارَةَ وَسَتْرَ الْعَوْرَةِ تَمَامًا كَمَا فِي الصَّلٰوةِ الْمَفْرُوْضَةِ وَقَالَ الْاِمَامِيَّةُ لَيْسَتِ الطَّهَارَةُ وَلَا سَتْرُ الْعَوْرَةِ بِشَرْطٍ لِلصِّحَّةِ وَلٰكِنَّهُمَا مُسْتَحَبَّتَانِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ صَلٰوةً فِي حَقِيْقَتِهَا وَاِنَّمَا هِيَ دُعَاءٌ۔

(۱ـ الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص ۶۳ باب کیفیت الصلوٰۃ)

(۲ـ تحریر الوسیلہ جلد ۱ ص ۸۰ فی شرائط الصلوٰۃ علی المیت۔)

(۳ـ وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۸۰۰ کتاب الطہارۃ الخ)

ترجمہ:

ائمہ اربعہ نے نماز جنازہ کی صحت کے لیے طہارت اور ستر عورت
دونوں شرائط قرار دی ہیں۔ جس طرح یہ دونوں مکمل طور پر
نماز فرضی کے لیے شرطیں ہیں۔ اور فقہ جعفریہ کے پیرو کہتے ہیں۔ کہ
نماز جنازہ کی صحت کے لیے نہ طہارت اور نہ ہی ستر عورت
شرط ہے۔ ہاں یہ دونوں مستحب ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ درحقیقت
نماز نہیں بلکہ دعاء ہے۔ (اور دعاء کے لیے طہارت اور ستر عورت
شرط نہیں ہوتی)

لمحہ فکریہ

ستر عورت سے متعلق آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ اہل تشیع
کے ہاں دو ہی چیزیں ستر کے قابل ہیں۔ ایک قبل خواہ مرد کی ہو یا عورت کی
اور دوسری دُبر۔ اور ان میں سے دُبر تو خود دونوں چوتڑوں کے پردہ میں
ہو گئی۔ رہ گئی قبل تو اس پر ہاتھ رکھ لیا جائے یا چونا لگا لیا جائے۔ تو یہ پردہ
مکمل ہو گیا۔ اب رعایت یہ کہ نماز جنازہ کے لیے اس کی بھی ضرورت نہیں
صرف مستحب ہے پردہ کرو تو اچھا نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ کاش
اپنے امام کی اس تعلیم پر عمل بھی کیا ہوتا۔ اور کوئی علامہ، مجتہد، حجۃ الاسلام اور
آیت اللہ اس طرح جنازہ پڑھاتا۔ اور خلق خدا بھی اس کی اقتدا میں میت
کی بخشش کے لیے دعا مانگنے کے لیے قبلہ رُخ کھڑی ہوتی۔ تو بجائے میت
کی بخشش کے امام صاحب کو دیکھتے اور لاحول و لا قوۃ پڑھتے۔ اور مفت
میں وہ فلم دیکھتے جو کسی سینما میں بھی دیکھنی شاید ناممکن ہوتی۔ ایک طرف یہ

رعایت کر طہارت اور ستر عورت کے بغیر بھی نماز صحیح ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ جنبی تک غسل جنابت کیے بغیر جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ حالانکہ جنبی کے متعلق حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائی اور ان "علی کے شیدائیوں"، کو اس کا پاس و لحاظ بھی نہ رہا۔ صاحب قرب الاسناد اس روایت کو ان الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

قرب الاسناد:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اِذَا احْتُضِرَ الْمَيِّتُ فَمَا كَانَ مِنِ امْرَاَةٍ حَائِضٍ اَوْ جُنُبٍ ------
عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا تَشْهَدُ جَنَازَةَ الْكَافِرِ وَلَا الْجُنُبِ، اِلَّا جُنُبًا يَتَوَضَّأُ۔

(قرب الاسناد جلد دوم ص ۲۰۴)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب کسی کے مرنے کا وقت آ جائے تو اس کے پاس نہ حیض والی کوئی عورت ہو اور نہ ہی جنبی۔ حضرت علی المرتضےٰ ہی فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کافر کے جنازہ اور جنبی کے پاس فرشتے نہیں آتے۔ ہاں اگر جنبی نے وضو کر لیا ہو (تو پھر ان کا آنا ہو سکتا ہے)۔

توضیح

وسائل الشیعہ کے گذشتہ ایک حوالہ سے حیض والی عورت کے نماز جنازہ ادا کرنے کی امام جعفر سے آپ منقول اجازت پڑھ چکے ہیں۔ اور اُسی میں جنبی کے لیے بھی اجازت تھی۔ اور اب قرب الاسناد کے مطابق جہاں کوئی مر رہا ہو وہاں ان دونوں کی موجودگی رحمت کے فرشتوں کی دوری کی وجہ بن جاتی ہے۔ اب جب کسی شیعہ کی نماز جنازہ میں بحکم امام کوئی جنبی یا کوئی حیض والی عورت شامل ہو گی۔ (جو کہ جائز ہے) تو رحمت کے فرشتے اس میت کے قریب بھی نہ آئیں گے۔ پھر امام اور تمام نمازی جب ستر عورت سے بھی آزاد ہوں۔ تو ایسے میں ان فرشتوں کے آنے کا کونسا بہانہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے دوسرے ہی فرشتے آئیں گے۔ اور انہیں سبھی جانتے ہیں۔ کہ اُن کا آنا نیک شگون نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ ان امامی لوگوں کو اللہ کی رحمت کی نہ ضرورت ہے۔ اور نہ ان کے مقدر میں ہے۔ اس مقام پر یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ قرب الاسناد میں جنبی کے نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حوالہ ہم نے صرف اس بات پر پیش کیا ہے۔ کہ جنبی کے نزدیک فرشتے نہیں آتے۔ رہا یہ کہ جنبی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ تو اس کے لیے وسائل الشیعہ کا حوالہ ابھی گزرا ہے جس میں امام جعفر نے جنبی اور حیض والی عورت دونوں کا نماز جنازہ ادا کرنا درست قرار دیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

"سنی" کی نماز جنازہ اول تو پڑھی ہی نہ جائے اور
اگر بامر مجبوری پڑھنی پڑے۔ تو دعائے مغفرت کی
بجائے لعنت کرنی چاہیئے۔

تحریر الوسیلہ

يَجِبُ الصَّلٰوةُ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَإِنْ كَانَ مُخَالِفًا لِلْحَقِّ عَلَى الْاَصَحِّ وَلَا يَجُوْزُ عَلَى الْكَافِرِ بِاَقْسَامِهٖ حَتَّى الْمُرْتَدِّ وَمَنْ حُكِمَ بِكُفْرِهٖ مِمَّنْ اِنْتَحَلَ بِالْاِسْلَامِ كَالنَّوَاصِبِ وَالْخَوَارِجِ۔

(تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۷۷،
فی الصلوٰۃ علی المیت)

ترجمہ:

صحیح ترین مسلک یہی ہے۔ کہ ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔ اگرچہ وہ حق کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اور کافر کی تمام اقسام پر نماز جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔ حتیٰ کہ مرتد کی بھی۔ اور ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب

کرتے ہیں۔ لیکن ان پر کفر کا حکم لگا ہوا ہو۔ جیسا کہ نواصب (اہلسنت) اور خارجی لوگ۔

فروع کافی

عَنْ عَامِرِ بْنِ السَّمْطِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ مَاتَ فَخَرَجَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمَا یَمْشِیْ مَعَهٗ فَلَقِیَهٗ مَوْلًی لَهٗ فَقَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَیْنَ تَذْهَبُ یَا فُلَانُ؟ قَالَ فَقَالَ لَهٗ مَوْلَاهُ، اَفِرُّ مِنْ جَنَازَةِ هٰذَا الْمُنَافِقِ اَنْ اُصَلِّیَ عَلَیْهَا فَقَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اُنْظُرْ اَنْ تَقُوْمَ عَلٰی یَمِیْنِیْ فَمَا تَسْمَعُنِیْ اَقُوْلُ فَقُلْ مِثْلَهٗ فَلَمَّا اَنْ کَبَّرَ عَلَیْهِ وَلِیُّهٗ قَالَ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا عَبْدَكَ اَلْفَ لَعْنَةٍ مُؤْتَلِفَةٍ غَیْرِ مُخْتَلِفَةٍ اَللّٰهُمَّ اَخْزِ عَبْدَكَ فِیْ عِبَادِكَ وَبِلَادِكَ وَاَصْلِهٖ حَرَّ نَارِكَ وَاَذِقْهُ اَشَدَّ عَذَابِكَ۔

(فروع کافی جلد سوم ص ۱۸۹ کتاب الجنائز
باب الصلوٰۃ علی الناصب)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے عامر بن سمط بیان کرتا ہے کہ ایک منافق مر گیا۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اس کا جنازہ پڑھنے

کے لیے اس کی میت کے ساتھ ہو لیے۔ راستہ میں آپ کی اپنے آزاد کردہ غلام سے ملاقات ہوئی۔ امام نے پوچھا۔ بھائی کدھر جا رہے ہو؟ کہنے لگا۔ میں اس منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھاگ رہا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا۔ دیکھو! میری دائیں طرف نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہو جانا۔ اور مجھے کہتے ہوئے سنو وہی کہہ دینا پھر جب میت کے ولی نے نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا۔ اور پھر یہ الفاظ کہے۔ "اے اللہ! اپنے اس بندے پر ہزار لعنتیں بھیج۔ اور وہ بھی اس طرح کہ لگاتار ہوں۔ اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ اے اللہ! اپنے بندوں میں اسے ذلیل و رسوا کر۔ اور اپنے شہروں میں اسے بے آبرو کر۔ اپنی آگ میں اسے جھونک اور اپنا شدید ترین عذاب اسے چکھا۔"

لمحہ فکریہ

قارئین کرام! شاید آپ مذکورہ دونوں حوالہ جات پڑھ کر یہ سوچتے ہوں گے۔ کہ ان میں "سنی" یا "اہل سنت" کے نام کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ ناصبی اور خارجی لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس سے یہ تاثر دینا کہ شیعہ لوگ "اہل سنت" میں سے کسی مردے کے جنازے میں امام حسین کی تعلیم کے مطابق لعن طعن کرتے ہیں۔ درست نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بات ہم واضح کر دیتے ہیں۔ کہ ناصبی اور خارجی ان شیعوں کے نزدیک ایک مسلک کے ہی دو نام نہیں ہیں۔ بلکہ خارجی اور ہیں اور ناصبی اور۔ ان کے مابین فرق کے بہت سے دلائل ہیں۔ سر دست دونوں حوالہ جات کے الفاظ اور ترکیب پر ذرا غور کریں۔ تو معلوم

ہو گا۔ کہ ہم درست کہہ رہے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ناصبی کا ذکر کرنے کے بعد واؤ عاطفہ کے ذریعہ خارجی کا اس پر عطف ڈالا گیا۔ اور ایسا عطف یہ ثابت کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شیعہ یہ کہے۔ کہ ان حوالہ جات میں ناصبی اور خارجی کے جنازے میں لعنت کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ ایک ہی فرقہ و مسلک کے دو نام ہیں۔ تو یہ کہنا اُن کا دھوکہ دینا ہے۔ اور یہ ایک ہونے کی بات کرنا در اصل اِن کا تقیہ ہے۔ اس کی تفصیل اور دلائل دوسری جگہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بہرحال "ناصبی" کا لفظ ان کے ہاں اہل سنت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے اہل تشیع حضرات صحابہ کرام کو ناصبی کہتے ہیں۔ ان کے ماننے والوں کو ناصبی کہتے ہیں۔ اور ناصبی کے ساتھ ساتھ منافق کہہ کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ اور پھر کافر سمجھ کر ان سنیوں کی نماز جنازہ میں وہی کچھ کرنے اور پڑھنے کا شوق سے فتویٰ دیتے ہیں۔ جو امام حسین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نقل کیا ہے۔

لیکن یاد رہے۔ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات ان باتوں کے کرنے اور کہنے سے بالکل پاک ہے۔ آپ خود غور کریں۔ کہ ایک غلام اتنی جرأت کر رہا ہے۔ کہ وہ کھلم کھلا میت کو منافق کہہ کر اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی بات کر رہا ہے۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اُس سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی جگہ لعن طعن کر رہے ہیں۔ آخر یہ کیوں؟ شیعہ لوگ اس کے جواز کا یہی بہانہ تراشیں گے۔ کہ آپ نے بطور تقیہ اس کے جنازے میں شرکت کی۔ سو اس بارے میں ہم کہتے ہیں۔ کہ تقیہ کا ہتھیار اہل تشیع اس وقت استعمال کرتے ہیں۔ جب حق و سچ کہنے یا کرنے سے نقصان کا خطرہ ہو۔ چلو ہم بالفرض مان لیتے ہیں۔ کہ اس منافق کے جنازے میں شرکت

نہ کرنے سے شاید امام حسین کو نقصان کا خطرہ ہو گا۔ لیکن جہاں نقصان اور خطرہ درحقیقت موجود تھا یعنی میدانِ کربلا میں جب مدمقابل مرنے مارنے پر تُلے بیٹھے تھے۔ اور پھر یہ سلسلہ شروع بھی ہو گیا تو اس خطرناک اور دردبھرے وقت میں اگر آپ چند لمحات کے لیے بطور تقیہ کہہ دیتے۔ کہ اسے ابن زیاد! مجھے یزید کی بیعت منظور ہے۔ تو سب کچھ بچ جاتا۔ بلکہ انعام و کرام سے نوازے جاتے۔ لیکن دنیا جانتی ہے۔ کہ آپ نے اپنے عزیز و اقارب اور خود اپنی شہادت قبول کر لی۔ لیکن بطور تقیہ بہ کہنا گوارا نہ کیا۔ جب میدان کربلا میں آپ حق و صداقت پر ڈٹے رہے۔ تو اس منافق کے جنازے میں بطور تقیہ شریک کیوں ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام عالی مقام نے نہ ایسا کیا۔ اور نہ ہی آپ کے شایانِ شان تھا۔ یہ سب کچھ ان "بنا وٹی محبوں" نے گھڑا ہے۔ اسی لیے حضرات ائمہ اہلبیت نے اپنی احادیث پر اندھے بن کر عمل کرنے سے منع فرمایا۔ انہیں معلوم تھا۔ کہ گندی فطرت والوں نے ان کے اقوال و احوال میں بہت زیادہ ملاوٹ کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل بیت کی گستاخی سے محفوظ فرمائے۔ اور ان کی سچی پکی محبت عطا فرمائے آمین۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

المبسوط:

اِذَا اخْتَلَطَ قَتْلَى الْمُسْلِمِيْنَ بِالْمُشْرِكِيْنَ رُوِيَ اَنَّ اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يُنْظَرُ مُؤْتَزَرُهُمْ فَمَنْ كَانَ صَغِيْرُ الذَّكَرِ يُدْفَنُ فَعَلٰى هٰذَا يُصَلّٰى عَلٰى مَنْ هٰذِهٖ صِفَتُهٗ۔

(المبسوط جلد اول ص ۱۸۲ کتاب الصلوٰۃ
فی احکام الجنائز)

ترجمہ:

جب مسلمانوں اور مشرکین کی میتوں کے درمیان خلط ملط ہو جائے۔ اس بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے درمیان امتیاز کے لیے ایک روایت بیان کی گئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ان میتوں کے ازار بند کھول کر شرمگاہ دیکھی جائے۔

پھر جب مُردے کا آلۂ تناسل چھوٹا ہو۔ اس کو دفن کیا جائے۔ اس روایت کے پیش نظر اس میت کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ جس کا آلۂ تناسل چھوٹا ہو گا (یعنی آلۂ تناسل کا چھوٹا ہونا مسلمان ہونے کی علامت ہے۔)

لمحہ فکریہ:

مسلمان اور مشرک کی میت کے پہچاننے کا انوکھا طریقہ ذکر کیا گیا۔ یہ طریقہ نہ قرآن کریم نہ احادیث مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی حضرات ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فرمان سے ثابت ہے۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی طرف خواہ مخواہ اس لغو روایت کی نسبت کر دی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ "باب العلم" کے لقب سے نوازے گئے۔ اور در باب العلم" کے لقب والا ایسی بات کہے۔ جو عقل و نقل کے خلاف ہو؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر یوں کہا جاتا کہ ان کی شناخت اور امتیاز اس طرح ممکن ہے کہ دیکھا جائے۔ کہ کس کا ختنہ ہوا اور کون بغیر ختنہ کے ہے۔ یہ بات معقول تھی۔ لیکن محض آلۂ تناسل کے چھوٹا بڑا ہونے پر مسلمان و کافر کا امتیاز کرنا عجیب بے تکی بات ہے۔ اس امتیاز کی علت ہو سکتا ہے کوئی شیعہ مجتہد بیان کر سکے۔ لیکن عقل مند اس کی علت سمجھنے سے قاصر ہیں۔

عجیب منطق:

گزشتہ حوالہ جات میں ہم نے ان کی کتب سے ثابت کیا تھا۔ کہ میت کا غسل ان کے ہاں اس وجہ سے ہے۔ کہ بوقت مرگ اس کے منہ یا آنکھ سے وہ منی خارج ہوتی ہے۔ جس سے اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ یعنی میت کو جنبی

ہونے کی بنا پر غسل دیا جاتا ہے۔ اگر یہی منطق مان لی جائے۔ تو شہید کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ آخر وہ بھی فوت ہوا۔ اس کو بھی دفن کیا گیا۔ لیکن اس کو غسل نہیں دیتے۔ حالانکہ اس سے بھی وہ منی نکلی جس سے وہ پیدا ہوا۔ اور جنبی چاہے عام آدمی ہو یا شہید جنبی حالت میں بغیر غسل دیئے دفن کر دیا گیا۔ اور اس کی نماز جنازہ ادا کر دی گئی۔ ادھر یہ کہتے ہیں۔ کہ جنبی کے نزدیک فرشتے نہیں آتے۔ ادھر اللہ تعالیٰ ان شہداء کو "اموات" کہنے سے بلکہ گمان کرنے سے منع کر رہا ہے۔ عجیب منطق ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے۔

آلۂ تناسل کے چھوٹا بڑا ہونے سے مسلمان اور کافر کے مابین امتیاز کی ایک وجہ یہ نظر آتی ہے۔ کہ جب اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ مرنے والے کے منہ یا اور جگہ سے منی خارج ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ اس منی کے نکلنے کے بعد آلۂ تناسل ڈھیلا پڑ جانے کی بنا پر سکڑا ہوا نظر آئے۔ اور جس کی نہ نکلی وہ تو مند اور پھولا پھلا ہونے کی وجہ سے بڑا نظر آئے۔ لیکن یہ فرق اس وقت ہوگا۔ جب یہ کہا جائے کہ مرنے والا اگر مسلمان ہے۔ تو اس کے منہ سے منی نکلتی ہے۔ اور اگر غیر مسلم ہو تو اس کے منہ وغیرہ سے نہیں نکلتی مگر یہ فرق اہل تشیع کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ "فقہ جعفریہ" تیری کیا ہی بات ہے کہ اپنے ماننے والوں کو کیا کیا حکمتیں عطا کیں۔

فقہ حنفیہ کی طرح فقہ جعفریہ بھی اس بات پر متفق ہے۔ کہ ہر دور میں میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار حاکم وقت ہے۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو شاید آپ حضرات اس موضوع کو خارج از بحث سمجھیں۔ کیونکہ ہمارے سامنے اس کتاب میں وہ موضوعات و مسائل ہیں۔ جو "فقہ جعفریہ" کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور وہ واقعۃً عجیب و غریب ہیں۔ جبکہ اس مسئلہ پر دونوں کا اتفاق ہے۔ تو پھر اسے ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم اس بارے میں اس امر کی وضاحت آخر میں کریں گے۔ کہ یہ موضوع کیوں لکھا گیا۔ پہلے ایک دو حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

المبسوط:

وَ اَوْلَی النَّاسِ بِالصَّلٰوۃِ عَلَی الْمَیِّتِ الْوَلِیُّ فَاِنْ حَضَرَ الْاِمَامُ الْعَادِلُ کَانَ اَوْلٰی بِالتَّقَدُّمِ وَ یَجِبُ عَلَی الْوَلِیِّ تَقْدِیْمُہٗ۔

(المبسوط جلد اول ص ۱۸۳ فی احکام الجنائز)

ترجمہ:

میت کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے سب سے اولیٰ اس کا ولی ہے۔ یا وہ جسے ولی آگے کر دے۔ اور اگر امام عادل موجود ہو۔ تو وہ سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اور ولی پر واجب ہے۔ کہ نماز پڑھانے کے لیے اُسے آگے کرے۔

فروع کافی

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِذَا حَضَرَ الْإِمَامُ الْجَنَازَةَ فَهُوَ أَحَقُّ النَّاسِ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا۔

(۱)۔ فروع کافی جلد سوم ص ۱۷۷ من اولی الناس بالصلوٰۃ علی المیت)

(۲)۔ وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۸۰۱ کتاب الطہارۃ ابواب الجنائز)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے طلحہ بن زید روایت کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب امام وقت نماز جنازہ میں حاضر ہو۔ تو موجود لوگوں سے نماز پڑھانے کا وہ سب سے زیادہ حق دار ہے۔

اعتراض

ان دو حوالہ جات میں سے المبسوط کے حوالہ میں یہ شرط ہے۔ کہ حاکم وقت "عادل"، ہو۔ تو اُسے حق تقدیم ہے۔ جب یہ شرط نہ پائی جائے۔ تو ایسے امام کو اولیت نہ ہو گی۔

جواب:

ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ المبسوط میں "عادل"، کی قید ہے۔ لیکن یہ قید شیعہ متاخرین کی وضع کردہ ہے۔ ائمہ اہل بیت کی روایاتِ قدیمہ میں اس قید کا کوئی ذکر نہیں۔ انہی دو حوالہ کی کتب میں سے قرب الاسناد کو دیکھئے۔ اپنے نام کے اعتبار سے یہ کتاب حضرات ائمہ اہل بیت سے بہت کم واسطوں سے روایت کرتی ہے۔ بلکہ اکثر روایات تو خود ائمہ حضرات سے مروی ہیں۔ اس میں اِس قید کا ذکر نہیں۔ اس لیے کوئی ایک مرفوع روایت آپ کو اس قید کے ساتھ نہ ملے گی۔ ایک واقعہ سے اس کی تائید بھی پیش کی جاتی ہے۔ جسے تقریباً شیعہ مسلک کی ہر کتاب نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

قرب الاسناد

مَنْ اَحَقُّ بِالصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ ، اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ

اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اِذَا حَضَرَ سُلْطَانٌ فَهُوَ اَحَقُّ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا۔ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُوْسٰى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْوَالِيْ اَحَقُّ بِالصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ مِنْ وَلِيِّهِمَا لَمَّا تُوُفِّيَتْ اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَرَجَ مَرْوَانُ بْنُ حَكَمٍ وَهُوَ اَمِيْرٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ لَوْلَا السُّنَّةُ مَا تَرَكْتُهٗ يُصَلِّيْ عَلَيْهَا۔

(قرب الاسناد جلد دوم ص ۲۰۹-۲۱۰
باب من احق بالصلوٰۃ علی المیت۔

ترجمہ:

میت کی نماز جنازہ پڑھانے کا کون زیادہ حق دار ہے۔

(بحذف الاسناد) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ جب حاکم وقت موجود ہو۔تو وہ نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے۔

(بحذف الاسناد) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حاکم وقت نماز جنازہ پڑھانے کا ولی میت سے زیادہ حق دار ہے۔

(بحذف الاسناد) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔جب حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم کا انتقال

ہوا۔ تو ان کی میت کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے اور لوگوں کے ساتھ مروان بن حکم بھی نکلا۔ مروان ان دنوں مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ (مروان نے ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ کی نماز جنازہ پڑھائی) پھر امام حسین بن علی نے کہا۔ اگر ایسا کرنا (سلطان کا نماز جنازہ پڑھانے میں اولی ہونا) سنت نہ ہوتا۔ تو میں مروان کو ام کلثوم کا جنازہ پڑھانے کے لیے آگے نہ بڑھنے دیتا۔

یہی مروان بن حکم جو مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ اہل تشیع اسے مسلمان تک نہیں کہتے۔ لیکن ائمہ اہل بیت میں سے تیسرے جلیل القدر امام جناب حسین رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اس نے ام کلثوم کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور امام حسین نے اس کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اور پھر ایسا کرنا سنت قرار دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ سنت کس کی تھی؟ یہ تو بالکل ظاہر ہے۔ کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کی موجودگی میں کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کی کیا مجال تھی۔ اور کوئی دوسرا آپ کے ہوتے ہوئے حاکم وقت بھی نہ تھا۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی نماز جنازہ آپ کے بعد امام بننے والا پڑھاتا۔ لیکن یہ بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ کی نماز جنازہ جیسے عام طور پر پڑھی جاتی ہے۔ ویسے نہیں پڑھی گئی۔ بلکہ ہر ایک صلوٰۃ وسلام پڑھ کر ایک طرف سے جاتا اور دوسری طرف سے نکل آتا تھا۔ اس لیے یا تو سنت علی المرتضیٰ ہو گی یا سنت امام حسن ہو گی۔ اب بالاختصار ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کی یہ سنت کیونکر بنی۔ سو اس کا معلوم ہونا یوں ہوا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا آپ غالباً سب سے پہلی شخصیت ہیں۔ جن کا اہل بیت میں سے انتقال ہوا۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پڑھوائی۔ جو اس وقت خلیفہ و امام تھے۔ طبقات ابن سعد کے حوالے سے یہ ثابت ہے۔ جو گزر چکا ہے۔ پھر اس کے بعد دوسرا موقعہ آتا ہے۔ جب امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کے نماز جنازہ کی امامت اس وقت کے حاکم سعید بن العاص نے کی۔ ان کو بھی امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہی الفاظ کہے تھے۔ جو آپ نے مروان بن حکم کو کہے تھے۔ اس سے واضح ہوا۔ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا "سنت" فرمانا یہ اپنے والد گرامی کی سنت مراد تھی۔

نوٹ:

ان حوالہ جات کی روشنی میں اہل تشیع کا وہ اعتراض از خود ہباءً منثوراً ہو گیا۔ جسے وہ بڑے بلند بانگ دعووں سے کرتے پھرتے ہیں ـــــ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آخری لمحات میں یہ وصیت کی تھی۔ کہ مرنے کی اطلاع نہ ابو بکر کو دی جائے اور نہ ہی عمر بن خطاب کو۔ آپ کی وصیت کے مطابق انہیں اطلاع نہیں دی گئی۔ اس لیے یہ دونوں ان کی نماز جنازہ میں حاضر بھی نہ ہو سکے۔ یہ اعتراض اس طرح اٹھ گیا کہ جب شیعہ فقہ یہ تسلیم کرتی ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کے فرمان کے مطابق حاکم وقت نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ اور آپ کا عمل یہ کہ وقت کے خلیفہ کو اطلاع ہی نہ دیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے؟ پھر یہ اس لیے بھی ناممکن نظر آتا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ اسماء بنت عمیس ہر وقت سیدہ فاطمۃ الزہرا

لی تیمارداری کے لیے ان کے پاس حاضر رہتیں۔ انتقال کے بعد غسل بھی انہوں نے دیا۔ تو یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے خاوند ابوبکر صدیق کو سیدہ خاتونِ جنت کے انتقال کی خبر نہ دی ہو اس کی تفصیل بحث تحفہ جعفریہ جلد دوم میں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ یہ تھیں وہ باتیں جس کی وجہ سے ہم نے جنازہ کی بحث میں اس موضوع کو لیا۔ مسلمان و امیر وقت کا سب سے زیادہ حق دار ہونا کتب شیعہ سے ثابت ہے اور یہ بھی کہ اس کا صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔ عادل ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کے ائمہ کے عمل سے ان کا عقیدہ کے مطابق ایسا حاکم بھی نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ جو ان کے نزدیک مسلمان نہ ہو۔ اب ہم کیا کہیں۔ ان کے امام تو ایسے حاکموں کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ اور یہ ان اماموں کو جو اماموں کے امام بنے۔ اسلام سے خارج کہتے پھریں۔

برایں عقل و دانش بباید گریست

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

"فقہ جعفریہ" میں یہ تحریر ہے۔ کہ اگر شیعہ مومن مرے تو اس کے لیے پانچ تکبیریں کہنا ضروری ہیں۔ ہاں اگر سنی منافق کی میت ہو۔ تو پانچ تکبیریں نہیں بلکہ چار تکبیریں ہوں گی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول سے یہ ثابت ہے۔

دلیل اوّل

فقہ امام جعفر صادق

وَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ عَلٰى قَوْمٍ خَمْسًا وَعَلٰى قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ اَرْبَعًا فَاِذَا كَبَّرَ عَلٰى رَجُلٍ اَرْبَعًا اتُّهِمَ بِالنِّفَاقِ۔

(فقہ امام جعفر صادق ص ۱۰۸ جلد اول، کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ:

اور کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک قوم کی نماز جنازہ میں

پانچ مرتبہ تکبیر کہتے تھے۔ اور دوسری قوم کے آدمیوں پر چار تکبیر کہا کرتے تھے سو جب کسی شخص کی نماز جنازہ میں آپ نے چار تکبیریں کہیں۔ تو وہ منافق کے طور پر بدنام ہو گیا۔

جواب دلیل:

مذکورہ روایت قرآن کریم کی واضح ہدایات کے بالکل برعکس اور سرکار دو عالم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ایک الزام ہے۔ کیونکہ انداز روایت بتاتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا دو قسم کے جنازے پڑھے۔ اُدھر قرآن کریم نے ارشاد فرمایا۔ لا تصل علی احد منھم مات ابدا۔ اے محبوب انور! ان منافقین میں سے اگر کوئی مر جائے۔ تو آئندہ کے لیے کبھی بھی اس کی نماز جنازہ نہ ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ اس ارشاد کے ذریعہ آپ کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے ابدی طور پر منع فرمائے۔ اور اہل تشیع یہ کہیں۔ کہ آپ نے بارہا منافق کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی پرواہ نہ تھی۔ اور اس کی واضح ہدایت کے ہوتے ہوئے آپ نے اس کی مخالفت کی۔ کیا کسی پیغمبر سے ایسا ہونا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔

البتہ کوئی شیعہ یوں کہہ سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرما دیا تھا۔ اور آپ نے جان بوجھ کر اس کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ آپ نے بطور تقیہ، ایسا کیا۔ لیکن اگر اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور مکمل دین پر سے اعتبار ختم ہو جائے گا یہی بات خود شیعہ بھی مانتے ہیں۔

تلخیص الشافی:

فَاَمَّا الرَّسُوْلُ فَاِنَّمَا لَمْ تَجُزِ التَّقِيَّةُ عَلَيْهِ لِاَنَّ الشَّرِيْعَةَ لَا تُعْرَفُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهٖ وَلَا يُوْصَلُ اِلَيْهَا اِلَّا بِقَوْلِهٖ فَمَتٰى جَازَتِ التَّقِيَّةُ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لَنَا اِلَى الْعِلْمِ بِمَا كُلِّفْنَاهُ طَرِيْقٌ۔

(تلخیص الشافی جلد سوم ص ۸۷ مطبوعہ دارالکتب اسلامیہ قم ایران)

ترجمہ:

بہر حال اللہ تعالیٰ کے رسول تو اُن پر تقیہ کرنے کا الزام قطعًا درست اور جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کی صرف اور صرف ان سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور ہم تک اُن کے قول کے بغیر اس کا پہنچنا محال ہے۔ لہٰذا جب ان کے بارے میں تقیہ کا جواز ثابت ہو تو پھر ہمیں احکام تکلیفیہ کا علم ناممکن ہو جائے گا۔

رسول کی ذات کے لیے تقیہ کا جواز دراصل شریعت کا سرے سے انکار ہے۔ گویا جس شخص کا یہ عقیدہ ہو۔ کہ معاذ اللہ پیغمبر نے بھی تقیہ کیا۔ وہ شریعت کا منکر اور مکذِب ہے۔ اس صراحت کے باوجود اہل تشیع پیغمبر پر تقیہ کے جواز کے ہی نہیں بلکہ تقیہ بالفعل کرنے کے معتقد ہیں۔ حوالہ اس کا دیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی چار تکبیر پڑھنے کی توجیہہ یہ کرے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور تقیہ نہیں بلکہ نماز سے پہلے یہ فرمادیا کرتے تھے۔ کہ میت منافق ہے۔ اس لیے تم سب میری اقتداء میں چار تکبیر یں کہنا۔ اس توجیہہ پر ایک اعتراض تو وہی کہ منافق کا علم ہوتے ہوئے آپ اس کا جنازہ

کیوں پڑھاتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے اس سے منع فرما دیا تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کو معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین نہ ہوتا۔ تو اس میت پر نفاق کی تہمت لگاتے اور وہ تہمت کبھی یقینی بات پر نہیں لگائی جاتی۔ اگر اس توجیہ کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو صحابہ کرام کو اس میت کے منافق ہونے کا یقین ہو جاتا اور اُسے یقیناً منافق کہتے۔ یہ نہیں کہ اس پر نفاق کی تہمت لگاتے۔ نبی کے قول اور فعل میں علماء تے فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ قول کی قوت فعل کی نسبت زیادہ ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ نبی کا فعل نبی کے ساتھ ہی مخصوص ہو۔ لیکن اُن کا قول اور حکم قیامت تک کے لوگوں کے لیے سبب ہدایت ہوتا ہے۔ یہاں نماز جنازہ میں اگر آپ نے فرما دیا تھا۔ کہ یہ منافق ہے۔ تو اس کی تقویت بہر حال نماز پڑھنے سے زیادہ ہوگی۔

تہذیب الاحکام

وَاَمَّا مَا يَتَضَمَّنُ مِنَ الْاَرْبَعِ تَكْبِيْرَاتٍ فَمَحْمُوْلٌ عَلَى التَّقِيَّةِ لِاَنَّهُ مَذْهَبُ الْمُخَالِفِيْنَ

(تہذیب الاحکام جلد سوم ص ۳۱۶، فی الصلوٰۃ علی الاموات)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہنا جن روایات میں ہے۔ یہ تقیہ پر محمول ہوگا۔ (یعنی آپ نے تقیہ کرتے ہوئے چار تکبیریں کہیں) کیونکہ یہ مذہب (چار تکبیریں کہنا) مخالفین کا ہے۔

مقام تعجب:

نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہنا "مخالفین" کا مذہب ہے۔ یہاں مخالفین سے مراد یا تو ان شیعوں کے مخالفین ہوں گے۔ جن کو اہل سنت کہا جاتا ہے۔ اور ان میں خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ کرام (ماسوا چند صحابہ کے کہ جن کو شیعہ بھی مسلمان کہتے ہیں۔) شامل ہوں گے۔ دیکھو نکتہ "ناصبی" کے ضمن میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہی لوگ ہیں) تو پھر مفہوم یہ ہوا۔ کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہنا چونکہ خلفائے ثلاثہ اور باقی تمام یا اکثر صحابہ کرام کا مذہب ہے۔ اس لیے ان کے مذہب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تقیہ عمل کیا۔ گویا یہ لوگ پیغمبر ہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متبع۔ یا یہ لوگ مضبوط تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہوتے ہوئے اپنی بات اور حکم الٰہی پر قائم رہنے میں جانی خطرہ محسوس کرتے تھے۔ لہٰذا آپ نے جان بچانے کے لیے تقیہ کیا۔ اور ان کے مطابق چار تکبیریں کہیں۔

اور اگر مخالفین سے مراد وہ اہل سنت ہیں۔ جو اہل تشیع کے وجود میں آنے کے وقت مخالف ہوئے۔ تو یہ تاریخی حقیقت ہے۔ کہ شیعیت کی بنیاد عبداللہ بن سبا یہودی نے رکھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس نے غلط عقائد گھڑے۔ جن کی بنا پر یہ اپنے انجام کو پہنچا۔ تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کے اس زمانے والے ان شیعوں کے مخالف ہوئے۔ یا اس سے ذرا آگے آ جائیں۔ کہ جب امام جعفر صادق اور امام محمد باقر کے اقوال و اعمال لے کر فقہ جعفریہ وجود میں آئی۔ اس وقت اور اس کے بعد کے زمانے کے لوگ ان شیعوں کے مخالف مراد ہیں۔ تو اس زمانے اور بعد والے لوگوں کے مذہب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے بہت پہلے بطور تقیہ عمل کیا؟ خدا عقل دے۔ اسے کیا کہیں گے۔؟
(فاعتبروا یا اولی الابصار)

دلیل دوم

وسائل الشیعہ:

عن محمد بن ابی عبد اللہ عن موسیٰ بن عمران عن عمہ الحسین بن یزید عن علی بن ابی حمزۃ عن ابی بصیر قال قلت لابی عبد اللہ عن علّۃ رشئی تکبّر علی المیّت خمس تکبیرات و یکبر مخالفونا باربع تکبیرات قال لان الدعائم التی بنی علیھا الاسلام خمسٌ۔ الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحجّ والولایۃ لنا اھل البیت فجعل اللہ للمیّت من کلّ دعامۃ تکبیرۃ و انکم اقررتم بالخمس کلّھا واقرّ مخالفوکم باربع وانکروا واحدۃ فمن ذالک یکبّرون علی موتاھم اربع تکبیرات وتکبّرون خمسًا۔

(۱) وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۷۷۵ کتاب الطہارۃ صلوٰۃ الجنازہ)

(۲) علل الشرائع باب ۲۴۴ ص ۳۰۳/العلۃ التی تکبر علی المیت الخ)

ترجمہ:

ابوبصیر کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ میت کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ ہمارے مخالفین چار تکبیریں کہتے ہیں۔ فرمانے لگے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ اسلام کے ستون جن پر اس کی عمارت کھڑی ہے پانچ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور ہم اہل بیت کی ولایت۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے میت کے لیے ہر ایک ستون کے مقابلہ میں ایک تکبیر رکھی ہے۔ اور تم (اے شیعو!) ان پانچوں کا اقرار کرتے ہو۔ اور تمہارے مخالف چار کا اقرار اور ایک کا انکار کرتے ہیں۔ اس بنا پر وہ (تمہارے مخالف) اپنے مُردوں کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں اور تم پانچ کہتے ہو۔

جواب دلیل:

اہل تشیع ہم احناف پر یہ اعتراض کرتے تھکتے نہیں۔ کہ ان کے مسائل کی بنیاد کسی نص پر نہیں ہوتی۔ بلکہ قیاس پر ہوتی ہے۔ اب خود ان کی پانچ تکبیروں کی دلیل ملاحظہ ہو وہ کس نص پر مبنی ہے؟ وہ بھی قیاس پر اور ایسے قیاس پر کہ جو کسی عقلمند کے ذہن میں نہیں آتا۔ پانچ بنائے اسلام کی بنا پر پانچ تکبیریں ہوئیں اور پانچویں بنا ولایت ائمہ اہل بیت قرار دی گئی۔ غور طلب بات یہ ہے۔ کہ اگر پانچویں بنا یہی ہے۔ تو کلمہ اسلام کدھر گیا۔ گویا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ائمہ کو ماننا کلمہ پڑھنے اور خدا و رسول پر ایمان لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کیسا ایمان و اسلام۔ بنیاد میں کلمہ کی بجائے ولایت ائمہ آ گئی۔ حالانکہ پانچ بنائے اسلام یہ ہیں۔ کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ انہی کے استدلال کی طرح یہ بھی

استدلال ہو سکتا تھا۔ کہ چار تکبیریں اس لیے ہیں۔ کہ چار خلیفہ ہوئے ہیں۔ یعنی پہلے آدم، دوسرے داؤد تیسرے ہارون اور چوتھے حضرت علی المرتضٰے۔ اور چار بنائے اسلام چار ہونے کی وجہ سے اور بارہ ائمہ کو ماننے پر ہر ایک امام کی ایک تکبیر کل سولہ تکبیریں ہوئیں۔ ایسے قیاسات تو بیسیوں بن سکتے ہیں۔ لیکن کوئی عقل سلیم ان کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو گی۔ ہم اہل سنت بھی تو پانچ بنائے اسلام مانتے ہیں۔ اگر ان کے بدلے میں ایک ایک تکبیر ہوتی۔ تو ہمارے ہاں بھی پانچ ہی تکبیریں ہوتیں۔ یہ الزام ہم پر سراسر غلط ہے۔ کہ ہم اسلام کی صرف چار بنائیں مانتے ہیں۔ جس پر ہم ولایت ائمہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ تو اس کے بدلے کلمہ اسلام کو ملا کر ہم پانچ ہی مانتے ہیں۔ جس طرح تم کلمہ اسلام کو چھوڑ اور ولایتِ ائمہ کو مان کر پانچ بنا رہے ہو۔ اگر تم بھی کلمہ اسلام کو اسلام کی بناؤں میں شامل کرو۔ تو پھر چھ بنائیں ہونے کی وجہ سے چھ تکبیریں ہونی چاہئیں تو معلوم ہوا۔ کہ یہ سب اٹکل پچو اور گپیں ہیں۔ کوئی وزنی باتیں نہیں۔

پانچ تکبیروں کی وجہ اور علت آپ نے ملاحظہ کی۔ اور یہ علت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اہل تشیع نے بیان کی ہے۔ اب امام موصوف کے والد گرامی کا ایک اور ارشاد بھی ملاحظہ ہو۔ جس میں تکبیروں کی کوئی مقررہ مقدار نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں تکبیرات کی تعداد معین نہیں ہے

تہذیب الاحکام:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ التَّكْبِيْرِ عَلَى الْجَنَازَةِ هَلْ فِيْهِ شَيْءٌ مُّوَقَّتٌ اَمْ لَا؟ فَقَالَ لَا كَبَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدَ عَشَرَ وَ تِسْعًا وَ سَبْعًا وَ خَمْسًا وَ سِتًّا وَ اَرْبَعًا۔

(تہذیب الاحکام جلد سوم ص ۳۱۶ فی الصلوٰۃ علی الاموات مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

جابر راوی نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ کیا نمازِ جنازہ کی تکبیروں کی تعداد ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ، نو، سات، پانچ، چھ اور چار تکبیریں کہیں۔

تبصرہ:

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ نمازِ جنازہ میں تکبیروں کی تعداد معین نہیں۔ چار سے لے کر گیارہ تک کا کہنا خود ان

کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس لیے ان میں سے کسی پر عمل کیا جائے۔ تو جائز ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ اہل تشیع کی کتب سے جو دو حوالہ جات پانچ تکبیروں کے معین ہونے پر ہم نے پیش کیے ہیں۔ وہ امام باقر کی تعلیمات وارشادات کے خلاف ہونے کی وجہ سے من گھڑت ہیں۔ اسی طرح اس روایت نے یہ بھی وضاحت کر دی۔ کہ چار تکبیروں کے منافق کی نماز جنازہ کے لیے ہونے اور پانچ تکبیروں کے وجوب کی وہ دلیل جو گزر چکی، غلط ہے علاوہ ازیں کتب شیعہ میں چار تکبیروں کو فقہاء کا مسلک کہا گیا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ چار تکبیروں کا تعلق میت کے منافق ہونے سے نہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

مسالك الافهام

وَيَجِبُ عِنْدَنَا فِيْهَا خَمْسُ تَكْبِيْرَاتٍ وَعِنْدَ الْفُقَهَاءِ اَرْبَعُ تَكْبِيْرَاتٍ۔

(مسالک الافہام جلد اول ص ۴۲ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ہم اہل تشیع کے نزدیک میت کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا واجب ہیں۔ اور فقہاء کے نزدیک چار واجب ہیں۔ انتہیٰ صاحب مسالک الافہام نے دبے لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے۔ کہ شیعہ فقہاء باہم مقابل ہیں۔ یعنی فقہاء کرام شیعہ نہیں اور شیعہ، فقیہہ نہیں۔ اور یہ بات یوں کہنا بھی درست ہوگی۔ کہ شیعہ جاہل (غیر فقیہہ) ہیں۔ اور ان جاہلوں کے نزدیک میت کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنی پڑتی ہیں۔ ایک طرف شیعہ اور فقہاء کا بالمقابل

اور دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان اہل تشیع کا قول کہ آپ کبھی چار اور کبھی پانچ تکبیریں پڑھتے تھے عجیب تماشہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کا کبھی چار اور کبھی پانچ تکبیریں کہنا

قرب الاسناد:

اخبرنا عبد اللہ بن محمد قال اخبرنا محمد بن محمد قال حدثنی موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا ابی عن ابیہ عن جدہ جعفر بن محمد عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ عَلِیًّا کَانَ یُکَبِّرُ عَلَی الْجَنَائِزِ خَمْسًا وَاَرْبَعًا۔

(قرب الاسناد جلد دوم ص ۲۰۹ باب التکبیرات علی الجنازۃ)

ترجمہ:

(بحذف الاسناد) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے دادا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنازہ پڑھتے وقت پانچ اور چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔

☆

لمحہ فکریہ:

قارئین کرام! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف کے متعلق آپ نے ملاحظہ کیا۔ کہ گیارہ تک اور کم از کم چار تک تکبیرات آپ نے نماز جنازہ میں کہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں ان تکبیرات کی ادائیگی فرمائی۔ لیکن آپ نے سب سے آخر میں جس تعداد کو امت کے لیے چھوڑا وہ چار تکبیریں تھیں اور وہ اس وقت جب حبشہ کا بادشاہ فوت ہوا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے چار تکبیریں کہی تھیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مختلف ہو۔ تو سب سے آخری فعل پر عمل ہوتا ہے۔ شاہ حبشہ کے اس جنازہ بعد آپ کا یہی معمول رہا ہے۔ اس لیے چار تکبیروں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل بڑی قوی دلیل ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اہل تشیع کے پاس پانچ تکبیروں کی کوئی قوی دلیل نہیں۔ بلکہ ان کی کتب تو کسی ایک بات پر متفق بھی نہیں۔ اس لیے اگر شیعہ یہ کہیں۔ کہ اہل سنت کے پاس چار تکبیروں کا کوئی ثبوت نہیں۔ تو ان کا یہ کہنا ہرگز تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اس ضمن میں ہم کچھ حوالہ جات درج کریں گے۔ جس سے اہل سنت کے مسلک کی مدلل وضاحت ہو جائے گی۔

شیعوں کے نماز جنازہ کی تکبیرات میں ہاتھ اٹھانے کی حقیقت

اہل تشیع کو جب کہا جاتا ہے۔ کہ تم لوگ نماز جنازہ کی تکبیرات میں ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو۔ تو وہ جواباً کہتے ہیں۔ کہ ایسا ہمارے ائمہ اہل بیت نے کیا ہے۔ اور ہمارے لیے ان کے ہر فعل پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ان کے پاس حوالہ جات ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَزْرِمِيِّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى جَنَازَةٍ فَكَبَّرَ خَمْسًا يَرْفَعُ يَدَهٗ فِيْ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۷۸۵
باب استحباب رفع الیدین فی
کل تکبیرۃ من صلوۃ الجنازۃ
کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: عبداللہ بن العزری کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

کی اقتداء میں ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے پانچ تکبیریں کہیں ہر تکبیر کے وقت آپ نے اپنے ہاتھ بھی اٹھائے۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ

قَالَ الْاِمَامِیَّۃُ تَجِبُ خَمْسُ تَکْبِیْرَاتٍ بِعَدَدِ الْفَرَائِضِ الْیَوْمِیَّۃِ یَاْتِیْ الْمُصَلِّیْ بِالشَّہَادَتَیْنِ بَعْدَ الْاُوْلٰی وَصَلٰوۃٍ عَلَی النَّبِیِّ بَعْدَ الثَّانِیَۃِ وَالدُّعَاءِ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَعْدَ الثَّالِثَۃِ وَالدُّعَاءِ لِلْمَیِّتِ بَعْدَ الرَّابِعَۃِ وَلِاَبَوَیْہِ اِنْ کَانَ طِفْلًا وَلَا شَیْءَ بَعْدَ الْخَامِسَۃِ وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ اسْتِحْبَابًا بَعْدَ کُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ
صفحہ ۶۳ تذکرہ کیفیۃ الصلوٰۃ
علی المیت)

ترجمہ:
شیعہ کہتے ہیں۔ کہ میت کی نماز جنازہ میں روزانہ کی فرضی نمازوں کی تعداد کے برابر پانچ تکبیریں کہنی واجب ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد شہادتین۔ دوسری کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ تیسری کے بعد مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دعا اور چوتھی کے بعد میت کے لیے دعا کہی جائے گی۔ اور چوتھی تکبیر کے بعد میت کے ماں باپ کے لیے بھی دعا کی جائے گی۔ اگر میت نابالغ ہے

اور پانچویں تکبیر کے بعد کچھ بھی نہیں پڑھا جائے گا۔ اور نماز جنازہ پڑھنے والا ہر تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھائے گا۔ اور یہ ہاتھ اٹھانے مستحب ہیں۔

دھوکہ:

جیسا کہ آپ حوالہ جات میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ اہل تشیع نماز جنازہ میں ہاتھ اٹھانے کو سنتِ ائمہ اہل بیت قرار دیتے ہیں۔ اور اسے عمل کو ائمہ اہل بیت کے فعل کے مطابق کہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ سنیو! تم نماز جنازہ میں ہاتھ نہ اٹھا کر یہ ثابت کرتے ہو۔ کہ ائمہ اہل بیت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ان معصومین کی تم نے مخالفت کی۔ اور ہم ان کے صحیح نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ تو تم ہمیں بُرا بھلا کہتے ہو۔ یہ دراصل دھوکہ ہے۔ بھولے بھالے سُنی تو شاید اسے نہ سمجھ سکیں۔ لیکن حقیقت حال سے واقف اس کے برعکس سمجھتا اور کہتا ہے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو شیعوں کے نزدیک سلسلہ امامت کے بانی ہیں۔ آیئے ذرا ان کا اس بارے میں عمل دیکھیں۔ تو لیجئے ان کی کتاب یہ کہہ رہی ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ غِيَاثِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الْجَنَازَةِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً يَعْنِيْ فِي التَّكْبِيْرِ ا قُوْلُ يَاَ تِيْ رَجُلُهُ اِنْ شَاءَ اللهُ۔ .... عَنْ جَعْفَرَ عَنْ اَبِيْهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

قَالَ كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ التَّكْبِيْرِ عَلَى الْجَنَازَةِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ حَتّٰى يَنْصَرِفَ اَقُوْلُ حَمَلَهُمَا الشَّيْخُ عَلَى التَّقِيَّةِ لِمُوَافَقَتِهِمَا لِمَذْهَبِ الْعَامَّةِ

(وسائل الشیعہ جلد دوم
ص ۷۸۶، کتاب الطہارۃ
ابواب صلوۃ الجنازۃ)

ترجمہ:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے غیاث بن ابراہیم روایت کرتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں صرف تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں۔ اس کی وجہ انشاء اللہ بیان ہو گی۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔ وہ نماز جنازہ پڑھتے وقت صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ان دونوں روایتوں کو شیخ نے اُن (علی المرتضےٰ) کے تقیہ پر محمول کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں روایتیں مذہب سُنیہ کے موافق ہیں۔

لمحہ فکریہ:

ان دونوں روایات میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا نماز جنازہ

میں صرف تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانا مروی ہے۔ اور اس کی روایت کرنے والے بھی اہل بیت کے امام ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک آدھ بار ایسا نہیں کیا بلکہ ایسا کرنا آپ کا معمول تھا۔ کیونکہ عربی قوانین کے مطابق کَانَ جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ تو ماضی استمراری کا فائدہ دیتا ہے۔ اس لیے معلوم ہوا۔ کہ اہل تشیع حضرت علی المرتضیٰ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اہل سنت کا طریقہ ہی درست ہے۔ یہ تو تھی حقیقت۔ لیکن شیعہ مجتہد یہاں بھی " ڈنڈی مارنے " سے باز نہ آئے۔ اور کمال بے حیائی سے کہہ دیا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایسا بطور " تقیہ " کیا تھا۔ ورنہ آپ کا عقیدہ یہ نہ تھا۔ صرف دشمنوں کے ڈر سے حق چھپاتے رہے۔ اور عجیب فلسفہ یہ ہے۔ کہ " شیخ " کہتا ہے کہ ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس فعل کو تقیہ پر محمول اس لیے کر رہے ہیں۔ تاکہ آپ کا ایسا کرنا " مذہب امامیہ " کے موافق نظر آئے۔ گویا حضرت علی المرتضیٰ کا فعل " مذہب امامیہ " نہیں ہے۔ بلکہ مذہب امامیہ کوئی اہم اور ارفع چیز ہے۔ اس لیے حضرت علی المرتضیٰ کے عمل کو تو اس سے موافق کرنے کا طریقہ نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن " مذہب امامیہ " کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل کے موافق کرنا گوارا نہیں۔ یہ ہے ان کی محبت اہل بیت جس کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں۔ اپنے غلط نظریات و عقائد سے توبہ کرنے کی توہمت نہیں اور جرأت یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ایسی شخصیت کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر دور میں ان بناوٹی " محبوں " نے ائمہ اہل بیت کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ انہیں اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کی۔ اور اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہونے پر ان کے جانی دشمن ہو گئے۔ اہل تشیع کا یہ عمل ایک تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل کے بالکل

خلاف ہے۔ دوسرا خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بھی خلاف ہے۔ آپ نے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں ایک ضابطہ ارشاد فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔

البدائع والصنائع

قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ وَ لَيْسَ فِيْهَا صَلٰوةُ الْجَنَازَةِ وَعَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّهُمَا قَالَا لَا تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ فِيْهَا اِلَّا عِنْدَ تَكْبِيْرَةِ الْاِفْتِتَاحِ۔

(البدائع والصنائع جلد اول
ص ۳۱۴ فصل بین کیفیۃ الصلوٰۃ
علی الجنازہ مطبوعہ بیروت
طبع جدید)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ ہاتھ صرف سات مقامات پر اٹھائے جائیں۔ ان سات مقامات میں نماز جنازہ نہیں آتی۔ حضرت علی المرتضیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نماز جنازہ میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی ہاتھ اٹھائے جائیں (اس کے علاوہ کسی تکبیر کے وقت نہ اٹھائے جائیں)

الحاصل:

نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہنا اور

نماز جنازہ

کے وقت ہاتھ اٹھانا، اس مسئلہ میں ہم اہل سنت احناف کے ساتھ جو اہل تشیع کا اختلاف ہے۔ درحقیقت وہ ان کا اپنا وضع کردہ ہے۔ ورنہ حضرات ائمہ اہل بیت نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے اور صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ لہذا اہل سنت کا عمل اور طریقہ دراصل ائمہ اہل بیت اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طریقہ ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

فتح القدیر

عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن ابیہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ عَلَى الْجَنَائِزِ اَرْبَعًا وَخَمْسًا وَسَبْعًا وَثَمَانِيًا حَتّٰى جَاءَ مَوْتُ النَّجَاشِيِّ فَخَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ النَّاسُ وَرَاءَهٗ فَكَبَّرَ اَرْبَعًا ثُمَّ ثَبَتَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى اَرْبَعٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

اَخْرَجَ الْحَازِمِيُّ فِيْ كِتَابِ النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ

كَبَّرَ عَلَىٰ اَهْلِ بَدْرٍ سَبْعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَعَلَىٰ بَنِيْ هَاشِمٍ سَبْعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَكَانَ اٰخِرُ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا اَرْبَعٌ حَتّٰى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا

(فتح القدیر جلد اول ص۔ ۴۶)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں چار، پانچ، سات اور آٹھ تکبیریں فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب نجاشی کی موت واقع ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازگاہ تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں پھر آپ نے چار تکبیریں کہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک اسی پر قائم رہے۔

الحازمی نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی۔ فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر پر سات تکبیریں کہیں اور بنی ہاشم پر بھی سات ہی کہیں اور آپ نے سب سے آخری جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ پھر اسی پر قائم رہے۔ حتی کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

فتح القدیر:

رَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اٰخِرُ مَا كَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجَنَائِزِ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَكَبَّرَ عُمَرُ عَلٰى اَبِي بَكْرٍ اَرْبَعًا وَكَبَّرَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى عُمَرَ اَرْبَعًا وَكَبَّرَ الْحَسَنُ

بْنُ عَلِيٍّ عَلَى عَلِيٍّ اَرْبَعًا وَكَبَّرَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى الْحَسَنِ اَرْبَعًا كَبَّرَتِ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى اٰدَمَ اَرْبَعًا سَكَتَ عَلَيْهِ الْحَاكِمُ۔

(فتح القدیر شرح الہدایہ جلد اول ص۴۶۰ کتاب الجنائز)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام حاکم نے مستدرک میں روایت نقل کی۔ کہ انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پر آخری عمر میں چار تکبیریں کہیں۔ حضرت عمر نے جب، ابوبکر صدیق کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن عمر نے جب حضرت عمر کی نماز جنازہ پڑھائی، حسن نے جب حضرت علی کی اور حسین نے جب اپنے بھائی حسن کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تو سب نے چار تکبیریں کہیں فرشتوں نے حضرت آدم کے لیے بھی چار تکبیریں ہی کہیں۔ یہ کہہ کر امام حاکم خاموش ہو گئے۔

کتاب بدائع الصنائع

وَقَدْ اِخْتَلَفَتِ الرِّوَايَاتُ فِيْ فِعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُوِيَ الْخَمْسُ وَالسَّبْعُ وَالتِّسْعُ وَاَكْثَرُ مِنْ ذَالِكَ اِلَّا اَنَّ اٰخِرَ فِعْلًا كَانَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ لِمَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ اَنَّهُ جَمَعَ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ حِيْنَ اخْتَلَفُوْا

فِیْ عَدَدِ التَّکْبِیْرَاتِ وَقَالَ لَهُمْ اِنَّکُمْ
اِخْتَلَفْتُمْ فَمَنْ یَأْتِیْ بَعْدَکُمْ یَکُوْنُ
اَشَدَّ اِخْتِلاَفًا فَانْظُرُوْا اٰخِرَ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی
جَنَازَةٍ فَخُذُوْا بِذٰلِكَ فَوَجَدُوْهُ صَلّٰی عَلٰی
اِمْرَاَةٍ کَبَّرَ عَلَیْهَا اَرْبَعًا فَتَفِقُوْا عَلٰی ذٰلِكَ
فَکَانَ هٰذَا دَلِیْلاً عَلٰی کَوْنِ التَّکْبِیْرَاتِ
فِیْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ اَرْبَعًا لاَنَّهُمْ اَجْمَعُوْنَ
عَلَیْهَا اَرْبَعًا حَتّٰی قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ
حَتّٰی سُئِلَ عَنْ تَکْبِیْرَاتِ الْجَنَازَةِ کُلُّ ذٰلِكَ
قَدْ کَانَ وَلٰکِنِّیْ رَاَیْتُ النَّاسَ اَجْمَعُوْا عَلٰی
اَرْبَعِ تَکْبِیْرَاتٍ وَالْاِجْمَاعُ حُجَّةٌ وَکَذَا رَوَوْا
عَنْهُ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَذَا کَانَ
یَفْعَلُ ثُمَّ اَخْبَرُوْا اَنَّ اٰخِرَ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَتْ
اَرْبَعَ تَکْبِیْرَاتٍ وَهٰذَا مُخْرِجُ النَّاسِخِ حَیْثُ
لَمْ نَحْمِلْ عَلَی الْاُمَّةِ اِلاَّ فِعَالَ الْمُخْتَلِفَةِ
مِنَ التَّکْبِیْرِ فَدَلَّ اَنَّ مَا تَقَدَّمَ نُسِخَ بِهٰذِهِ
[illegible]
[illegible]
[illegible]

(البدائع الصنائع جلد اول صفحہ نمبر ۳۱۲
فصل الکلام فی صلوٰۃ الجنازۃ
مطبوعہ بیروت۔ طبع جدید)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں تکبیرات کہنے کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ پانچ، سات، نو اور اس سے زیادہ کی روایات آتی ہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں آخری فعل چار تکبیروں پر ہے۔ کیونکہ روایت میں آتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کیا جب انہوں نے نماز جنازہ کی تکبیرات میں اختلاف کیا۔ اور انہیں کہا۔ تم اے اختلاف کر رہے ہو۔ دیکھو وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے وہ اس سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے۔ لہٰذا ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ میں آخری فعل کو دیکھنا چاہیے اور جیسا وہ ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ تو انہوں نے آپ کا آخری فعل شریف یہ پایا۔ کہ آپ نے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں آپ نے چار تکبیریں کہیں۔ اس پر موجود تمام صحابہ کرام نے اتفاق کر لیا۔ پس یہ حضرات صحابہ کرام کا یہ اتفاق اس بات کی دلیل ہو گیا۔ کہ نماز جنازہ میں تکبیریں چار ہی ہوتی ہیں کیونکہ یہ متفق علیہ اجماع ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ کی تکبیرات کے بارے میں پوچھا گیا تو کہنے لگے۔ ہاں وہ سات۔ پانچ۔ سات۔ آٹھ وغیرہ تھیں۔ پس ہم نے لوگوں (صحابہ کرام) کو چار پر اجماع کرتے پایا ہے۔

اجماع بھی ایک دلیل و حجت ہے۔ اسی طرح جناب عبداللہ بن مسعود نے لوگوں سے روایت بھی کی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف تعداد میں تکبیرات کہیں۔ لیکن آخرالامر جو آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں آپ نے چار تکبیریں ہی کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل اپنے پہلے افعال کا ناسخ ہے۔ اور آپ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے امتیوں کو مختلف افعال کے مابین اختیار سے نکال لیا۔ اور عقلی طور پر بھی چار تکبیریں ہی بنتی ہیں۔ کیونکہ نماز جنازہ میں ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور فرضی نمازوں میں سے کوئی نماز چار رکعت سے زیادہ والی نہیں ہے۔

قابلِ توجہ:

مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً نماز جنازہ میں مختلف تعداد میں تکبیریں کہیں، پانچ سات، نو بلکہ اس سے زیادہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ روایاتِ مذکورہ مسند اور بر روئے احادیث میں طوالت کے پیش نظر ہم نے ان کی اسناد چھوڑ دیں۔ اسی اختلاف تعداد کی بنا پر حضرات صحابہ کرام میں اختلاف کی اطلاع جب حضرت عمر کو ملی۔ تو آپ نے سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل تلاش کرنے اور اسے اپنانے کا کہا۔ چنانچہ سب نے چار تکبیروں پر اتفاق و اجماع کر لیا۔ آپ کی سب سے آخری نماز جنازہ ایک عورت کی تھی۔ اور اس کی ابتداء یعنی چار تکبیریں سے پہلے کی۔ نجاشی کے جنازہ سے آپ نے فرمائی۔ نجاشی کی نماز جنازہ [illegible] تکبیر [illegible] خود شیعہ کتب میں بھی موجود ہے۔

ناسخ التواریخ

وہم دریں سال در ماہ رجب شاہ نجاشی کہ مکرر شرح حال او دریں کتاب مبارک مرقوم شد از تنگنائے ایں جہاں بجنان جاویداں خرامید و آں روز کہ او وداع جہاں گفت رسول خدا فرمود امروز مردے صالح از جہاں برفت برخیزید تا بروے نماز گزاریم اصحاب برخاستند و با پیغمبر نماز بگذاشتند وآنحضرت چہار تکبیر گفت۔

(ناسخ التواریخ جلد سوم ص ۲۵۴ سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطبوعہ تہران، طبع جدید)

ترجمہ:

اسی سال حبشہ کے حاکم نجاشی کا انتقال بھی ہوا۔ نجاشی کے حالات و واقعات اس کتاب میں کئی مرتبہ ذکر ہو چکے ہیں۔ جس دن اس کا انتقال ہوا۔ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام سے فرمایا آج ایک صالح شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ اٹھو تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ صحابہ کرام اٹھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی امامت میں انہوں نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں چار تکبیریں کہی تھیں۔

لمحہ فکریہ

ناسخ التواریخ کے حوالہ سے دو امر بالکل واضح طور پر ثابت ہوئیں۔ یہ

تو یہ کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں "مرد صالح" تھا۔ اور دوسرا یہ کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ ان دونوں باتوں سے اہل تشیع کے اس مکر و فریب اور بہانے کی قلعی کھل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے وہ منافق ہوتا تھا۔ اب ان عقل کے اندھوں یا بصیرت سے عاری "محبان علی" سے کوئی پوچھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نجاشی کو "صالح آدمی" فرما رہے ہیں۔ اور تمہارے باطل نظریے کے مطابق نجاشی (معاذ اللہ) منافق ٹھہرا۔ تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نیک کہہ کر غلط بیانی کی ہے۔ (معاذ اللہ) اگر تمہارا یہی خیال ہو۔ تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو۔ (اور) تو ویسے بھی تمہارے پاس صرف نام کی چیز ہے۔ اور اگر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "تقیہ کرنا" کہو۔ تو شریعت سے اور احکام الٰہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ حالانکہ تم دھو بھی چکے ہو۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری فعل کے طور پر چار تکبیروں پر اکتفا فرمایا تھا۔ اس پر حضرات صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہوا۔ اسی پر ائمہ اہل بیت کا عمل رہا۔ اور اسی پر ان کے ماننے والے عمل پیرا ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اس بارے میں عقیدہ حق اور صحیح ہے۔ اس کی حقانیت اور صداقت کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے۔

پانچ تکبیریں کہنے پر اہل تشیع کی تیسری دلیل

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں۔ لہٰذا یہی حق ہے۔ حوالہ یہ ہے۔)

تہذیب الاحکام:

عَنْ قَدَامَۃَ ابْنِ زَائِدَۃَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلٰی اِبْنِہٖ اِبْرَاہِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَکَبَّرَ عَلَیْہِ خَمْسًا۔

(تہذیب الاحکام جلد سوم ص ۳۱۶
فی الصلوٰۃ علی الاموات

ترجمہ:

ابن زائدہ کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھاتے وقت پانچ تکبیریں کہیں۔

جواب:

اہل تشیع اس روایت پر بغلیں بجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عقلی دلیل کو تو ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ دلیل عقلی نہیں۔ بلکہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اہل سنت کا ہمیں یہ کہنا کہ تمہاری فقہ من گھڑت ہے۔ اور اس پر کوئی نقلی دلیل نہیں۔ غلط ہے۔ لہٰذا ہمیں اس روایت کے ہوتے ہوئے پانچ تکبیروں کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

اہل تشیع کا اس روایت سے استدلال بھی ناقص ہے۔ کیونکہ ان کی

فقہ جعفریہ میں چھوٹے بچے کی نماز جنازہ ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے صاحبزادے کی نماز جنازہ پڑھنے سے ان کو کوئی
مدد نہیں مل سکتی۔ اگر یہ تسلیم کریں۔ کہ نابالغ بچے کی نماز جنازہ ہوتی ہے۔ تو پھر
ان کا استدلال ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ تسلیم ہے۔ نماز جنازہ کی پانچ تکبیریں
ثابت کریں۔ تو پھر انہیں چھوٹے بچوں کی نماز جنازہ پڑھنا بھی تسلیم کرنا پڑے گا
بچے کے نماز جنازہ کی نماز نہ ہونے پر ان کی کتب کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

"فقہ جعفریہ" میں بچے کی نماز جنازہ ضروری نہیں

المبسوط

وَإِنْ كَانَ الْمَيِّتُ صَبِيًّا غُسِلَ كَتَغْسِيْلِ الرِّجَالِ
وَكُفِّنَ كَتَكْفِيْنِهِمْ وَيُحَنَّطُ كَتَحْنِيْطِهِمْ فَإِنْ كَانَ
قَدْ بَلَغَ سِتَّ سِنِيْنَ فَصَاعِدًا صُلِّيَ عَلَيْهِ وَإِنْ
كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ
يَجُوْزُ ذٰلِكَ عِنْدَ التَّقِيَّةِ۔

(المبسوط جلد اول ص۱۸۰
كتاب الصلوٰة في احكام
الجنائز)

ترجمہ:

اور اگر میت بچہ ہے۔ تو اس کو بالغ مردوں کی طرح غسل و کفن دیا جائے اور
دھونی لگائی جائے۔ پھر اگر وہ چھ سال یا اس سے زیادہ کی عمر

بی ہے۔ تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور اگر چھ سال سے کم عمر کا ہے۔ تو اس پر نماز جنازہ لازم نہیں۔ اور تقیہ کے طور پر جائز ہے

توضیح

"المبسوط"۔ کی روایتِ مذکورہ سے بچے کی نماز جنازہ پڑھنی ایک صورت میں جائز ہے۔ اور وہ تقیہ ہے۔ اور اگر اس کی کہیں ضرورت نہ پڑے تو پھر بچے کی نماز جنازہ نہیں۔ لہٰذا ان کے مسلک کے مطابق یہ روایت کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کا جنازہ پڑھا۔ درست نہیں ہے۔ اس پر اگر کوئی اہل تشیع سے پوچھے۔ کہ "المبسوط" کی روایت ہمارے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے۔ (جس میں بچے کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے۔) اور تہذیب الاحکام کی عبارت کو ہم قابل قبول کہتے ہیں۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پڑھانے کا ذکر ہے۔ تو یہ ان کا بہانہ بھی "تقیہ" کی ایک شکل ہو گیا جو مذکورہ اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے صاحبزادے کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وہ ان شیعوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ کہ آپ نے یہ نماز نہیں پڑھائی۔

ملاحظہ ہو اگلے صفحہ پر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے جناب ابراہیم کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی

وسائل الشیعہ

عن علي بن عبد الله قال سمعت ابا الحسن
موسى عليه السلام يقول في حديث
لما قبض ابراهيم بن رسول الله قال
يا علي قم فجهز ابني فقام علي عليه السلام
فغسل ابراهيم وحنطه وكفنه ثم خرج
به ومضى رسول الله صلى الله عليه وسلم
حتى انتهيا به الى قبره فقال الناس ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم نسي ان يصلي على
ابراهيم لما دخله من الجزع عليه فانتصب
قائما ثم قال ايها الناس اتاني جبرئيل بما
قلتم زعمتم اني نسيت ان اصلي على ابني
لما دخلني من الجزع الا وانه ليس كما
ظننتم ولكن اللطيف الخبير فرض عليكم

خمس صلوات و جعل لمن تكم من لی
صلوۃ و من فی ان لا اصلی الا علی
من ...

(وسائل الشیعہ جلد ۲
ص ۲۰۰ کتاب الطہارۃ
ابواب صلوۃ الجنائز)

ترجمہ:

علی بن عبداللہ کہتا ہے۔ کہ میں نے جناب موسیٰ کاظم سے ایک
حدیث سنی۔ فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادہ ابراہیم
فوت ہوا۔ تو آپ نے حضرت علی المرتضےٰ کو فرمایا اٹھو اس کی
تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو۔ چنانچہ انہوں نے ابراہیم کو غسل دیا
اور حنوط لگا کر کفن پہنا دیا۔ پھر یہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم
کی میت کو لے کر اس کے لیے کھودی گئی قبر تک پہنچے۔ تو لوگوں نے
دل میں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید غم کی وجہ سے اپنے بیٹے
کی نماز جنازہ پڑھانا بھول گئے۔ آپ فوراً کھڑے ہوئے۔ اور
فرمایا۔ لوگو! جو تمہارا خیال ہے۔ ابھی جبرئیل نے مجھے بتا دیا ہے۔ اور
وہ یہ کہ میں شدید غم کی وجہ سے اپنے بیٹے کی نماز جنازہ
پڑھانا بھول گیا ہوں۔

لیکن اللہ ... خبیر نے تم پر پانچ نمازیں فرض کیں۔ اور تم میں
جو مر جائے۔ اس کی نماز جنازہ میں ایک تکبیر نماز کے بدلہ میں رکھی

(یعنی پانچ تکبیریں نماز جنازہ کی ہیں۔ اور اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔ کہ نماز جنازہ اسی کی پڑھی جائے جو پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے۔

وسائل الشیعہ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ صَلَّى اَبُوْجَعْفَرٍ عَلٰى اِبْنٍ لَهُ صَبِيًّا صَغِيْرًا لَهُ ثَلَاثُ سِنِيْنَ ثُمَّ قَالَ لَوْ لَا عَنِ النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ اَنَّ بَنِيْ هَاشِمٍ لَا يُصَلُّوْنَ عَلَى الصِّغَارِ مِنْ اَوْلَادِهِمْ مَا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم ص ۷۹، کتاب الطہارۃ ابواب صلوٰۃ الجنائز)

ترجمہ:

محمد بن علی بن حسین کہتا ہے۔ کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے اپنے تین سالہ چھوٹے بچے کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور نماز کے بعد فرمایا اگر لوگوں کی اس بات کا مجھے احساس نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ دیکھو بنی ہاشم اپنے چھوٹے بچوں کے مر جانے پر ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ تو اپنے بیٹے کی نماز جنازہ نہ پڑھتا۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ زُرَارَةَ فِیْ حَدِیْثٍ اَنَّ اِبْنًا لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ
عَلَیْہِ السَّلَامُ فَطِیْمًا مَاتَ فَخَرَجَ اَبُوْ جَعْفَرٍ
فِیْ جَنَازَتِہٖ وَعَلَیْہِ جُبَّۃُ خَزٍّ صَفْرَاءُ وَ
عِمَامَۃُ خَزٍّ صَفْرَاءُ وَمُطْرَفُ خَزٍّ اَصْفَرُ
اِلٰی اَنْ کَانَ نُصَلِّیْ عَلَیْہِ فَکَبَّرَ عَلَیْہِ اَرْبَعًا
ثُمَّ اَمَرَ بِہٖ فَدُفِنَ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَتَنَحّٰی بِہٖ
ثُمَّ قَالَ اِنَّہٗ لَمْ یَکُنْ یُصَلّٰی عَلَی الْاَطْفَالِ
اِنَّمَا کَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ یَاْمُرُھُمْ فَیُدْفَنُوْنَ
مِنْ وَّرَاءٍ وَلَا یُصَلّٰی عَلَیْھِمْ وَاِنَّمَا صَلَّیْتُ
عَلَیْہِ مِنْ اَجْلِ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ کَرَاھِیَۃَ
اَنْ یَقُوْلُوْا لَا یُصَلُّوْنَ عَلٰی اَطْفَالِھِمْ۔

(وسائل الشیعہ جلد دوم
ص ۷۹۰ کتاب الطہارۃ باب
صلوٰۃ الجنائز)

ترجمہ:

زرارہ ایک حدیث بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک دودھ پیتا بیٹا فوت ہو گیا تو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اس کے جنازے میں نکلے۔ اس وقت آپ نے زرد رنگ کا جبہ زرد رنگ کا عمامہ اور زرد رنگ کی چادر زیب تن کی ہوئی تھی۔

جو خز کی بنی ہوئی تھیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ زرارہ نے کہا۔ کہ امام محمد باقر نے اس بچے کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی۔ پھر ان کے حکم سے اُسے دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد امام نے میرا ہاتھ پکڑا میں آپ کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ پھر آپ فرمانے لگے۔ بات یہ ہے۔ کہ میں بچوں کی نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے کے حق میں نہیں ہوں۔ کیونکہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ ان بچوں کے بارے میں یہی حکم دیا کرتے تھے۔ کہ ان کو نماز جنازہ پڑھائے بغیر دفن کر دیا کرو۔ میں نے تو اس لیے اپنے پوتے کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تاکہ اہل مدینہ اس بات کو بُرا نہ سمجھیں۔ کہ ہم اپنے بچوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔

مذکورہ حوالہ جات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے جناب ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھائے بغیر دفنا دیا تھا۔

۲۔ اس پر موجود صحابہ کرام کو خیال آیا۔ کہ آپ فرطِ غم کی وجہ سے شاید نماز جنازہ پڑھانا بھول گئے ہیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس ظن کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں نے اللہ کے حکم سے ایسا کیا ہے۔

۴۔ نماز جنازہ اس کی ہوتی ہے۔ جو پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو۔ اور اس پر نمازیں فرض ہوں۔

۵۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے تین سالہ بچے کی نماز جنازہ لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لیے پڑھائی۔

۶۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نابالغ بیٹے کی نماز جنازہ امام محمد باقر نے پڑھائی لیکن اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اگر ہم نے نماز جنازہ نہ پڑھی تو اہلِ مدینہ ہمیں برا کہیں گے۔

۷۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا یہی عقیدہ تھا کہ نابالغ بچوں کی نماز جنازہ پڑھے بغیر انہیں دفن کر دیا جائے۔

الحاصل:

اس بحث میں تین باتیں کھل کر سامنے آئیں۔ اوّل یہ کہ اہل تشیع کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند رشید کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں۔ یہ باطل اور بے دلیل ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان کے نزدیک بچے کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ تیسری بات یہ کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے اپنے بچے کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں چار تکبیریں کہیں۔ اور یہ اہل سنت کے مسلک کے مطابق ہے۔ گزشتہ سطور میں ہم اس بات پر حوالہ پیش کر آئے ہیں۔ کہ اہل تشیع کے ہاں بچے کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی بطور تقیہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اہل سنت بچے کی نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔ اور یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قولی ہے۔ اس بارے میں حدیث صریح ملاحظہ ہو۔

فتح القدیر:

[illegible] بَعْدَ [illegible] لَا دَدْ شَيْئِيَ وَ تَسْبَلَ

وَصُلِّيَ عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ۔

(الفتح القدیر جلد اول صفحہ نمبر ۴۶۵
کتاب الجنائز)

ترجمہ:

جو بچہ بچی پیدا ہونے کے بعد چیخے چلائے اور اس میں آثار زندگی دیکھے گئے، اس کا نام بھی رکھا جائے اور غسل بھی دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "جب پیدا ہونے والا بچہ چیخے چلائے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور اگر استہلال (آثار زندگی) نہ پایا گیا۔ تو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوئی۔

توضیح:

صاحب ہدایہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث پیش کی۔ اس سے انہوں نے تین مسائل کا استخراج کیا۔ وہ اس طرح کہ لان الاستهلال دلالة الحياة فيتحقق في حقه سنة الموتى یعنی استہلال اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ مولود میں آثار زندگی پائے گئے۔ لہذا اس کے لیے وہی طریقہ ہوگا جو زندہ رہ کر مرنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور وہ تین باتیں ہیں اوّل یہ کہ اس کا نام رکھا جائے۔ دوم اس کو غسل بھی دیا جائے گا۔ اور سوم یہ اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی۔

:کورہ حدیث کے بارے میں قبول و عدم قبول کی بحث کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی رقمطراز ہیں

البنایۃ فی شرح الھدایۃ

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ رُوِيَ هٰذَا عَنْ جَابِرٍ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَحَدِيْثُ جَابِرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ هٰذَا لَفْظُ التِّرْمِذِيِّ .... وَحَدِيْثُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ

فِي الْكَامِلِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي السِّقْطِ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ فَاِذَا اسْتَهَلَّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَغُسِّلَ وَوَرِثَ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَهِلَّ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ وَلَمْ يُوْرَثْ وَلَمْ يُغَسَّلْ وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ اَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ اَيْضًا عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَهَلَّ

الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوَرِثَ وَحَدِيْثُ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَخْرَجَهُ التِّرْمَذِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيَدْعُوْا لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَحَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا عَلٰى اَطْفَالِكُمْ فَاِنَّهُمْ مِنْ اَفْرَاطِكُمْ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد دوم ص ۱۰۱۱ تا ۱۰۱۲)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک "اذا استھل المولود الخ" سے حضرت جابر، علی، ابن عباس، مغیرہ بن شعبہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ حضرت جابر سے مروی حدیث کو امام ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے ابو الزبیر کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے۔ جناب جابر کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ کسی نومولود کی اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور نہ وہ کسی کا وارث اور نہ اس کا کوئی وارث بنے گا جب تک اس میں "استہلال" نہ پایا جائے۔ حضرت علی المرتضے سے مروی حدیث کو ابن عدی نے "الکامل" میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نومولود کے بارے میں

فرمایا۔ استہلال کے بغیر اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اور اگر استہلال پایا گیا تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اور وراثت بھی ثابت ہوگی۔ اور اگر استہلال نہ پایا گیا تو نماز جنازہ، غسل و وراثت کچھ بھی نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس سے مروی حدیث کو بھی ابن عدی نے ہی ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بچہ میں استہلال پایا جائے۔ تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ وراثت بھی ہوگی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی حدیث کو امام ترمذی نے بیان کرتے ہوئے لکھا۔ کہ نومولود (زندہ) کی وفات کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور اس کے والدین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا ہوگی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ابن ماجہ نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے بچوں کی نماز جنازہ پڑھا کرو کیونکہ وہ تمہارے لیے فرط ہیں۔

فائدہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے بارے میں کتب اہل تشیع میں یہ اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی یا نہ پڑھی۔ لیکن ان دونوں میں سے ان اہل تشیع کے نزدیک راجح درایتی یہ ہے۔ کہ آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ جب کہ ایسی روایات اور ایسے مقام پر ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ روایتِ اثبات کو

روایتِ نفی پر ترجیح ہے۔

روایة الاثبات اصح من روایة النفی

(البنایة شرح البدایه

جلد دوم ص ۱۰۱)

لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صاحبزادے پر نماز جنازہ پڑھنا بوجہ مثبت ہونے کے اصح ہے۔ یعنی آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔

اہل تشیع جب نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات ثابت کرنے پر دلائل دیتے ہیں۔ تو ان میں ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھاتے وقت پانچ تکبیریں کہیں تو اس دلیل کے ضمن میں یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بچے کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اور جب اپنا ایک اور مسئلہ پیش کر کے اس کی دلیل کی باری آتی ہے یعنی یہ مسئلہ کہ بچے کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ کے لیے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے۔ کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اس لیے بچے کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ ذرا ان دونوں مسائل اور ان کے دلائل کو بار بار پڑھیں۔ تو آپ کو اہل تشیع کی بے وقوفی اور عقلی فتور کی اعلیٰ مثال نظر آئے گی۔

خلاصۃ الکلام:

اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً

پانچ سے لے کر گیارہ بلکہ اس سے اوپر تک نماز جنازہ میں تکبیرات کہیں۔ لیکن
آخر الامر آپ نے چار پر اکتفا فرمایا۔ اور پھر اس میں کمی بیشی نہ کی۔ لہٰذا اس آخری
عمل نے سابقہ عمل کو منسوخ کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے نومولود
کے "استہلال" کی صورت میں نماز جنازہ ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور
اس کے غسل و کفن کا بھی فرمایا۔ اور میراث کا بھی ذکر کیا۔ شیعہ ان دونوں کا انکار
کرتے ہیں۔ چار کی بجائے پانچ کے قائل ہیں۔ اور بچے کی نماز جنازہ کے نہ پڑھنے
کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں باتیں حضرات ائمہ اہل بیت کے قول و عمل کے
خلاف ہیں۔ ائمہ اہل بیت نے بچوں کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور اس میں
تکبیریں بھی چار ہی کہیں۔ اس حقیقت کو چھپانے کے لیے اہل تشیع نے
ان دونوں باتوں پر ائمہ اہل بیت کے عمل کو تقیہ پر محمول کیا۔ اور یہاں تک کہہ
دیا۔ کہ بنی ہاشم اپنے بچوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ کیا یہ ائمہ اہل بیت
کی گستاخی اور ان کی توہین نہیں۔ ؟

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ)

اہل سنت کے نزدیک مسلمان میت کی قبر پر مٹی ڈال کر اونٹ کی کوہان ایسی بنانا سنت ہے۔ لیکن اہل تشیع اسے مکروہ کہتے ہیں۔ اور مربع شکل کو پسند کرتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

تحریر الوسیلہ

وَمِنْهَا تَرْبِيعُ الْقَبْرِ بِمَعْنَى تَسْطِيحِهِ وَجَعْلِهِ ذَا اَرْبَعِ زَوَايَا قَائِمَةٍ وَيُكْرَهُ تَسْنِيمُهُ۔

(تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۸۷
فی مستحبات الدفن)

ترجمہ:

احکام قبریں سے ایک حکم یہ بھی ہے۔ کہ اسے مربع شکل کا بنایا جائے۔ یعنی وہ چوکور اور چاروں اطراف کے زاویے قائمہ ہوں۔ اسے اونٹ کی کوہان ایسا بنانا مکروہ ہے۔

لمعۂ دمشقیہ:

وَ تَسْطِيْحُهُ لَا يُجْعَلُ لَهُ فِيْ ظَهْرِهٖ سَنَمٌ لِاَنَّهُ مِنْ شَعَآئِرِ النَّاصِبَةِ۔

(لمعۂ دمشقیہ جلد اوّل ص ۴۸ مطبوعہ قم، ایران طبع جدید)

ترجمہ:

اور قبر کی پُشت کو اونٹ کی کوہان کی طرح نہ بنایا جائے۔ کیونکہ یہ ناصبی لوگوں (اہل سنت) کی علامت ہے۔

توضیح

ان دونوں حوالہ جات میں اہل تشیع اپنے مُردے کی قبر مربع شکل بنانے کے معتقد ہیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہو گئی۔ کہ قبر کو چوکور بنانے پر ان کے پاس حضرات ائمہ اہل بیت کی کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں۔ ورنہ اُسے پیش کیا جاتا جاسکے اگر دلیل ہے تو یہ کہ اہل سنت کی قبروں کی طرح ہم اپنی قبروں کو بنانے کے لیے تیار نہیں۔ چونکہ اہل سنت اپنے مُردوں کی قبریں اونٹ کی کوہان ایسی بناتے ہیں۔ اِدھر ہم اہل سنت کے ہاں کوہان ایسی شکل کی قبر بنانے پر بہت سی احادیث ہیں۔ اور مضبوط دلائل ہیں۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر انور کی بناوٹ کوہان ایسی ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

⁂

البدائع والصنائع:

رُوِیَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيْ اَنَّهٗ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ رَاٰى قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَبْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ اَنَّهَا مُسَنَّمَةٌ رُوِیَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلّٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ وَكَبَّرَ عَلَيْهِ اَرْبَعًا وَجَعَلَ لَهٗ لَحْدًا وَاَدْخَلَهُ الْقَبْرَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَجَعَلَ قَبْرَهٗ مُسَنَّمًا وَضَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا وَلِاَنَّ التَّرْبِيْعَ مِنْ صَنِيْعِ اَهْلِ الْكِتَابِ وَتَشْبِيْهِهِمْ

(البدائع والصنائع جلد اوّل ص ۳۲۰، مطبوعہ بیروت فصل سنۃ الدفن)

ترجمہ:

جناب ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ مجھے اُس شخص نے بتایا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں دیکھی تھیں۔ کہ یہ تینوں قبریں اونٹ کی کوہان کی طرح تھیں مروی ہے۔ کہ جب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا طائف میں انتقال ہوا۔ تو محمد بن حنفیہ نے ان کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی۔ ان کے لیے لحد بنا کر قبلہ کی طرف سے ان کو قبر میں داخل کیا۔ اور قبر کو کوہان کی طرح بنایا۔ اور ان کی قبر پر خیمہ نصب کیا۔

اور قبر کو کوہان کی طرح بنانا اس لیے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ چوکور بنانا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ اور ان کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

فتح القدیر

(قَوْلُهُ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ تَرْبِيْعِ الْقُبُوْرِ) مَنْ شَاهَدَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَ اَنَّهُ مُسَنَّمٌ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ حَدَّثَنَا شَيْخٌ لَنَا يَرْفَعُ ذَالِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنْ تَرْبِيْعِ الْقُبُوْرِ وَ تَجْصِيْصِهَا وَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَبْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ نَاشِزَةً مِّنَ الْاَرْضِ وَعَلَيْهَا فَلَقٌ مِّنْ مَدَرٍ اَبْيَضَ وَفِيْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ اَنَّ سُفْيَانَ التَّمَّارَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهِ وَلَفْظُهُ عَنْ سُفْيَانَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَيْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَبْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ مُسَنَّمَةً .... قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنَ سُلَيْمَانَ ابن الاشعث حدثنا عبد الله بن سعيد حدثنا عبد الرحمن المحاربي عن عمرو بن شمر عن جابر قال سالت ثلاثة كلهم له في قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم اب سالت ابا جعفر محمد بن علي و سالت القاسم بن محمد بن ابي بكر و سالت سالم بن عبد الله قلت اخبروني عن قبور اباءكم في بيت عائشة فكلهم قالوا انها مسنمة۔

(فتح القدیر جلد اوّل صفحہ نمبر ۴۷۲
مطبوعہ مصر طبع جدید)

ترجمہ:

(قبر کو چوکور بنانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے)
جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی اس نے بتایا کہ وہ اونٹ کی کوہان کی طرح تھی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا۔ کہ ہمیں ہمارے شیخ نے حدیث مرفوع سنائی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اور چونا (سفیدی) کرنے سے بھی روکا ہے۔ امام محمد بن حسن کہتے ہیں۔ کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد بن ابی سلیمان اور انہوں نے ابراہیم سے

یہ بیان کیا۔ کہ مجھے اُس شخص نے بتایا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر کی قبروں کو دیکھا۔ کہ وہ زمین سے کچھ اٹھی ہوئی تھیں۔ اور ان میں سے سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ صحیح بخاری میں ابوبکر بن عیاش کے حوالہ سے سفیان التمار کی روایت مذکور ہے۔ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی۔ اور وہ کوہان کی طرح تھی۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیف میں جناب سفیان ظاہر کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ میں اس مکان میں داخل ہوا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر تھی۔ میں نے آپ کی، ابوبکر اور عمر کی قبروں کی زیارت کی وہ کوہان کی طرح تھیں۔۔۔۔۔۔ حضرت جابر فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایسے تین آدمیوں سے پوچھا۔ جن کے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے ساتھ مدفون تھے۔ ان میں ایک ابوجعفر محمد بن علی دوسرے قاسم بن محمد بن ابی بکر اور تیسرے سالم بن عبداللہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ وہ قبریں کس شکل کی تھیں؟ ان تینوں نے اپنے آباء کے بارے میں فرمایا۔ کہ اُن کی قبور حضرت عائشہ صدیقہ کے مکان میں ہیں۔ اور وہ اونٹ کے کوہان کی طرح ہیں۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا۔ کہ قبر کو جو کور بنانا احادیث نبویہ کے خلاف ہے۔ اور حضرات ائمہ اہل بیت کے عمل کے بھی مخالف ہے۔ حضرت امام ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ اپنی گواہی دے رہے ہیں۔ کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کوہان کی طرح ہے۔ حضرت محمد بن الحنیفہ نے ابن عباس کی چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کر ان کی قبر کوہان کی طرح بنایا۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے۔ کہ قبر کو چوکور بنانا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جن میں چوکور بنانے کی ممانعت اس کے ساتھ ساتھ خود آپ کی قبر انور کا مسنّم ہونا، امام باقر رضی اللہ عنہ کی گواہی محمد بن حنیفہ کا عمل اور دوسری طرف اس کے خلاف، قبر کو چوکور بنانے کی تاکید (اور وہ بھی وقت کے امام خمینی کی طرف سے) یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، ائمہ اہل بیت کے اعتقادات و عملیات کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہود و نصاریٰ کی مشابہت اپنائی گئی۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ اہل تشیع کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ائمہ اہل بیت اور صلحائے امت کی بجائے یہود و نصاریٰ سے دلی لگاؤ ہے۔ عبداللہ بن سباء کی معنوی اولاد ہونے کے ناطے سے انہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ یہود و نصاریٰ کی مخالفت گوارا نہیں لیکن احادیث رسول اور فرامین ائمہ کی مخالفت، ہو تو پرواہ نہیں۔ اسے ہی محبت رسول و آل رسول کہتے ہیں۔ اور اسی پر اہل تشیع کو ناز ہے۔ اللہ تعالیٰ حقائق سمجھنے اور انہیں قبول کرنے کی توفیق و ہمت عطا کرے۔ اور آخرت کو سنوارنے کا ذریعہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(فَاعْتَبِرُوْا یٰاُوْلِی الْاَبْصَارِ)

کتاب الزکوٰۃ

گزشتہ اوراق میں ”فقہ جعفریہ“ کے جو مسائل مذکور ہوئے۔ اُن کو دیکھ کر ہم تین امور پر یقین کر یں گے۔ اول یہ کہ ان میں کچھ مسائل ایسے ہیں جنہیں عقل و نقل قبول نہیں کرتے۔ بعض مسائل ایسے ہیں۔ جن میں سہولت اور تخفیف کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور چند مسائل ایسے بھی ہیں۔ جو محض اہل سنت کی مخالفت کرنے کے لیے تراشے گئے ہیں۔ گویا از اول تا آخر یہ فقہ من گھڑت، تخفیف کا مجموعہ اور اقوال رسول و ائمہ اہل بیت سے لا تعلق ہے۔ بعینہ اسلام کے ایک دوسرے رکن زکوٰۃ کے بارے میں بھی ان کے خیالات و عقائد اسی غلط طرز فکر کے آئینہ دار ہیں۔

”فقہ جعفریہ“ میں مروجہ سکہ کے سوا سونا چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ

وَقَالَ الْاِمَامِيَّةُ تَجِبُ الزَّكٰوةُ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ اِذَا كَانَا مَسْكُوْكَيْنِ بِسِكَّةِ النَّقْدِ وَلَا تَجِبُ فِي السَّبَائِكِ وَالْحُلِيِّ۔ وَاتَّفَقَ الْاَرْبَعَةُ عَلٰى اَنَّهَا تَجِبُ فِي السَّبَائِكِ كَمَا تَجِبُ فِي النُّقُوْدِ

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ ص ۲ ۔ کتاب الزکوٰۃ)

ترجمہ: اہل تشیع کا کہنا ہے۔ کہ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ اس وقت لازم ہوگی۔ جب وہ سکے کی شکل میں ہوں۔ اور ڈھلے ہوئے سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ نہیں اور چاروں ائمہ اہل سنت اس پر متفق ہیں۔ کہ ڈھلے ہوئے سونے چاندی پر بھی زکوٰۃ اسی طرح واجب ہے جس طرح نقدی پر واجب ہے۔

وسائل الشیعہ:

عَنْ جَمِيْلٍ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا اَنَّهٗ قَالَ
لَيْسَ فِي التِّبْرِ زَكٰوةٌ اِنَّمَا هِيَ عَلَى الدَّنَانِيْرِ
وَالدَّرَاهِمِ.......عَنِ الرُّفَاعِ قَالَ سَمِعْتُ
اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسَأَلَهٗ بَعْضُهُمْ
عَنِ الْحُلِيِّ فِيْهِ زَكٰوةٌ فَقَالَ لَا وَلَوْ بَلَغَ مِائَةَ
اَلْفٍ.......عن محمد بن عبد الله عن محمد ابن
ابی عمیر عن معاویۃ ابن عمار عن ابی عبد الله
عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِاَهْلِهٖ
اَلْحُلِيَّ مِنْ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَالْمِائَتَيْ دِيْنَارٍ وَاَرَانِيْ
قَدْ قُلْتُ ثَلَاثَ مِائَةٍ فَعَلَيْهِ زَكٰوةٌ قَالَ لَيْسَ فِيْهِ
زَكٰوةٌ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۶ کتاب الزکوٰۃ
والخمس ص ۱۰۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جمیل ہمارے بعض اصحاب سے روایت کرتا ہے۔ کہ سونے کی ڈلی پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ تو صرف دیناروں اور درہموں پر ہوتی ہے۔ رفاع کہتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا جب ان سے ایک شخص نے پوچھا۔ کہ کیا زیورات پر زکوٰۃ ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ اگرچہ ان کی مالیت ایک لاکھ کی ہی کیوں نہ ہو۔

(بحذف اسناد) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔ ایک شخص سو دینار کے اپنے گھر والوں کے لیے زیورات بنا لیتا ہے۔ اور اس نے دو سو اور دینار مجھے دکھائے۔ میں نے کہا کہ کل تین سو دینار ہو گئے کیا ان پر زکوٰۃ ہے۔ فرمایا۔ ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ اہل تشیع کے ہاں زکوٰۃ نام کی (لکھنے پڑھنے میں) کوئی چیز ہے تو سہی مگر اس پر عمل درآمد کے لیے بہت زیادہ رعایت برتی گئی ہے۔ ہزاروں لاکھوں تولہ یا سیروں وزنی سونا چاندی ہو۔ اس پر زکوٰۃ ہرگز نہیں۔ اگر ہے تو صرف درہم و دینار پر۔ اگر کسی کے پاس درہم و دینار ہوں۔ تو سال گزرنے کے قریب ان کے زیورات خرید لائے۔ یا انہیں ڈھال کر ڈلی بنا لے۔ تو زکوٰۃ اڑ جائے گی۔ کس قدر آسان طریقہ ہے زکوٰۃ سے بچاؤ کا۔ لیکن یہ سب باتیں ان کی خود ساختہ ہیں۔ حضرات ائمہ اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہرگز نہیں۔ اور نہ ہی قرآن کریم کی کوئی ایک آیت اس مفہوم پر اشارۃً بھی صراحت کرتی ہے۔ اس کے خلاف احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ سونے چاندی کی کوئی صورت ہو۔ اس پر نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ اسے سال گزر جائے۔ چند احادیث اور فقہ حنفیہ کی کتب کے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

فقہ حنفی میں سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہونے کے دلائل

۱: البنایہ فی شرح الہدایہ

رَوَى اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ خَالِدِ ابْنِ حَارِثٍ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ مَعْلَمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَاَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا اِبْنَةٌ لَهَا فِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مُسَكَّتَانِ غَلِيْظَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَتُؤَدِّيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا قَالَتْ لَا قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا سِوَارَانِ مِنَ النَّارِ فَخَلَعَتْهُمَا وَعَلَّقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَالْمُسَكَّتَانِ تَثْنِيَةُ مُسَكَّةٍ بِالْفَتْحَاتِ اَلسِّوَارُ

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد سوم ص ۱۰۷ فصل فی الذہب مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

امام ابوداؤد اور نسائی نے روایت بیان کی۔ کہ ایک عورت

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنی بیٹی کے ہمراہ حاضر ہوئی۔ اس کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کی دو وزنی کنگن تھے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر کیا تو یہ چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کنگنوں کے بدلے تجھے آگ کے کنگن پہنائے؟ اُس نے یہ سن کر کنگن اتار کر آپ کے حوالہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔

(۲) البنایہ فی شرح الہدایہ

رَوٰی اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِہٖ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ علی ابن عاصم عن عبد اللہ ابن غینام بن خیثم عن شھر بن حوشب عن اسماء بنت زید قَالَتْ دَخَلْتُ اَنَا وَ خَالَتِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ عَلَیْہِمَا اَسْوِرَۃٌ مِنَ الذَّھَبِ فَقَالَ لَھُمَا اَتُعْطِیَانِ زَکٰوتَھَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ لَنَا اَمَا تَخَافَانِ اَنْ یُسَوِّرَکُمَا اللّٰہُ مِنَ النَّارِ اَدِّیَا زَکٰوتَہٗ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ
جلد سوم ص ۷۰، کتاب الزکوٰۃ)

ترجمہ:

امام احمد نے اپنی مسند میں روایت ذکر فرمائی کہ اسماء بنت خالد

کہتی ہیں۔ کہ میں اور میری خالہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوئیں۔ ہم دونوں نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ پس آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں خوف نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ ان کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

(۳) البنایہ فی شرح الہدایہ

روى دارقطني ايضا عن يحيى ابن الليث عن حماد بن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مَسْعُوْدٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِاِمْرَأَتِيْ حُلِيَّةٍ مِّنْ ذَهَبٍ عِشْرُوْنَ مِثْقَالاً فَقَالَ اَدِّ زَكَاتَهٗ نِصْفَ مِثْقَالٍ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد سوم صفحہ نمبر ۱۰۹)

ترجمہ:

دارقطنی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے۔ کہ میں (عبداللہ بن مسعود) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! میری بیوی کے پاس سونے کے بیس مثقال وزنی زیورات ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی نصف مثقال زکوٰۃ دو۔

(۴) البنایہ فی شرح الہدایہ

رَوٰی اَیْضًا قُبَیْصَۃَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّ امْرَأَۃً اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ لِیْ حُلِیًّا وَاِنَّ لِیْ بَنِیَّ اَخٍ وَاِنَّ زَوْجِیْ خَفِیْفُ الْیَدِ فَتَجْزِیْ عَنِّیْ اَنْ اَجْعَلَ زَکٰوۃَ الْحُلِیِّ فِیْہِمْ قَالَ نَعَمْ۔

(البنایہ فی شرح الہدایہ جلد سوم ص ۱۰۸ فصل فی الذہب)

ترجمہ:

جناب قبیصہ نے حضرت علقمہ انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئی۔ اور کہا۔ میرے پاس زیورات ہیں۔ اور میرا ایک بھتیجا غریب ہے۔ اور میرے خاوند کے ہاتھ بھی خالی ہیں کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے۔ کہ میں اپنے زیورات کی زکوٰۃ ان پر صرف کردوں۔؟ فرمایا۔ ہاں اجازت ہے۔

(۵) البنایہ فی شرح الہدایہ

روی الدار قطنی عن ابی حمزہ عن الشعبی عن فاطمۃ بنت قیس اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اِنَّ بِحُلِيِّ زَكوٰةً"

(البنایہ فی شرح الھدایہ جلد ۳ ص ۱۰۸ فصل فی الذھب)

ترجمہ:

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے دارقطنی نے روایت کی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زیورات پر زکوٰۃ ہے۔

لمحہ فکریہ:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف البنایہ فی شرح الہدایہ میں مذکورہ احادیث سند کے ساتھ ذکر کیں۔ یہ تمام کی تمام مرفوع احادیث ہیں۔ ان میں سونے چاندی کے کنگن (جو زیور ہیں) پر زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ اور پھر مطلقاً زیورات پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا ارشاد فرمایا۔ ان صریح مرفوع احادیث پر اہل تشیع کی نظر نہیں پڑتی۔ کیونکہ ان سے تخفیف کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ دراصل زکوٰۃ نہ دینے کا کوئی بہانہ چاہیئے۔ لے دے کے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسو درہم اور بیس مثقال (دینار) پر زکوٰۃ ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم اور دینار کا نام لیا ہے اس لیے ان کے علاوہ سونے چاندی کی کوئی شکل ہو زکوٰۃ نہیں ہے۔ ناظرین کرام! تخفیف کے پیش نظر ان کی ہٹ دھرمی اور روایت نہ ماننے والی بات آپ نے ملاحظہ کر لی ہے۔ مختصر یہ کہ زکوٰۃ کو صرف سونے چاندی کے سکہ کے ساتھ مخصوص کرنا دراصل زکوٰۃ سے ہی انکار کرنا ہے۔ اب جبکہ ہمارے ہاں ان دونوں دھاتوں کا کوئی سکہ نہیں۔ تو کیا یہ فریضہ سر سے اٹھ گیا ہے؟ ہرگز نہیں۔

نوٹ:

بعض لوگوں نے صاحب البنایہ کی مذکورہ احادیث پر ضعف کا اعتراض کیا ہے لیکن علامہ بدرالدین عینی نے ان اعتراضات کا تفصیلی جواب لکھ کر ثابت کر دیا کہ سونے اور چاندی پر زکوٰۃ کا وجوب احادیث سے بالتصریح ثابت ہے۔

الحاصل

دیگر مسائل کی طرح اہل تشیع نے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ دینے سے کترانے کی کوشش کی۔ اور من گھڑت روایتوں کا سہارا لے کر زکوٰۃ کی ادائیگی سے جان چھڑائی۔ اور تخفیف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اور پھر کمال ڈھٹائی سے ایسی روایات کو حضرات ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر کے بغلیں بجاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی گھڑی ہوئی فقہ ہے۔ حضرات ائمہ اہل بیت اس قسم کے احکام نہیں دے سکتے۔ جو صریح احادیث اور قرآنی احکام کے خلاف ہوں۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ)

جبکہ ہمارے پیش نظر "فقہ جعفریہ" کی حقیقت بیان کرنا ہے۔ اور ثابت کرنا ہے۔ کہ اس فقہ کا امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما کے اقوال و اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اس موضوع سے متعلقہ مسائل فقہیہ ان کی ترتیب کے مطابق بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس لیے ایک دو مسئلے روزے کے متعلق بسلسلہ کو قائم رکھتے ہوئے نقل کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ مسائل پہلے بھی فی الجملہ تحریر ہو چکے ہیں۔

عورت کے ساتھ وطی فی الدبر سے روزہ نہیں ٹوٹتا

وسائل الشیعہ

عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ بَعْضِ الْكُوفِيِّيْنَ

يَرْفَعُوْ اِلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّجُلِ يَأْتِي الْمَرْاَةَ فِيْ دُبُرِهَا وَهِيَ صَائِمَةٌ قَالَ لَا يَنْقُضُ صَوْمُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ۔

(۱۔ وسائل الشیعہ جلد اوّل ص ۴۸۱ کتاب الطہارت

ابواب الجنابہ)

(۲۔ تہذیب الاحکام جلد چہارم ص ۳۱۹

فی الزیادات)

ترجمہ:

احمد بن محمد کچھ اہل کوفہ سے مرفوع روایت ذکر کرتا ہے۔ کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو مرد عورت کی دُبر میں خواہش نفس پوری کرتا ہے۔ کہ اور عورت بحالت روزہ بھی ہو۔ تو اس سے نہ تو اس عورت کا روزہ ٹوٹے گا۔ اور نہ ہی اس پر غسل آئے گا۔

بیٹی اور بیوی کا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

وسائل الشیعہ

قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اِنِّيْ اُقَبِّلُ بِنْتًا لِّيْ صَغِيْرَةً وَاَنَا صَائِمٌ فَيَدْخُلُ فِيْ جَوْفِيْ مِنْ رِيْقِهَا شَيْئٌ فَقَالَ لِيْ لَا بَأْسَ لَيْسَ عَلَيْكَ شَيْئٌ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۷ ص ۱۰۲، کتاب الصوم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ میں اپنی دو بیٹیوں کا بوسہ لیتا ہوں۔ اور میرا روزہ ہوتا ہے۔ پھر کبھی کبھار اُن کا تھوک میرے حلق میں چلا جاتا ہے۔ (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا کوئی حرج نہیں تجھ پر کوئی جرمانہ بھی نہیں۔

وسائل الشیعہ

عن علی بن جعفر عن اخیہ موسیٰ بن جعفر علیہ السلام

قَالَ سَأَلْتُهٗ عَنِ الرَّجُلِ الصَّائِمِ اَلَهٗ اَنْ يَمُصَّ لِسَانَ الْمَرْاَةِ اَوْ تَفْعَلُ الْمَرْاَةُ ذَالِكَ؟ قَالَ لَا بَأْسَ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۷ ص ۷۲ باب جواز مص الصائم لسان امرأتہ۔ الخ)

ترجمہ:

علی بن جعفر اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روزے دار مرد کے بارے میں پوچھا۔ کہ کیا وہ عورت کی زبان چوس سکتا ہے یا عورت اس کی زبان چوس سکتی ہے۔؟ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔

المحکریہ:

صاحب وسائل الشیعہ نے ان مذکورہ احادیث کے لیے جو باب باندھا ہے۔ اس میں دو باتوں کا بطور خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ روزہ دار، اپنی

بیٹی یا بیوی کی زبان چوس لیتا ہے۔ تو اُس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور دوسری بات یہ کہ اگر چوستے وقت تھوک حلق میں چلا جائے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ انہی دو باتوں کی تائید پر مذکورہ احادیث پیش کی ہیں۔ ان کے نزدیک روزہ نہ جانے کس طرح ٹوٹتا ہے روزہ دار عورت کے ساتھ وطی فی الدبر کرنے سے اس کا روزہ باقی رہے۔ عورت کا تھوک چوس کر نگل گیا تو بھی روزہ باقی ہے۔ حالانکہ شرع میں کھانے پینے اور جماع سے عمداً رکنے کا نام روزہ ہے۔ (یعنی صبح صادق سے غروب آفتاب تک) لیکن ایک شیعہ عورت کا تھوک ہڑپ کر جائے (اور عمداً ہو) تو بھی یار لوگ روزہ دار ہی رہتے ہیں۔ مزے کے مزے اور ثواب کا ثواب۔ ایک طرف یہ آزادی اور دوسری طرف یہ کہ پانی میں غوطہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ عقل و نقل کے دشمن ایسے ہی ہوتے ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

الفقہ علی المذاہب الخمسہ

قَالَ اَكْثَرُ الْاِمَامِيَّةِ اِنَّ رَمْسَ تَمَامِ الرَّاْسِ فِي الْمَاءِ مَعَ الْبَدَنِ اَوْ بِدُوْنِهٖ يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَ يُوْجِبُ الْقَضَاءَ وَالْكَفَّارَةَ وَ قَالَتْ بِقِيَّةُ الْمَذَاهِبِ لَا تَاْثِيْرَ لِذَالِكَ فِيْ اِفْسَادِ الصَّوْمِ۔

(الفقہ علی المذاہب الخمسہ

ص ۱۵۷ تذکرہ المفطرات) ۱

ترجمہ:

اہل تشیع کی اکثریت یہ کہتی ہے۔ کہ اگر کسی نے اپنا پورا سر مع بدن کے پانی میں ڈبو دیا۔ یا صرف سر ہی ڈبویا۔ تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا

اور قضاو کفارہ واجب ہے۔ان کے سوا دوسرے چار ائمہ اہل سنت کا کہنا ہے۔کہ پانی میں غوطہ لگانا یا سر ڈبونا اس سے روزہ ٹوٹنے کی کوئی وجہ نہیں۔یہ اس بارے میں غیر مؤثر ہے۔

لمحہ فکریہ

ایک طرف وطی فی الدبر اور عورت کا تھوک نگلنا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔نہ گناہ ہو نہ روزہ ٹوٹے۔دوسری طرف پانی میں غوطہ لگانا بحالتِ روزہ اتنا بڑا جرم ہے۔کہ روزہ بھی گیا۔اور اس کی قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی پڑ گیا۔کیا ایسے اوٹ پٹانگ مسائل حضرات ائمہ اہل بیت کے ہو سکتے ہیں؟ عقل و نقل کے خلاف مسائل گھڑ کر ائمہ اہل بیت کو بدنام کرنے کے لیے ایسی فقہ کا نام "فقہ جعفریہ" رکھ دیا۔غوطہ لگانے پر جو سزا دی گئی۔اس سے سخت سزا تو اس کو دی جاتی ہے۔جو ان کی فقہ میں روزہ رکھ کر جھوٹ بولے یا جھوٹ لکھے۔جو گناہ تو ہے۔لیکن اس سے روزہ دار کو کون سا کھانے پینے کا سہارا مل گیا۔جس کی بنا پر اس کی شامت آگئی۔حوالہ ملاحظہ ہو

خمسہ مذاہب

قَالَ الْاِمَامِيَّةُ مَنْ تَعَمَّدَ الْكَذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَحَدَّثَ اَوْ كَتَبَ اِنَّ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَذَا اَوْ اَمَرَ بِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ كَاذِبٌ فِيْ قَوْلِهٖ فَقَدْ فَسَدَ صَوْمُهٗ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ وَبَالَغَ جَمَاعَةٌ مِنْ فُقَهَائِهِمْ حَيْثُ اَوْجَبُوْا عَلٰى

هٰذَا الْكَاذِبِ اَنَّهُ يُكَفِّرُ بِالْجَمْعِ بَيْنَ عِتْقِ الرَّقَبَةِ فِيْ صِيَامِ شَهْرَيْنِ وَاِطْعَامِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا وَمِنْ هٰذَا يَتَبَيَّنُ مَعْنَا جَهْلُ اَوْ تَحَامُلُ مَنْ قَالَ بِاَنَّ الْاِمَامِيَّةَ يُجِيْزُوْنَ الْكَذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

(مذاہب خمسہ ص ۱۵۶۔
ذکر المفطرات)

ترجمہ:

اہل تشیع کہتے ہیں۔ کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا۔ یا لکھا یا بیان کیا کہ اللہ اور اس کا رسول یوں کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس پر اس کی قضاء اور کفارہ ہو گا۔ شیعہ فقہاء کی ایک جماعت یہاں تک کہہ گئی کہ اس قسم کے جھوٹے پر لازم ہے غلام آزاد کرنا دو مہینوں کے متواتر روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، تینوں کفارے بیک وقت ادا کرے اس سے اس شخص کی جہالت اور اہل تشیع پر الزام تراشی بھی واضح ہو گئی جو یہ کہتا ہے۔ کہ شیعہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا جائز قرار دیتے ہیں۔

۱

لمحہ فکریہ

اِس بات کو ہر شخص جانتا ہے۔ کہ روزہ تین باتوں میں سے کسی ایک کے

واقع ہونے سے ٹوٹتا ہے۔ کھانا پینا اور جماع کرنا۔ بعض احادیث میں کسی ایک اخلاقی برائیوں کے صدور سے روزہ کی رُوح قائم نہیں رہتی۔ لیکن جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جانا عقل ونقل کے خلاف ہے۔ زبان سے کسی چیز کو بوقتِ ضرورت چکھ کر تھوک دینا۔ پانی سے کلی کرنا ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ ہاں جھوٹ وغیرہ محرماتِ اخلاقیہ سے روزہ ٹوٹنے کا اس وقت قول کیا جاسکتا ہے۔ جب ان کے صدور سے کفر لازم آتا ہو۔ لیکن وُہ بھی کفر کی وجہ سے روزہ ٹوٹے گا۔ اگر جھوٹ بولنے یا لکھنے کو کفر کہا جائے۔ تو ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ شیعہ ذاکرین ومرثیہ خواں اس سے ہرگز ہرگز بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ محافل ومجالس میں بہت سی جھوٹی باتیں ائمہ اہل بیت کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔ اور انہیں علم بھی ہوتا ہے۔ کہ ہم محض لوگوں کو خوش کرنے اور ان سے پیسے بٹورنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ تو ان حالات میں نہ اُن کا روزہ رہا۔ نہ وضو قائم رہا اور نہ ہی نماز ادا ہوئی۔ آخر میں صاحب مذاہب خمسہ جواد مغلیہ نے جو اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ جھوٹ بولنے کا ہمارے ہاں اتنا شدید جرم ہے۔ کہ اس سے روزہ تک ٹوٹ جاتا ہے۔ تو ایسے عقیدہ کے ہوتے ہوئے ہم پر یہ الزام دھرنا کہ شیعہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ بالکل جہالت ہے۔ اور محض الزام تراشی ہے۔ سو اس بارے میں گزارش ہے۔ کہ آخر "تقیہ" کس کا نام ہے۔؟ اس کی کب ضرورت پڑتی ہے۔ اسی تقیہ کرنے کو (بقول اہل تشیع) امام جعفر نے یُوں فرمایا۔ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا تَقِیَّۃَ لَہٗ۔ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا دین ہے ہی نہیں۔ نیز فرمایا۔ کہ ہمارے آباؤ اجداد کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل "تحفہ جعفریہ جلد چہارم" میں آچکی ہے۔ تقیہ کے ہوتے ہوئے جو جھوٹ بولنے یا کہنے کی نفی کرنا بھی ایک جھوٹ ہے۔ اور لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ سنتے ہو! اللہ کی

پھٹکار ہے جھوٹوں پر۔

کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟

وسائل شیعہ جلد ۷ ص ۲۱ کا ایک حوالہ ذکر ہو چکا ہے۔ جس میں مذکور تھا۔ کہ ڈبکی لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی کتاب میں چند صفحات آگے چل کر اسی مسئلہ کو یوں لکھا گیا۔

وسائل الشیعہ

عَنْ اِسْحَاقَ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ رَجُلٌ صَائِمٌ ارْتَمَسَ فِی الْمَاءِ مُتَعَمِّدًا عَلَیْہِ الْقَضَاءُ ذَالِکَ الْیَوْمَ قَالَ لَیْسَ عَلَیْہِ قَضَاءُہٗ وَلَا یَعُوْدَنَّ۔

(وسائل الشیعہ جلد ۷ ص ۲۷)

ترجمہ:

اسحاق بن عمار کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اگر ایک شخص جان بوجھ کر پانی میں غوطہ لگائے۔ تو کیا اس پر روزہ کی قضا ہے۔ جبکہ وہ روزہ سے ہو۔ فرمایا۔ اس پر اس دن کے روزے کی قضاء نہیں۔ اور نہ ہی وہ آئے لوٹائے گا۔

ان دونوں روایتوں میں سے ایک سچی اور دوسری جھوٹی ہے یعنی غوطہ لگانے سے روزہ بھی ٹوٹ جائے اور نہ بھی ٹوٹے یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اب صاحب کتاب وسائل الشیعہ اپنی قوم کی صفائی پیش کرکے خود

بتا گیا۔ کہ اہل تشیع پر یہ الزام نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور حضرات ائمہ کرام پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں سے جان چھڑانے کا ایک ہی طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ کہہ دیا جائے۔ کہ امام جعفر نے جو یہ فرمایا۔ کہ غوطہ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ اصل مسئلہ ہے۔ اور نہ ٹوٹنے کی بات آپ نے بطور تقیہ کی۔ لیکن یہ بھی امام موصوف پر بہتان ہے۔ کیونکہ ہم تاریخی شواہد سے اور وہ بھی کتب شیعہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ حضرت امام کا زمانہ مذہب کے عام پرچار کا زمانہ تھا۔ اس میں کسی کا کوئی ڈر نہ تھا۔ اگر اسی طرح کے جوابات دیئے جائیں۔ تو "فقہ جعفریہ" کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہوگی۔ کیونکہ کسی مسئلہ کو معلوم کرنے کے لیے کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ ہمیں یہ ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ اس میں امام نے تقیہ نہیں کیا۔ اور فلاں مسئلہ میں امام نے تقیہ کیا۔ ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ یہی کچھ اہل تشیع کر رہے ہیں۔ خلاصی کا طریقہ صاف اور سیدھا ہے۔ کہ مان لو۔ ہماری فقہ جھوٹی روایات کے پلندے کا نام ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

دیگر ارکانِ اسلام کی طرح اہل تشیع نے رُکنِ حج میں بھی دخل اندازی کی۔ اور کئی ایک عجیب و غریب مسئلے تراشے اور پھر انہیں امام صاحب کی طرف منسوب کر کے چھوڑا۔ چند ایک مسائل پیش خدمت ہیں۔ تاکہ تقابلی مطالعہ سے حقیقتِ حال سامنے آجائے۔

المبسوط:

وَلَا یَطُوْفُ الرَّجُلُ بِالْبَیْتِ إِلَّا مَخْتُوْنًا۔

(المبسوط جلد اوّل ص ۳۵۸ کتاب الحج)

ترجمہ: جو شخص ختنہ شدہ نہیں اس کا طوافِ کعبہ قابل شمار نہیں۔

مذاہب خمسہ

قَالُوْا اَيْضًا اَيِ الْاِمَامِيَّةُ يُشْتَرَطُ فِي الطَّائِفِ الْخِتَانُ فَلَا يَصِحُّ الطَّوَافُ مِنْ اَقْلَفٍ رَجُلًا كَانَ اَوْ صَبِيًّا۔

(مذاہب خمسہ ص ۲۳۲
باب کیفیۃ الطواف)

ترجمہ:
اہل تشیع یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ طواف کرنے والے کا ختنہ شدہ ہونا شرط ہے۔ لہٰذا ہر اس شخص کا طواف نہیں ہوگا۔ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو وہ مرد ہو یا بچہ۔

چونکہ طوافِ کعبہ (طوافِ زیارت) اہل تشیع کے نزدیک بھی فرض ہے اس لیے جب طواف نہ ہوا تو ایک فرض کے ادا نہ ہونے کی وجہ سے سرے سے حج ہی نہ ہوگا۔ مندرجہ ذیل عبارت اسی کی تصدیق کرتی ہے۔

مذاہب خمسہ

وَالشِّيْعَةُ يَذْكُرُوْنَ اشْتِمَالَهُ عَلٰى اَنَّ هٰذِهِ الطَّوْفَةَ الثَّالِثَةَ ثَلٰثَ عَشَرَ وَعِلَّةٌ بِاَنَّ الثَّالِثَ وَهُوَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ رُكْنٌ مِّنْ

اَرْكَانِ الْحَجِّ وَ يَبْطُلُ بِتَرْكِهٖ۔

(۱۔ مذاہب خمسہ ص ۲۳۰ اقسام طواف)

(۲۔ وسائل الشیعہ جلد ۹ صفحہ نمبر ۴۶۵

باب ان من ترك الطواف عمدا الخ)

ترجمہ:

اہل تشیع اس پر متفق ہیں۔ کہ تین طواف مشروع ہیں۔ (طواف قدوم طواف زیارۃ، طواف وداع) اور دوسرا طواف (طوافِ زیارۃ) ارکانِ حج میں سے ایک رُکن ہے۔ اور اس کے رہ جانے سے حج باطل ہو جاتا ہے۔

بہذا معلوم ہوا کہ جس شخص کا ختنہ نہیں ہوا۔ اس کا طوافِ زیارۃ بھی نہ ہوا۔ اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے اُس کا سارا حج ہی باطل ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص بلوغ کے بعد اسلام لائے۔ اور وہ بے چارہ ختنہ کراتا ہے۔ تو شرم و حیاء اُڑ جاتی ہے۔ اور اگر بغیر ختنہ کرائے حج پر جائے۔ تو طواف نہ ہونے کی وجہ سے حج بھی بیکار۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ مسئلہ بھی دوسرے مسائل کی طرح خود ساختہ ہے۔

(فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِى الْاَبْصَار)

۱

بغیر محرم کے عورت کا حج پر رد، نہ ہونا (جبکہ مسافت سفر کی مسافت سے زیادہ ہو) احناف کے نزدیک جائز نہیں۔ یا یُوں کہہ لیا جائے۔ کہ عورت پر حج کا فریضہ ادا کرنا تب لازم ہوتا ہے۔ جب دیگر شرائط کے ساتھ اس کا محرم بھی ساتھ ہو۔ لیکن اہل تشیع نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے۔ اور بڑھی، جوان عورت کا امتیاز کیے بغیر بغیر محرم اس کا حج پر جانا جائز قرار دیا ہے۔ جس سے ان کی نفس پرستی اور خواہشات برآری کے حیلوں کا پتہ چلتا ہے۔

فقہ الامام جعفر صادق

إِذَا اسْتَطَعَتِ الزَّوْجَةُ وَجَبَتْ عَلَيْهَا اَنْ
تَحُجَّ سَوَاءً اَذِنَ لَهَا الزَّوْجُ اَمْ لَمْ يَأْذَنْ
تَمَامًا كَمَا هِيَ حَالُ بِالنِّ[illegible] اِلَى الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ وَلَقَدْ سُئِلَ الْاِمَامُ عَنْ [illegible]
[illegible] حَتّٰى لَهٗ [illegible] لَا [illegible]
بِالْحَجِّ قَالَ تَحُجُّ [illegible]

فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی عَنْہُ لَا طَاعَۃَ لَہٗ عَلَیْھَا فِیْ حَجَّۃِ الْاِسْلَامِ۔

(فقہ الامام جعفر صادق جلد دوم ص ۱۴۴
مطبوعہ قم جدید)

ترجمہ:
جب کسی کی بیوی صاحبِ استطاعت ہو جائے تو اس پر حج کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا خاوند اُسے اجازت دے یا نہ دے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح اُسے روزہ، نماز اور زکوٰۃ کے لیے اپنے خاوند کی اجازت درکار نہیں ہوتی۔ امام جعفر صادق سے پوچھا گیا۔ کہ ایک عورت ابھی تک حج نہیں کر سکی۔ اور صاحب استطاعت بھی ہے، اور اس کا خاوند اُسے حج کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ فرمایا۔ وہ حج ضرور کرے اگرچہ خاوند اجازت نہ بھی دے۔ ایک اور روایت میں امام موصوف نے فرمایا۔ فرضی حج ادا کرنے کے لیے عورت پر خاوند کی فرمانبرداری ضروری نہیں۔

المبسوط:

قَدْ بَیَّنَّا اَنَّ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ وَاجِبَانِ عَلَی النِّسَاءِ وَالرِّجَالِ وَشُرُوْطُ وُجُوْبِھِمَا عَلَیْھِنَّ مِثْلُ شُرُوْطِ الرِّجَالِ سَوَاءٌ وَلَیْسَ مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوْبِ لَا مِنْ شَرْطِ صِحَّۃِ الْاَدَاءِ وُجُوْدُ مَحْرَمٍ لَھَا وَلَا زَوْجٍ وَمَتٰی کَانَ لَھَا زَوْجٌ اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ

يَنْبَغِيْ اَنْ لَا تَخْرُجَ اِلَّا مَعَهٗ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهَا عِنْدَهَا عَلٰى ذَالِكَ جَازَ لَهَا اَنْ تُحَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ بِنَفْسِهَا وَلَا طَاعَةَ لِزَوْجٍ عَلَيْهَا فِيْ ذَالِكَ۔

(المبسوط جلد ۱ ص ۳۰۳)

ترجمہ:

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ حج اور عمرہ مرد اور عورت دونوں پر لازم ہیں اور ان کے وجوب کی شرائط عورتوں کے لیے بھی وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں۔ حج کے وجوب اور ادائیگی کے لیے عورت کے ساتھ محرم کا ہونا کوئی ضروری نہیں اسی طرح خاوند کا بھی ساتھ ہونا کوئی شرط نہیں۔ اور اگر خاوند یا کوئی دوسرا محرم مل جائے۔ تو پھر ان کے ساتھ حج پر جانا چاہیئے۔

تبصرہ

مذکورہ حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ عورت کو حج پر جانے کے لیے اگر کوئی مناسب محرم مل جائے۔ تو اس کے ساتھ ہو جانا چاہیئے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں۔ یعنی اگر محرم دستیاب نہ ہو۔ تو بھی حج کرنے ضرور جائے گی۔ لیکن اگر خاوند حج سے منع کرے تو اس کی پرواہ کیے بغیر وہ حج پر چلی جائے۔ خاوند کی نافرمانی کی مرتکب نہ ہو گی۔ لیکن اس مسئلہ پر اہل تشیع نے ایک حدیث بھی پیش نہیں کی۔ جو مسند اور مرفوع ہو۔ اس کے برخلاف فقہ حنفی میں عورت کے بغیر محرم حج پر نہ جانے کے لیے بہت سی مسند اور مرفوع احادیث موجود ہیں۔ ایک دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

فتح القدیر

من حدیث ابن عباس حدثنا عمرو بن علی حدثنا ابو عاصم عن ابن جریج اخبرنی عمرو ابن دینار انہ سمع معبدا مولی ابن عباس یحدث عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحج امراۃ الا و معھا محرم فقال رجل یا نبی اللہ انی اکتبت فی غزوۃ کذا و امرأتی حاجۃ قال ارجع فحج معھا۔

(فتح القدیر جلد دوم ص ۱۲۶ کتاب الحج
مطبوعہ مصر قدیم)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کا مولیٰ معبد روایت کرتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی عورت محرم کے بغیر حج کے لیے نہ نکلے۔ یہ سن کر ایک شخص بولا۔ یا رسول اللہ! میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے۔ اور میں ادھر جانے کی تیاری میں ہوں۔ اور میری بیوی حج کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ فرمایا۔ جاؤ۔ اور اس کے ساتھ تم بھی حج کرو۔

فتح القدیر

فی الصحیحین عن ــــــ قنرع عن ابی سعید الخدری مَرْفُوْعًا لَا تُسَافِرُ الْمَرْاَةُ یَوْمَیْنِ اِلَّا مَعَهَا زَوْجُهَا اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا وَ اَخْرَجَا عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا لَا یَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَ لَیْلَۃٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ عَلَیْهَا۔

(فتح القدیر جلد دوم ص ۱۲۹)

ترجمہ:

حدیث مرفوع صحیحین میں ہے۔ کہ کوئی عورت دو دن کا سفر اپنے خاوند یا محرم کے بغیر نہ کرے۔ ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ کسی عورت کے لیے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں کہ وہ ایک دن اور ایک رات کے سفر پر بغیر محرم کے جائے۔

البدائع والصنائع

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الا لا تحجن امرأۃ الا ومعها محرم وعن النبی انہ قال لا تسافر امرأۃ ثلاثۃ ایام الا ومعها محرم او زوج ولانہ اذا لم یکن معها زوج ولا محرم لا یؤمن

عَلَيْهَا ...... وَ الْخَوْفُ عِنْدَ اِجْتِمَاعِهِنَّ اَكْثَرُ وَ لِهٰذَا حُرِّمَتِ الْخَلْوَةُ بِالْاَجْنَبِيَّةِ وَ اِنْ كَانَ مَعَهَا اِمْرَاَةٌ اُخْرٰى ...... اِنَّ الْمَحْرَمَ اَوِ الزَّوْجَ مِنْ ضُرُوْرَاتِ حَجِّهَا بِمَنْزِلَةِ الزَّادِ وَ الرَّاحِلَةِ اِذْ لَا يُمْكِنُ لَهَا الْحَجُّ بِدُوْنِهِ كَمَا لَا يُمْكِنُهَا بِدُوْنِ الزَّادِ وَ الرَّاحِلَةِ۔

(البدائع والصنائع جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۴
کتاب الحج فصل شرائط الحج)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خبردار! کوئی عورت محرم کے بغیر ہرگز ہرگز حج پر نہ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی عورت تین دن تک کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔ یا اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو۔ کیونکہ جب اس کے ساتھ نہ کوئی محرم نہ ہی خاوند ہوگا۔ تو اس کا امن تباہ ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی لیے اس کا تنہا نکلنا درست نہیں ہے۔ اور اگر عورتیں ہی عورتیں مل کر جائیں۔ (مرد ان میں کوئی بھی نہ ہو) تو خوف اور بڑھ جائے گا۔ اسی لیے اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا حرام ہوا۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایک اور عورت اور بھی ہو۔ اور حج کی فرضیت والی آیت ایسی عورتوں کو شامل ہی نہیں ہے۔ جن کے خاوند یا محرم ساتھ نہ ہوں۔ کیونکہ تنہا عورت اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہونے اور اس سے اترنے پر قادر

نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ کسی ایسے کی محتاج ہوگی۔ جو اسے سوار کرائے اور بوقت ضرورت نیچے اتار لے۔ اور ایسا کرنا خاوند یا محرم کے بغیر کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔ لہٰذا عورت (خاوند یا محرم نہ ہونے کی صورت میں) صاحب استطاعت نہ ہوئی۔ اس لیے قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں وہ شامل نہ ہوگی۔

محرم یا خاوند کا عورت کے ساتھ حج کے دوران ہونا یہ عورت کی ضروریات حج میں سے ہے۔ جس طرح زادِ راہ اور سواری ضروریات میں سے ہیں۔ کیونکہ محرم یا خاوند کے بغیر عورت کا حج کرنا ناممکن ہے۔ جس طرح زادِ راہ اور راحلہ کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔

لمحہ فکریہ

حضرات قارئین کرام! اہل تشیع کی کتب سے اس بارے میں حوالہ جات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کہ عورت پر حج فرض ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں۔ جو مردوں کے لیے ہوتی ہیں۔ اگر محرم یا خاوند ساتھ نہ بھی ہو تو بھی اُسے حج ضرور کرنا چاہیئے۔ لے دے کے ان لوگوں کو جو دلیل نظر آئی۔ وہ یہ کہ جب نماز روزہ اور زکوٰۃ کے لیے محرم کا ہونا اور اس کی اجازت درکار نہیں۔ تو پھر حج کے لیے یہ باتیں کیونکر شرائط بن سکتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کا یہ قیاس قیاس کا مذاق اڑانا ہے۔ اگر قیاس اسی کا نام ہے۔ تو پھر نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے لیے حج کی طرح زادِ راہ اور سواری کا ہونا بھی لازمی امر ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی جس کے پاس سواری نہیں۔ چونکہ اس پر حج فرض نہیں ہوتا اس لیے نماز بھی حج کی طرح ایک رکنِ اسلام ہے۔ اس لیے یہ بھی معاف ہو جائے۔ روزہ بھی سواری نہ ہونے

کی صورت میں فرض نہ رہے۔ اس قیاس کو کون بے وقوف تسلیم کرے گا۔ اسی لیے جب اہل تشیع کے پاس ایک حدیث بھی مسند اور مرفوع اس بارے میں نہ تھی تو لامحالہ عقلی دلیل دی۔ اور وہ بھی ایسی کہ جسے کن کر ہر ذی علم ان کی بے وقوفی پر ہنس دے گا۔ اس کے برخلاف اہل سنت کے مسلک پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ جو گزشتہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ وہ دلائل از روئے نقل قابلِ وثوق ہیں۔

دیکھئے جب ہمارے اور اہل تشیع کے نزدیک بالاتفاق ہر حج پر جانے والے کے لیے خرچہ اور سواری کا بندوبست ہونا لازمی ہے۔ اب یہی دو باتیں جب عورت کے لیے شرط ٹھہریں۔ تو سواری پر بٹھانا یا اس سے اترنے میں اس کی مدد ماسوائے مرد کے اور کون کر سکتا ہے۔ اگر مدد کرنے والا محرم یا اپنا خاوند ہو تو اس سے فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ اور اگر غیر محرم ہو۔ تو ہر طرح خطرہ ہی خطرہ ہو گا۔ گویا اہل تشیع عورت کو محرم کے بغیر حج پر بھیج کر اس کو اور اس کے گھر بار کو ویران کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ خاوند اجازت نہیں دے رہا۔ دوسرا محرم کوئی ساتھ نہیں۔ ایسی حاجن جب حج سے فارغ ہو کر اپنے خاوند کے گھر آئے گی۔ تو کونسا منہ لے کر اس گھر میں داخل ہو گی۔ ہو سکتا ہے۔ کہ خاوند اُسے اس سرکشی پر فارغ کر دے۔ یہ کوئی خدمت نہیں۔ اور نہ ہی مزاجِ اسلام کے مطابق مسئلہ ہے۔

فقہ الامام جعفر صادق

لَوْ كَانَ عِنْدَهٗ مِنَ الْمَالِ مَا يَكْفِيْهِ لِلزَّوَاجِ فَقَطْ اَوِ الْحَجِّ فَقَطْ فَاَيُّهُمَا يُقَدِّمُ؟

الجواب: لَيْسَ مِنْ شَكٍّ اَنَّ الزَّوَاجَ مِنْ حَيْثُ هُوَ ضَرُوْرَةٌ مِنْ ضَرُوْرِيَّاتِ الْحَيٰوةِ تَمَامًا كَالْمَلْبَسِ وَالْمَسْكَنِ فَمَنْ اِحْتَاجَ اِلَيْهِ اَوْ كَانَ مِنْ اَمْثَالِهٖ يَتَزَوَّجُوْنَ وَيَسْاَلُهُ النَّاسُ مَتٰى تَتَزَوَّجُ؟ قُدِّمَ الزَّوَاجُ حَتّٰى وَلَوْ لَمْ يَخِفِ الْعَنَتَ وَالْمَرَضَ اَوِ الْوُقُوْعَ فِي الزِّنَا كَمَا قَيَّدَهٗ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ .... بَلْ اِذَا احْتَاجَ اَوْلَادُهٗ اِلَى الزَّوَاجِ جَازَ لَهٗ اَنْ يُصْرِفَ مَا لَدَيْهِ مِنَ الْمَالِ فِيْ تَزْوِيْجِهِمْ وَجَهَازِهِمْ۔

(فقہ الامام جعفر صادق جلد ۲ ص ۱۴۲ ...)

ترجمہ :

سوال ۔ اگر کسی کے پاس صرف اس قدر مال ہو ۔ کہ وہ یا تو حج کر سکتا ہو ۔ یا شادی رچا سکتا ہو ۔ تو ان دونوں میں سے کس کو مقدم کیا جائے ؟

الجواب :

یہ بات یقینی ہے ۔ کہ شادی کرنا بھی ضروریاتِ زندگی میں سے ایک بڑی ضرورت ہے ۔ جیسا کہ لباس اور رہائش ضروریاتِ زندگی ہیں لہٰذا جو شخص شادی کا ضرورت مند ہے ۔ یا اس کی شکل مردوں سے لوگ پوچھتے رہتے ہیں ۔ کہ بھائی تمہاری شادی کب ہو رہی ہے ؟ تو شادی کرنا ۔ حج سے مقدم ہوگا ۔ اور یہ تقدیم اس خوف کے ساتھ مشروط نہیں ۔ کہ اگر شادی نہ کرے گا تو بیمار ہو جائے گا یا بدکاری میں پڑ جائے گا ۔ جیسا کہ بعض فقہاء نے شادی کا حج سے مقدم ہونا ان حالات کے ساتھ مقید کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ اگر ایسے شخص کی اولاد کی شادی کا معاملہ ہے ۔ تو جائز ہے اس کے لیے کہ صرف کرے اپنے مال انکی شادی اور اس کی تیاری میں ۔

توضیح

فقہ جعفریہ کے اس مسئلہ کا سادہ سا مفہوم یہ ہے ۔ کہ اشد ضرورت کے بغیر بھی حج کے پیسے سے شادی کر لینا مقدم ہے ۔ کیونکہ یہ ضروریات زندگی میں سے ایک اہم ضرورت ہے ۔ ایک طرف تو شادی کی اتنی اہمیت اور دوسری طرف کسی شیعہ نے پیسے شادی پر خرچ کر دیئے ۔ اب اس کی بیوی حج پر جانا چاہتی ہے ۔ تو یہ اسے روک نہیں سکتا ۔ یعنی ازدواجی تعلق بنانے کے وقت

حج پیچھے رہ گیا۔ جب یہ تعلق قائم ہو گیا اب اس کی اہمیت اور ضرورت ختم ہو گئی اور حج کی اہمیت غالب آگئی عجیب مناقضہ ہے۔ جب مرد کو ضرورت زندگی کے پورا کرنے کا وقت ملا۔ تو شیعہ فقہ عورت کو حج پر روانہ کر دیتی ہے۔ کیا خاوند بیچارے کی زندگی یہاں تک ہی تھی۔ اور اس کی ضرورت ایجاب و قبول ہونے پر پوری ہو گئی؟ ان مسائل کو دیکھ کر ہر ذی عقل یہی کہے گا۔ کہ ان کا نہ کسی امام کے ارشاد میں اور نہ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں کوئی وجود نظر آتا ہے یہ سب کچھ "محبان علی"، کی اختراع ہے۔

"فقہ جعفریہ" میں شیطان کو کنکریاں مارنے میں رعایت

افعال حج میں سے یہ بھی ہے۔ کہ ذوالحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو منیٰ میں تینوں جگہوں پر شیطان کو کنکریاں ماری جائیں۔ جسے عربی اصلاح میں "رمی الجمار"، کہتے ہیں۔ یہ فعل ائمہ اربعہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اس کے تارک پر ایک قربانی بطور جبر نقصان دینا لازمی ہے۔ لیکن فقہ جعفریہ کی رعایت ملاحظہ ہو۔

قَالَ الْاِمَامِيَّةُ اِذَا نَسِيَ رَمْيَ جَمْرَةٍ اَوْ بَعْضَهَا عَادَ مِنَ الْغَدِ مَادَامَتْ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اِنْ

نَسِیَ الْجِمَارَ بِکَامِلِهَا حَتّٰی وَصَلَ اِلٰی مَکَّةَ وَجَبَ عَلَیْهِ الرُّجُوْعُ اِلٰی مِنٰی وَ رَمٰی اِنْ کَانَتْ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ بَاقِیَةً وَ اِلَّا قَضَی الرَّمْیَ فِی السَّنَةِ الْقَادِمَةِ بِنَفْسِهٖ اَوْ یَسْتَنَابُ عَنْهُ وَلَا کَفَّارَةَ عَلَیْهِ۔

(مذاہب خمسہ ص ۲۷۰ الرمی ایام التشریق۔)

ترجمہ:

اہل تشیع کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص جمرہ کی رمی کرنا بھول گیا۔ یا بعض رمی بھول گیا۔ تو دوسرے دن صبح واپس آکر رمی کرے جب تک ایام تشریق باقی ہیں۔ اور اگر تمام جمرات کی رمی بھول کر چھوڑ گیا۔ حتیٰ کہ مکہ میں چلا آیا۔ تو اس پر واپس منیٰ میں آنا واجب ہے۔ اور رمی کرے گا۔ اگر یہ ایام تشریق باقی ہیں۔ اور اگر یہ دن گزر گئے۔ تو آئندہ سال خود یہ شخص آکر رمی کو ادا کرے۔ یا پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔ بہر حال اس پر کفارہ نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ

حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک رمی جمرات کے چھوڑنے پر ایک دم دینا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر یہ نقصان پورا نہیں ہو گا۔ آپ اس سے اس فعل کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع کے ہاں سرے سے اس کا کفارہ ہے ہی نہیں۔ یعنی کوئی اتنا بڑا جرم نہیں اور اتنا بڑا حج میں نقصان نہیں ہوا۔ کہ جس کے

پورا کرنے کے لیے دَم (قربانی) دینا پڑے۔ یا تو اگلے سال آگیا تو اس سال کی رہی ہوئی رمی کو پورا کرے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ سے توبہ مانگے۔ بس نقصان پورا ہو گیا اہل تشیع نے اپنی برادری کے لیے ایک بھاری اور مشکل کام بہت آسان کر دیا۔ ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی انتہائی مشکل کام ہے۔ اور اسے یوں آسان بنا دیا گیا۔ جیسے مکھن سے بال نکال دیا جائے۔

(فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ)

نورانی بیان از

پیر طریقت راہبر شریعت واقف اسرار حقیقت

پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فقہ جعفریہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو آئمہ اہل بیت اطہار کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ اور یہ فقہ کس حد تک قابل عمل ہے؟ یہ امور بالتفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکے۔ جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قارئین کرام نے پیش نظر کتاب کا مطالعہ کر کے بخوبی جان لیا ہوگا۔ کہ فقہ جعفریہ ان چند بے بنیاد روایات اور من گھڑت فقہی مسائل کا مجموعہ ہے۔ جو شیعوں نے از خود وضع کر کے ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کر دیے۔

فقہ جعفریہ کے بے بنیاد ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت کے اپنے فرامین کے مطابق ان کی وہی روایت قابل قبول اور قابل عمل ہے جو قرآن کے موافق ہو۔ ان کا ارشاد ہے۔ کہ اگر ہماری طرف سے بیان کردہ کوئی روایت تمہیں کو ملے اور قرآن کے خلاف ہو تو اسے ہرگز تسلیم نہ کرو۔ شیعوں کی معتبر کتاب امالی شیخ صدوق میں ہے۔

امالی شیخ صدوق

عَنِ الصَّادِقِ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ (ع) عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ (ع) اِنَّ عَلٰی كُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً وَّ كُلِّ صَوَابٍ نُوْرًا فَمَا وَافَقَ كِتَابَ اللّٰهِ فَخُذُوْهُ وَ مَا خَالَفَ كِتَابَ اللّٰهِ فَدَعُوْهُ

(امالی صدوق المجلس التاسع وخمسون ص۲۲۱)

ترجمہ:

امام جعفر صادق اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہر حق بات کی حقیقت ہے اور ہر صحیح روایت کے لیے نور ہے۔ تو جو روایت قرآن کے موافق ہوا سے لے لو اور جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔

اسی طرح ایک اور جگہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

رجال کشی

لا تقبلوا علینا حدیثا الا ما وافق القرآن او السنة او تجدون معه شاهداً من احادیثنا المتقدمة فان المغیرة لعنه الله دس فی کتب اصحاب ابی حادیث لم یحدث بها ابی -

(رجال کشی ص ۱۹۵ از فہرد بن سعید)

ترجمہ:

اے ولگو ہماری طرف کوئی روایت اس وقت قبول کرو جب وہ قرآن و سنت کے موافق ہو یا اس سے سابق روایات اس کی تائید کرتی ہوں۔ کیونکہ مغیرہ پر خدا لعنت کرے اُس نے میرے والد کے اصحاب کی کتابوں میں اپنی وضع کردہ احادیث داخل کردی ہیں جو میرے والد نے ارشاد ہی نہیں فرمائیں۔

یاد رہے مذکورہ بالا عبارت میں لفظ سنت اور سابق روایات کے الفاظ سے کسی کو دھوکہ نہ ہو کیونکہ اس سے مراد بھی ائمہ اہل بیت کی وہی روایات ہیں جن میں مغیرہ جیسے شیعوں نے تخریب کاری کی ہوئی ہے۔ اور ان کی تصدیق و توثیق کے لیے بھی قرآن سے موافقت کا ہی ایک معیار ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بقول ائمہ اہل بیت ان کی وہی روایت قابل قبول ہے۔ جو قرآن کے موافق ہو اور یاد رہے کہ قرآن شیعوں کے نزدیک تحریف شدہ ہے اور اس پر ان کی متواتر روایات موجود ہیں۔ دیکھئے۔

انوار نعمانیہ

ان تسلیم تواترها عن الوحی الالٰهی وكون الكل قد نزل به الروح الامین یفضی الی طرح الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علی وقوع التحریف فی القرآن كلامًا ومادۃً واعراباً۔

(انوار نعمانیہ جلد ۲ ص ۳۵۷)

ترجمہ:

اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن وحی الہٰی سے اب تک متواتر چلا آرہا ہے اور یہ سارے کا سارا وہی ہے جو جبریل امین لے کر آئے تھے تو پھر ان تمام مستفیض بلکہ متواتر روایات کو چھوڑنا پڑے گا جو صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ قرآن اپنی عبارت۔ الفاظ اور اعراب کے لحاظ سے تحریف شدہ ہے۔

یعنی فقہ جعفریہ کی روایات کی صحت قرآن پر موقوف ہے اور قرآن تحریف شدہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ جعفریہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ یہ من گھڑت اور خانہ ساز روایات کا مجموعہ ہے۔ اور اس کے من گھڑت ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ اگر اسے تسلیم کریں تو قرآن تحریف شدہ قرار پاتا ہے اور اگر قرآن کو صحیح مانیں تو فقہ جعفریہ کی روایات کو غلط کہنا پڑتا ہے۔ تو ایک عقل مند آدمی یہی فیصلہ کرے گا۔ کہ قرآن تو بے شک صحیح اور غیر تحریف شدہ کتاب ہے مگر شیعہ روایات اور ان پر مبنی فقہ مکمل طور پر من گھڑت اور موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سید محمد باقر علی

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

☆

ردِ شیعہ میں ہماری مطبوعات کا مختصر تعارف

پہلی کتاب

تحفہ جعفریہ ــــ ۵ جلدیں

شیخ الحدیث مناظر اسلام علامہ مولانا محمد علی مدظلہ

اس کتاب کے تمام تر مضامین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذواتِ قدسیہ کے گرد گھومتے ہیں

مضامین جلد اول

مقدمہ ۔ اس بارہ میں کہ معتبر شیعہ مؤرخین کا اعتراف ہے کہ شیعہ مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی ہے ۔ باب اول : مسئلہ خلافت اس باب میں اولاً شیعوں کے وہ دلائل پیش کیے ہیں جو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل پر قائم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ شیعہ کتب کی روشنی میں ان کا نہایت ٹھوس اور محققانہ رد کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد خلفاء راشدین کی خلافتِ حقہ پر قرآن مجید اور شیعہ کتب سے وزنی دلائل درج کیے گئے ہیں ۔ ہر دلیل اپنی جگہ ایک تحقیقی مقالہ ہے ۔ باب دوم ۔ اس میں دو فصلیں ہیں پہلی فصل میں شیعوں کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ حضرت علی سے دست صدیق اکبر پر جبراً بیعت لی گئی تھی ۔ اور فصل دوم میں شیعہ کی تضاد بیانی واضح کی گئی ہے ۔ کہ ایک طرف شیعہ حضرت علی کی طاقت و قوت خدا تک پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف انہیں بہت ہی [illegible] ثابت کرتے ہیں ۔ باب سوم

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کامل الایمان اور جنتی ہونے پر قرآن کریم اور کتب شیعہ سے نو عدد فولادی دلائل ہیں۔ باب چہارم۔ یہ باب فضائل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے متعلق ہے (فصل اول) میں فضائل جملہ صحابہ کرام از کتب شیعہ (فصل دوم) میں کتب شیعہ سے خلفاء ثلاثہ کے مشترکہ فضائل (فصل سوم) میں ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم تینوں صحابہ کے علیحدہ علیحدہ مناقب بیان کیے گئے ہیں جو مکمل طور پر کتب شیعہ سے لیے گئے ہیں۔ کوئی انصاف پسند انہیں پڑھ کر شیعہ نہیں رہ سکتا۔

مضامین جلد دوم

باب اول۔ خلفاء ثلاثہ کے نبی و آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاندانی و نسبی تعلقات کے بارہ میں ہے (فصل اول) اس میں ابوبکر صدیق اور ان کے اہل بیت کے نبی و آل نبی سات رشتہ داریاں کتب شیعہ سے ثابت کی گئی ہیں۔ (فصل دوم) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نبی و آل نبی سے رشتہ داریاں اس ضمن میں نکاح ام کلثوم کے بارے میں چار طویل و عریض تحقیقی ابحاث ہیں۔ (فصل سوم) عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نبی و آل نبی سے اٹھ رشتہ داریاں از کتب شیعہ۔ اس ضمن میں مسئلہ بناتِ رسول پر کتب شیعہ کی روشنی میں بے مثل تحقیق لائی گئی ہے جو اس موضوع پر شیعوں کو عاجز کر دینے کے لیے کافی ہے۔ باب دوم نبی علیہ السلام علی المرتضیٰ اور اہل بیت رسول سے خلفاء ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات۔ یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ باب سوم۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور بنو امیہ کے اہل بیت رسول سے مذہبی تعلقات فصل اول۔ شان امیر معاویہ از کتب اہل سنت و اہل تشیع سے (فصل دوم

امیر معاویہ اور ان کے خاندان کے نبی علیہ السلام اور بنو ہاشم سے نسبی و خاندانی تعلقات۔ فصل سوم۔ دستِ امیر معاویہ پر حسنین کریمین کی بیعت کا ثبوت از کتب شیعہ۔ باب چہارم۔ فضائل امہات المومنین ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فصل اول۔ قرآن کی روشنی میں ازواج رسول آپ کی اہلبیت میں داخل ہیں۔ فصل دوم۔ فضائل جملہ ازواج از قرآن و کتب شیعہ۔ فصل سوم۔ فضائل سیدہ عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما۔

مضامین جلد سوم

باب اول۔ (بحث فدک) اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔ فصل اول۔ باغ فدک کی تحقیقی بحث جغرافیائی حدود۔ فصل دوم۔ شمولِ فدک در مال فئی اور فئی کا حکم از قرآن کتب شیعہ۔ فصل سوم۔ سیدہ فاطمہ کی ابوبکر صدیق سے ناراضگی کی تحقیق۔ فصل چہارم۔ بنتِ رسول کی ناراضگی استحقاقِ خلافت پر اثر انداز نہیں۔ فصل پنجم۔ ہبہ فدک کی سنی روایات کی جرح۔ فصل ششم۔ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ ثبوت از کتب شیعہ۔ فصل ہفتم سیدہ فاطمہ رضی صدیق اکبر سے راضی تھیں۔ ثبوت از کتب شیعہ۔ فصل ہشتم جنازہ سیدہ فاطمہ میں صدیق و فاروق کی عدم شمولیت کے طعن کا جواب۔ باب دوم۔ سے باب ہفتم تک ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی سیدہ عائشہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم پر شیعوں کے بعض اعتراضات کا نہایت ٹھوس اور منہ توڑ جواب ہے

مضامین جلد چہارم

جلد سوم کی طرح یہ بھی منقبتِ صحابہ پر کیے گئے اعتراضات کے جواب

میں ہے۔ جلد سوم اور جلد چہارم میں درج شدہ بعض اعتراضات یہ ہیں۔ ۱ صحابہ میدان احد سے بھاگ گئے۔ ۲ ابو بکر صدیق سے سورہ براءت کے اعلان کی ذمہ داری نبی علیہ السلام نے واپس لے کر علی المرتضٰے کو دے دی تھی۔ ۳ حدیث قرطاس۔ ۴ عمر فاروق نے سیدہ فاطمہ کو زندہ جلا دینے کی دھمکی دی۔ ۵ اور سیدہ فاطمہ کے بطن پر دروازہ گرا کر حمل ضائع کر دیا۔ ۶ حضرت عمر فاروق کو حدیبیہ میں نبی کی رسالت میں شدید شک ہو گیا تھا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کیے گئے اعتراضات کی منہ توڑ تردید۔ بعض اعتراضات یہ ہیں ۱ مروان کو نبی علیہ السلام نے مدینہ سے نکالا اور عثمان نے واپس بلایا۔ ۲ عثمان نے بنت رسول ام کلثوم رضی کو قتل کیا۔ اور اس کی لاش سے جماع کیا۔ (معاذ اللہ) ۳ ابو ذر غفاری رضی جیسے جلیل القدر صحابی کو جلا وطن کر دیا۔ ۴ عبداللہ بن مسعود کا وظیفہ بند کر دیا۔ ۵ متعدد صحابہ کو معزول کر کے اپنے رشتہ داروں کو گورنریاں دے دیں۔ اس ضمن میں عثمانی گورنروں اور عمال کی فتوحات اور کارنامے شیعہ کتب سے مفصل پیش کیے گئے ہیں۔ ۶ اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عطیات دیے۔ ۷ نتیجۃً لوگ مخالف ہو گئے اور عثمان غنی کو قتل ہونا پڑا ۸ تین دن تک لاش کوڑے کرکٹ پر پڑی رہی۔ اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراضات کا جواب بھی قابل دید ہے۔ بعض یہ ہیں ۱ پردہ کے احکامات کی مخالفت کی ۲ خلیفہ برحق سے بغاوت کی ۳ امام حسن کو روضۂ رسول میں دفن نہ ہونے دیا اور لاش پر تیر پھینکے۔ اس ضمن میں جنگ جمل اور جنگ صفین کا پس منظر اور بعض شہادت کا قابل مطالعہ انداز جلد سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

تحفہ جعفریہ جلد پنجم: اس جلد میں دو باب ہیں

بابِ اول: باب اول میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے مطاعن کے دندان شکن جوابات

طعن ۱: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں خطیب حضرات کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کیا کریں (معاذ اللہ)

طعن ۲: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی کی۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بجائے یزید کو ولی عہد بنایا

طعن ۳: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط کی مخالفت کی کہ اپنے بعد مسئلہ خلافت شوریٰ پر چھوڑ دیں گے

طعن چہارم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلا کر شہید کر دیا۔

طعن پنجم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قاتل ہیں

طعن ششم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد بنا کر مسلمانوں کی خون ریزی کی بنیاد رکھی۔

طعن ہفتم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابیٔ رسول جناب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو ناحق قتل کیا۔

بابِ دوم: اہل تشیع کے مشہور مطاعن و اعتراضات کے چند اور تحقیقی جوابات کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کی ایک اور جھلک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم و سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باہم الفت کا تذکرہ اس باب میں بھی چند فصول ہیں۔

فصل ۱: کربلا سے بعلی میں جانے والی ام کلثوم جو امام مسلم کی زوجہ تھیں۔ وہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے صاحبزادی نہیں اور وہ ام کلثوم جو حضرت فاروق اعظم کی زوجہ تھیں۔ وہ خاتونِ جنت کے بطن اقدس سے تھیں۔

فصل ۲: ام کلثوم بنت علی کا عقد عمر فاروق سے باہمی رضامندی سے ہوا

فصل ۳: اس میں درج ذیل مطاعن اور ان کے جوابات درج کیے گئے ہیں۔

طعن ۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حسنین رضی اللہ عنہما کو اچھا نہ سمجھتی تھیں۔

طعن ۲: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عناد تھا۔

طعن سوم؛ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی پر گالی گلوچ کیے جانے کو پسند کرتی تھیں۔
طعن چہارم: سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو اپنی سوتیلی ماؤں سے شکایت رہتی تھی۔
طعن پنجم: سیدہ عائشہ نے حضرت فاطمہ زہرا کی وفات پر اظہار افسوس تک نہ کیا
طعن ششم: سیدہ زہرا کے جنازہ پر آنے سے سیدہ عائشہ کو زبردستی روکا گیا۔ اور ابوبکر صدیق کی سفارش بھی ٹھکرا دی گئی۔
طعن ہفتم: حضرت عثمان غنی کے قتل میں جناب طلحہ اور زبیر کے علاوہ ام المومنین سیدہ عائشہ بھی ملوث تھیں۔
طعن ہشتم: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قتل عثمان کی کوشش کی۔
طعن نہم: حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما ہی حضرت عثمان کے قاتل ہیں۔
طعن دہم؛ حضرت عائشہ صدیقہ کا گھر فتنوں کی جگہ تھا۔
طعن یازدہم: حضرت طلحہ نے یہ تمنا کی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے
ہے کہ شیعہ فرقہ ہی امام حسین و آل نبی کا قاتل ہے۔

آگے فصل نہم سے سیزدہم تک امام زین العابدین سے لے کر امام مہدی تک اپنے مقرر کردہ اماموں کی شان میں شیعوں کی بے ادبیاں اور گستاخیاں درج کی گئی ہیں۔

باب دوم؛ ائمہ اہل بیت کی شیعوں سے بیزاری اور ان کے حق میں ان کی بددعاؤں کا مفصل تذکرہ۔ جو تعجب خیز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی

باب سوم (بحث بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم) فصل اول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔ قرآن کریم اور کتب شیعہ سے ٹھوس دلائل (فصل دوم) چار عدد بناتِ رسول و علی بعض شیعہ روایات کے راویوں پر شیعہ مولویوں کی نامعتبر تنقید کا جزئی محاسبہ (فصل سوم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو ربیبہ

بعد ان کی زوجہ عائشہ صدیقہ سے شادی کروں گا۔

طعن دوازدھم: عکرمہ صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے نکاح کیا تھا

فصل چہارم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ اس پر چند تحقیقی حوالہ جات۔

فصل پنجم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کی کتب شیعہ سے مزید جھلکیاں۔

فصل ششم: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین مثالی محبت و الفت۔

دوسری کتاب

عقائد جعفریہ ۳ جلدیں

شیخ الحدیث مناظر اسلام علامہ مولانا محمد علی مدظلہ

یہ کتاب شیعہ فرقہ کے عقائد کا حقیقت نما آئینہ ہے

• مضامین جلد اوّل:

باب اوّل۔ شیعہ فرقہ کے گستاخانہ عقائد۔ (فصل اول) اللہ کی شان میں شیعوں کی گستاخیاں۔ (فصل دوم) شانِ جملہ انبیاء میں گستاخیاں (فصل سوم) شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبیاں (فصل چہارم) شانِ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں شیعوں کی جسارتیں (فصل پنجم) شان حضرت علی رضی اللہ عنہ میں شیعوں کی گستاخیاں (فصل ششم) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عظمت میں بے باکیاں (فصل ہفتم) شان امام حسن میں گستاخیاں (فصل ہشتم) امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخیاں۔ اس ضمن میں کتب شیعہ سے بڑی شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا گیا

یعنی متعہ پرورده بیٹیاں ثابت کرنے پر شیعوں کے دلائل کا سخت ترین علمی محاسبہ۔

مضامین جلد دوم

باب اوّل۔ (بحث امامت) (فصل اول) مسئلہ امامت کے متعلق سنی عقائد کا خلاصہ۔ اور شیعوں کا یہ عقیدہ کہ بارہ اماموں میں سے کسی کی امامت کا منکر یا ان کے مقابلہ میں دعویٰ امامت کرنے والا یا اسے امام ماننے والا کافر و مرتد ہے۔ یہ بارہ امام اللہ کی طرف سے منصوص ہیں (فصل دوم) شیعوں کے ہاں امامت کی شرط اول منصوص من اللہ ہونے کی تردید پر مفصل دلیل۔ (دلیل اول۔) آل رسول میں سے متعدد شخصیات نے ائمہ اہل بیت کے مقابلہ میں امامت کا دعویٰ کیا چنانچہ اس دلیل میں ثابت کیا گیا کہ امام زین العابدین کے مقابلہ میں محمد بن حنفیہ فرزند علی المرتضیٰ نے دعویٰ امامت کیا۔ امام باقر کے مقابلہ میں حضرت زید بن امام زین العابدین نے۔ امام جعفر کے مقابلہ میں نفس زکیہ آل امام حسن نے اور اسی طرح دیگر ائمہ کی امامت کا انکار کرتے ہوئے ان کے مقابلہ میں آل رسول کی بزرگ تر شخصیات دعویٰ امامت کرتی رہیں۔ دلیل دوم۔ کسی خاص شخص کے لیے امامت و خلافت کے منصوص ہونے سے اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اور دیگر ائمہ اہل بیت کا انکار از کتب شیعہ (فصل سوم) شیعوں کے نزدیک امامت و خلافت کی دوسری شرط امام کے معصوم ہونے کی تردید اقوالِ ائمہ اہل بیت کی روشنی میں۔

باب دوم۔ شیعوں کی طرف سے اہل سنت پر امامت و خلافت سے متعلق بعض اعتراضات کا جواب

باب سوم۔ اس میں یزید کو اہل سنت کا امام قرار دینے پر شیعوں کے دلائل و اعتراضات۔ اور اہل سنت کے ہاں یزید کی پست ترین حیثیت کا بیان ہے۔ نیز اس ضمن میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ یزید نے

قتل حسین پر منہ پیٹا۔ سب سے پہلے ماتم کیا۔ اور یزید سے بڑا محب، اہل بیت کا کوئی نہ تھا۔

مضامین جلد سوم: اس جلد میں تین امور پر بحث کی گئی ہے۔

۱۔ کلمہ اسلام کیا اور کتنا ہے۔ اور لفظ علی ولی اللہ کلمہ کا جزء بنانا جائز ہے یا نہیں

۲۔ تحریف قرآن کی طویل بحث۔ اس بحث میں شیعہ کتب سے شمار سے زائد نہایت وزنی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ شیعہ فرقہ کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے۔

۳۔ بحث آیۂ تقیہ۔ تقیہ کیا ہے شیعوں کے ہاں اس کی کیا فضیلت ہے؟ اور اس کے بطلان کے دلائل

عقائد جعفریہ ... جلد چہارم

یہ جلد چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ اور اس بارے میں چار مطاعن کا جواب اس باب میں مذکور ہوئے۔

طعن اوّل: صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا۔

طعن دوم:

اگر صحابہ کرام میں محبت رسول تھی۔ تو آپ کی تدفین سے قبل خلافت کے لیے دوڑ دھوپ کیوں کی؟

طعن سوم:

صحابہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے جنازۂ رسول میں تاخیر ہوئی۔

طعن چہارم:

ابوبکر، عمر اس وقت لوٹے جب آپ کی تجہیز و تکفین ہو چکی تھی۔

ان مطاعن کے علاوہ ایک الزامی چیلنج کہ کوئی شیعہ کسی سند مرفوع اور صحیح حدیث سے یہ ثابت کر دکھائے۔ کہ تین ہی شیعہ حضرت علی المرتضیٰ کی نماز جنازہ

باب چہارم: لفظ شیعہ اور سنی کی بحث۔ مذہب شیعہ کے حق ہونے کے تین ارکان اور ان کا جواب۔

رکن اول: لفظ شیعہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ لیکن لفظ سنی نہیں۔

رکن دوم: ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے۔

رکن سوم: کتب اہل سنت کہتی ہے کہ شیعہ جنت میں جائیں گے۔

جلد پنجم عقائد جعفریہ بمعہ ضمیمہ

یہ جلد دو ابواب اور چند فصول پر مشتمل ہے

باب اول:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق گفتگو۔

اس میں چند فصول درج ذیل ہیں

فصل اول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی ہر دور میں افضلیت

فصل دوم: آپ ان لوگوں میں منتقل ہوتے رہے۔ جو "ساجدین" تھے۔

فصل سوم: آپ کے آباؤ اجداد زمانہ فطرت میں صاحبانِ ایمان اور توحید کے معتقد تھے

فصل چہارم: مودودی محدث ہزاروی وغیرہ سنی نما مولویوں بیروں کے امیر معاویہ کی ذات پر اعتراضات کے دندان شکن جوابات

فصل پنجم: امیر معاویہ کے بارہ میں اکابرین امت کے عقائد۔

فصل چہارم: آپ نے اپنے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور اپنا کلمہ پڑھوایا۔

فصل پنجم: ان احادیث و روایات کے جوابات جن میں آپ کے والدین کا دوزخی ہونا آیا ہے

فصل ششم: امام اعظم کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہا اس کی تردید۔ اور ملا علی قاری کی توبہ۔

باب دوم

ان کتب کا تذکرہ جو اہل تشیع دھوکہ دینے کے لیے ہم "اہل سنت کی معتبر کتاب" کے عنوان پیش کرتے ہیں

مثلاً ۱۔ شرح ابن ابی حدید۔ ۲۔ روضۃ الاحباب۔ ۳۔ حبیب السیر۔ ۴۔ تاریخ یعقوبی ۵۔ الصفوۃ الصفوۃ ۶۔ مروج الذہب ۷۔ تذکرۃ الخواص ۸ ینابیع المودۃ ۹ فرائد السمطین ۱۰۔ المقتل ابن ابی مخنف ۱۱۔ حلیۃ الاولیاء ۱۲/ اخبار الطوال ۱۳۔ روضۃ الشہداء ۱۴ مقاتل الطالبین ۱۵۔ مودۃ القربیٰ ۱۶۔ الملل والنحل، العقد الفرید ۱۸۔ تاریخ طبری ۱۹۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ ۲۰ خصائص نسائی ۲۱۔ معارج النبوۃ۔ ۲۲ کتاب الفتوح اعثم کوفی۔ ۲۳ روضۃ الصفاء ۲۴ تاریخ ابوالفداء ۲۵ مستدرک حاکم۔ وغیرہ

باب دوم:

اس باب میں ایک تحقیقی بحث ہے یعنی جب شیعہ لوگ اہل سنت وجماعت پر کوئی الزام قائم کرتے ہیں۔ یا اپنے مسلک کی توثیق پیش کرتے ہیں۔ تو لکھتے ہیں۔ کہ اہل سنت وجماعت کی فلاں فلاں معتبر کتاب میں یہ لکھا ہے۔ تو اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ یہ مذکورہ کتب

کیا اہل سنت کی ہیں یا اہل تشیع کی؟

اگر اہل سنت کی ہیں تو کیا معتبر ہیں یا نہیں۔

عقائد جعفریہ جلد ششم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر لعن طعن کرنے والے سنی نما دیو بندوں

مودودیوں، بریلویوں اور پیروں کا معتبر کتب اہل سنت سے محاسبہ۔

اس جلد میں ایک باب اور چند مندرجہ ذیل فصول ہیں۔

فصل اوّل: شان صحابہ: **فصل دوم:** صحابہ کرام پر لعن طعن کرنے والوں کا انجام

فصل سوم: امیر معاویہ کے صحابی ہونے پر مدلل ثبوت

فصل چہارم: امیر معاویہ کے فضائل و مناقب

فصل پنجم: امیر معاویہ پر لعن طعن کرنے والے کس زمرہ میں۔

فقہ جعفریہ کی جلد اوّل کا تعارف

جلد اوّل میں مختلف موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح و طلاق اور حلال و حرام کے مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان موضوعات میں بہت سے مسائل اہل تشیع نے ایسے درج کر دیئے ہیں۔ جو ان کے خانہ ساز ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ "فقہ جعفریہ" ان کی گھڑی ہوئی فقہ ہے۔ اجمالی طور پر ہم نے ان مسائل کے تعارف کے لیے تین فصول باندھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

فصل اوّل

"فقہ جعفریہ" کی بنیاد اور ماخذ چار کتابیں ہیں۔ اصول کافی، تہذیب الاحکام من لایحضرہ الفقیہ اور الاستبصار۔ صاحب استبصار اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (جن کی طرف نسبت کی وجہ سے فقہ جعفریہ کہلاتی ہے) کے مابین تقریباً تین صدیوں کا فاصلہ ہے۔ امام جعفر صادق اور ان کے والد گرامی سے جن لوگوں نے روایات بیان کی ہیں۔ وُہ ان ائمہ کی زبانی ملعون اور مردود لوگ ہیں۔ ان لوگوں کی روایت کردہ احادیث سند کے اعتبار سے ناقابلِ اعتبار ہیں۔ کیونکہ حضرات ائمہ اہل بیت سے ان تک کے واسطے صحیح نہیں ہیں۔ یہ بات "فقہ جعفریہ" کے خود ساختہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

فصل دوم

اس میں اہل تشیع کے ایسے عقائد زیر بحث لائے گئے ہیں۔ جو توحید کے خلاف ہیں۔ اور مشرکانہ نظریات ہیں۔

فصل سوم

یہ فصل حضرات ائمہ اہل بیت کے اُن ارشادات میں ہے۔ جن میں انہوں نے "دین چھپانے" کی تاکید کی۔ اور اس پر نہ عمل کرنے والے کو اپنا قاتل قرار دیا ہے

مسائلِ طہارت کے ضمن میں درج ذیل ابحاث مذکور ہوئیں

فصل اوّل

(۱) پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے مٹکے میں خواہ کتنی ہی نجاست گر پڑے، وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

(۲) استنجاء کے لیے جو پانی استعمال کیا گیا۔ وہ پاک ہے۔ اور اگر اس میں کوئی کپڑا وغیرہ گر پڑے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

(۳) گدھے اور خچر کا پیشاب، ودی اور مذی اور غسل جنابت کے لیے استعمال کیا گیا پانی پاک ہے۔

(۴) ہوا خارج ہونے سے وضوء میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

⑤ پردہ صرف قُبل اور دُبر کا ہے۔ ان میں سے دُبر خود جو تڑوں میں چھپی ہونے کی وجہ سے پردہ میں ہے۔ اور اگلی شرمگاہ پر اگر ہاتھ رکھ لیا جائے۔ یا بیوی کا ہاتھ رکھ دے تو پردہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس پر کوئی چینی ٹیپ دی جائے تو بھی پردہ ہو جاتا ہے۔ دُبر میں وطی کرنے سے عورت کا نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی اُسے نہانے کی ضرورت ہے۔

⑥ بول و براز پھرتے وقت قرآن کریم پڑھنا جائز ہے۔

⑦ کُتّا یا چوہا اگر گھی یا ہنڈیا میں گر جائے تو اس سے طہارت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

⑧ سور اور کتا، زندہ یا مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہے۔

فصل دوم

① تیمم میں مُنہ میں سے صرف ماتھے کا مسح اور ہاتھوں میں سے صرف ہتھیلی کا مسح کرنا کافی ہے۔

② وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنے کا شیعی عقیدہ اور اس کی تردید۔ پاؤں دھونے پر ہر دور کے علماء کا اتفاق رہا۔ نیز وضو میں ترتیب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضٰے نے اختیار فرمائی۔ اسی پر اہل سنت کا عمل ہے۔

فصل سوم

اس میں اذان کے مسائل میں سے پہلے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ اذان میں "علی ولی اللہ" بڑھانے والا ملعون، گنہگار اور بدعتی ہے۔ نیز جنبی کے اذان کے جواز پر حوالہ جات مذکور ہیں

کتاب الصلوٰۃ

اس موضوع کے ضمن چند مسائل بطور خاص یہ ہیں

فصل اوّل

۱۔ دوران نماز بچے کو دودھ پلانے سے ماں کی نماز نہیں ٹوٹتی۔

۲۔ لونڈی اور بیوی کو اگر نمازی دورانِ نماز چھاتی سے لگائے۔ تو نماز بدستور قائم رہتی ہے اسی طرح آلہ تناسل سے کھیلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ پلید ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۴۔ دوران نماز لعنت بھیجنا سنتِ ائمہ ہے۔

فصل دوم

۱۔ بے نماز کی سزا، ستر دفعہ حقیقی ماں سے زنا کرنا، ستر پیغمبروں کو شہید کر دینا ستر قرآن جلا دینا اور سات دفعہ بیت المعمور کو گرانا، نماز نہ پڑھنے سے چھوٹے جرم ہیں۔

۲۔ بے نماز کتے، خنزیر اور کافر سے بدتر ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین نہیں کرنی چاہیئے۔

۳۔ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثبوت

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ باندھ کر نماز ادا کرنے کا ثبوت۔

چیلنج: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو نمازیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ادا کیں۔ اگر کوئی شیعہ یہ ثابت کر دکھائے کہ آپ نے وہ نمازیں

ہاتھ کھلے چھوڑ کر ادا کیں۔ تو اسے دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ نیز اتنا ہی انعام اس شخص کو دیا جائے گا۔ جو یہ ثابت کر دے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ نے ان نمازوں کو دوبارہ پڑھا۔ جو ابوبکر صدیق کی اقتداء میں آپ نے ادا فرمائیں۔

فصل سوم

"التحیات للہ والصلوٰت والطیبات" کے الفاظ کا ثبوت کتب شیعہ سے۔

نماز تراویح شیعہ لوگوں کے نزدیک اگر بدعت عمری ہے۔ تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اسے ختم کیوں نہ کیا۔ حضرت علی ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہے۔ ائمہ اہل بیت ہمیشہ نماز تراویح ادا کرتے رہے۔

فصل چہارم

۱۔ میت کو غسل دیتے وقت اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہونے چاہئیں۔
۲۔ مرنے کے فوراً بعد مرنے والے (شیعہ) کے منہ یا آنکھ وغیرہ سے منی نکلتی ہے۔
۳۔ جو بھی میت کو ہاتھ لگا دے۔ اس پر غسل واجب ہے۔
۴۔ غسل دیتے وقت میت کی بغلوں میں لکڑی رکھی جائے اور اس کی ٹانگیں مضبوط باندھ لی جائیں۔
۵۔ جنبی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے شرمگاہ ڈھانپنا شرط نہیں ہے۔
۶۔ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں اور رفع یدین کی تردید)

۷۔ قبر کو چوکور شکل بنانا خلاف شرع ہے۔

کتاب الزکوۃ

۱۔ مروجہ سکہ کے بغیر سونے چاندی پر زکوۃ نہیں۔

کتاب الصوم

۱۔ بیوی یا بیٹی کا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۲۔ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

کتاب الحج

۱۔ جس کا ختنہ نہ ہو۔ اس کا حج باطل ہے۔
۲۔ عورت کو حج کرنے کے لیے محرم کا ساتھ ہونا ضروری نہیں۔

کتاب النکاح

۱۔ عورت کی شرمگاہ کا بوسہ لینا، اس میں انگلی پھیرنا، اس کی دُبر میں وطی کرنا سب جائز ہیں۔
۲۔ خوبصورت سے بلغم ختم ہو جاتی ہے۔
۳۔ معصوم اگر مسجد میں وطی کرے تو جائز ہے۔
۴۔ پیغمبروں کی خصوصیات مُرغ میں بھی پائی جاتی ہیں۔
۵۔ ریشمی کپڑا آلۂ تناسل پر لپیٹ کر محرم عورتوں سے بھی وطی جائز ہے۔
۶۔ ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ محارم سے وطی کرنا ایک طرح جائز اور دوسری

طرح ناجائز ہے۔

۷۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کی بیوی سے وطی کریں تو اس سے حرمت نہیں آتی۔

۸۔ سیدزادی کے ساتھ چوہڑے چمار تک کا نکاح جائز ہے۔

۹۔ کتب شیعہ میں نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں۔

۱۰۔ اہل سنت کے ساتھ اہل تشیع نکاح کو حرام سمجھتے ہیں۔ شیعہ لوگوں کے نزدیک اہل سنت، یہود و نصاریٰ، حرام زادے اور کتے سے بھی بدتر ہیں۔ لہٰذا سنیوں کو بھی شیعوں سے رشتہ ناطہ ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔

کتاب الحدود

۱۔ رضامندی سے زنا پر کوئی حد نہیں لگ سکتی۔

۲۔ بھول کر نکاح چھوڑ دینے کی صورت میں بھول کر وطی کر لینے سے بھی کوئی حد نہیں لگے گی۔

۳۔ چوری کی حد میں صرف ہاتھ کی انگلیاں کاٹی جائیں گی۔

"فقہ جعفریہ" — جلد دوم

"فقہ حنفی" پر لگائے گئے اعتراضات، امام اعظم کی شخصیت پر دھرے گئے الزامات کا تفصیلی تذکرہ، خاص کر غلام حسین نجفی شیعی کی کتاب "حقیقتِ فقہ حنفیہ" کا ترکی بہ ترکی جواب اس جلد کی مخصوص بحثیں ہیں۔

ان اعتراضات و الزامات کا ایک اجمالی خاکہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ فقہ حنفی کے ماخذ ثانی یعنی احادیث کے راوی کا مجروح ہونے کی بنا پر

یہ فقہ بے اصل ہے

۲ - تاریخ بغداد میں ابو حنیفہ کو کافر لکھا گیا۔ اور ان کا ایمان و اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانا۔

۳ - ابو حنیفہ کا فتنہ ابلیس اور دجال کے فتنے سے بھی بڑا ہے۔ اس فقہ نے اسلامی مضبوطی کو ختم کر دیا۔

۴ - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حنیفہ کی باتوں پر عمل کرنے سے منع کیا ہے

۵ - ان کی کتاب "کتاب الحیل" نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دکھایا۔

۶ - ابو حنیفہ کی مجلس درود و سلام سے خالی ہوتی تھی۔ اور ان کے فتاوی حق کے خلاف ہیں۔

۷ - ابو بکر صدیق کی گواہی کا ابو حنیفہ نے دین کو بدل ڈالا ہے۔

۸ - امام اعظم کے جنازے پر پادریوں کا اجتماع

۹ - اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے (ابو حنیفہ)

۱۰ - باپ کا قاتل اور ماں سے نکاح کرنے والا مومن ہے۔

۱۱ - ایمانِ ابو بکر صدیق اور ایمانِ ابلیس ایک ہی ہے۔ (معاذ اللہ)

ان اعتراضات والزامات کے علاوہ پچاس کے قریب ایسے ہی لغویات کا جواب اس حصہ میں مذکور ہے۔ اور "تاریخ بغداد"، کے حوالہ جات سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان، اور کتب شیعہ سے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی منزلت بیان کی گئی ہے

فقہ جعفریہ جلد سوم

بحث ماتم کو شرح و بسط کے ساتھ اس جلد میں ذکر کیا گیا جس کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

فصل اول

اہل سنت کے نزدیک حضرات اہل بیت کی تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے

فصل دوم

مروجہ ماتم کے ثبوت پر اہل تشیع کے گیارہ دلائل کا مسکت جواب۔

فصل سوم

قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ اہل بیت سے مروجہ ماتم کی بیخ کنی۔

فصل چہارم

ماتم کس کی ایجاد ہے؟ اس کا فقہی حکم اور انجام کیا ہے؟ مروجہ ماتم پر شیخ قمی کی بحث اور مروجہ ماتم کی تردید۔

فصل پنجم

ماتم کرنے والوں کی نشانیاں۔ (داڑھی چٹ، مونچھیں لمبی، لباس سیاہ اور لوہے کے کڑے) ان علامات کی کتب شیعہ سے تردید۔

فصل ششم

تعزیہ نکالنے کی تاریخ، اس کی شرعی حیثیت اور ذوالجناح برآمد کرنے اور اس کی حقیقت کی تفصیلی بحث۔

نوٹ:

غلام حسین نجفی شیعی نے ثبوت ماتم پر ایک کتاب بنام "ماتم اور صحابہ" لکھی جس میں اس نے کمال عیاری اور مکاری سے گندی زبان کا سہارا لے کر مروجہ ماتم کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ تقریباً ستاسی نہریات ذکر کیے۔ ہم نے اُن کا پورا محاکمہ کیا۔ اس تفصیلی بحث کے بعد "جواز ماتم" کا قول بالکل باگلانہ بات نظر آئے گی۔

فقہ جعفریہ جلد چہارم ــ متعہ کی بحث

بحثِ متعہ کو کمال خوبی کے ساتھ درج ذیل فصول میں مکمل کیا گیا ہے

فصل اول متعہ کا رواج زمانۂ جاہلیت سے تھا۔

فصل دوم: کتب اہل سنت سے متعہ کی حقیقت۔

فصل سوم: تعارف متعہ از کتب شیعہ

فصل چہارم: متعہ کے جواز پر اہل تشیع کے چار دلائل اور ان کا دندان شکن جواب

فصل پنجم:

متعہ کے حرام ہونے پر قرآن کریم اور کتب شیعہ سے آٹھ دلائل قاہرہ۔

فصل ششم اہل تشیع کے ہاں بے حیائی کے عجیب وغریب طریقے۔

فصل ہفتم:

"جواز متعہ" نامی کتاب میں پچیس کے قریب مذکور اُن مغالطوں اور دھوکہ بازیوں کا بے مثل جواب جو جواز متعہ پر دیئے گئے۔ جن کے مطالعہ کے بعد حرمت میں ہر وہم از خود ختم ہو جاتا ہے